سوانح

حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ

تالیف

محمد حسین صدیقی

استاذ حدیث جامعہ بنوریہ

زمزم پبلشرز

سوانح

حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ

تالیف

محمد حسین صدیقی

استاد حدیث جامعہ بنوریہ

زمزم پبلشرز

کتاب کا نام ـــــ سوانح حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ

تاریخ اشاعت ـــــ اپریل [illegible]

باہتمام ـــــ احباب زمزم پبلشرز

کمپوزنگ ـــــ

سرورق ـــــ احباب زمزم پبلشرز

طبع ـــــ احباب زمزم پبلشرز

ناشر ـــــ زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اردو بازار کراچی

فون: 021-2760374 - 021-2725673

فیکس: 021-2725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: http://www.zamzampub.com

ضروری گزارش

ایک مسلمان، مسلمان ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید، احادیث اور دیگر دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ سہواً جو اغلاط ہوگئی ہوں اس کی تصحیح و اصلاح کا بھی انتہائی اہتمام کیا ہے۔ اسی وجہ سے ہر کتاب کی تصحیح پر ہم زر کثیر صرف کرتے ہیں۔

تاہم انسان، انسان ہے۔ اگر اس اہتمام کے باوجود بھی کسی غلطی پر آپ مطلع ہوں تو اس گزارش کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ اور آپ "تعاونوا علی البر و التقوی" کے مصداق بن جائیں۔

جزاکم اللہ تعالی جزاء جمیلا جزیلا

ـــــ منجانب ـــــ

احباب زمزم پبلشرز

ملنے کے دیگر پتے

- دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- صدیقی ٹرسٹ لسبیلہ چوک کراچی۔
- مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AL-FAROOQ INTERNATIONAL
36 Rolleston Street Leicester
LE5 3SA
Ph: 0044-116-2537640

ISLAMIC BOOK CENTRE
119-121 Halliwell Road, Bolton BL1 3NE
Tel/Fax: 01204-389080

فہرست مضامین

عکس تحریر حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکیؒ

ولادت ۱۹۲۲ء، فراغت از دیوبند ۱۳۶۵ھ، خلافت از حضرت شیخ الحدیثؒ، متوفی رمضان ۱۴۱۵ھ / ۳ فروری ۱۹۹۵ء

مخدوم و مکرم زیدت عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا، اللہ تعالیٰ آنمخدوم کو تادیر زندہ وسلامت رکھے، مولوی رشید احمد صاحب آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو رہے ہیں، مولانا موصوف نے شجاع آباد میں مدرسہ عربیہ [illegible] کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے، جو کامل دیانت، تندہی سے دینی خدمت انجام دے رہا ہے۔ ادارہ کو بیحد مالی ضرورت ہے، مولانا رشید احمد صاحب کا بیان کسی سے [illegible] نہیں ہے، جناب والا اگر کسی سلسلہ میں کسی صاحب خیر کو متوجہ فرمائیں تو کرم ونوازش ہوگی فقط

احقر

ولی حسن ٹونکی غفر اللہ

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نتیجہ فکر

تو بوحنیفہ حال تھا مفتی ولی حسن
اکابرین کی مثال تھا مفتی ولی حسن

تیری نظر نے ذروں کو کر دیا تھا تاباں
وہ تجھ میں کیسا کمال تھا مفتی ولی حسن

کہاں ملے گا مجھے آپ جیسا فقیہ عصر
تو آپ اپنی مثال تھا مفتی ولی حسن

دیکھے ہیں دنیا نے لاکھوں عظیم لوگ
تو اعظم الکمال تھا کمال تھا مفتی ولی حسن

لوگوں کا حال کیا تھا جب چل بسے تھے آپ
زمانے کا وہ وصال تھا مفتی ولی حسن

لاکھوں تلامذہ ہیں دنیا میں تیرے آج
تو شیخ باکمال تھا مفتی ولی حسن

تاریخ دنیا پڑھے گی آپ کی تو یوں
بزرگ بے مثال تھا مفتی ولی حسن

تیری مدح میں کیا لکھے گا یہ حسین
تو کمال ہی کمال تھا مفتی ولی حسن

(محمد حسین صدیقی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم
مہتمم وشیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

حضرت اقدس مولانا مفتی ولی حسن خان ٹونکیؒ کی شخصیت طبقۂ اہل علم میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کا علم وعمل، فضل وکمال اور قول وفعل حجت وسند کا درجہ رکھتا تھا، آپ کا زہد وتقویٰ اسلاف واکابر کی یاد تازہ کرتا تھا، آپ کی حق گوئی وبے باکی قرون اولیٰ کی یاد دلاتی تھی۔

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہ جیسی دور اندیش اور مردم شناس ہستی انھیں اپنے ادارہ کا مدار فرماتے تھے۔ انھوں نے علم وفن کے وہ جوہر دکھلائے کہ اخلاف واصاغر ان کی مثال ونظیر قائم کرنے سے عاجز ہیں۔ وہ مرد میدان آسمان شہرت پر ہوتے ہوئے بھی عزلت وگوشہ نشینی کو ترجیح دیتا رہا۔ انھوں نے کبھی کسی انداز سے اپنے آپ کو منوانے یا جتلانے کی ادنیٰ سی سعی وکوشش نہیں کی بلکہ وہ ہر ایسی شکل وکوشش کو مٹانے کے درپے رہے۔

ضرورت تھی کہ اس مرد درویش کی شخصیت، ان کے کارہائے نمایاں، علم وعمل کی گہرائی وگیرائی علمی خدمات، درس وتدریس کی خصوصیات، علمی موشگافیوں اور تحقیقی کاوشوں کے علاوہ ان کی ہمہ جہت خدمات، خاندانی پس منظر، فقہی مہارت، زہد وتکشف، تقویٰ وطہارت اور باطل کی سرکوبی ایسے کارہائے نمایاں کو آنے والی نسلوں کے سامنے لایا جائے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا محمد حسین صدیقی فاضل جامعہ علوم اسلامیہ کو، جنھوں نے اس سلسلہ کا پہلا پتھر رکھ کر اس سلسلہ کی ابتدا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم کام پر اس کو عظیم بدلہ عطا فرمائے۔

پیش نظر مجموعہ میں حضرت مفتی صاحبؒ کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کا اختصار سے احاطہ کیا گیا ہے اور مولانا "والفضل للمتقدم" کے تحت موصوف اس سلسلہ کے "سابق للخیرات" ضرور قرار پائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول ومنظور فرمائے۔ اور کتاب سے ہر خاص وعام کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم (رئیس جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمات تشکر

حضرت مولانا سجاد حسن
بن
مفتی اعظم ولی حسن ٹونکیؒ

ہندوستان کی سرزمین بشمول پاکستان پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص کرم اور نظر عنایت رہی ہے کہ اس سرزمین نے ایسے فرزندوں کو جنم دیا جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی ان ادوار میں خدمت کی جب کم وبیش ساری دنیا فتنوں میں گھری ہوئی تھی اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کا خانوادہ اور سید احمد شہیدؒ کی خدمات قابل ذکر ہیں۔

حضرت سید احمد صاحبؒ نے اسی سرزمین کو اپنا جہادی مستقر قرار دیا تھا۔ اسی سرزمین کے ایک خاندان نے علمی تدبر میں شہرت پائی جن میں مولانا دوست محمد کابلیؒ، مولانا محمود حسنؒ (صاحب معجم المصنفین) اور مولانا حیدر حسنؒ قابل ذکر ہیں۔ اسی خاندان کے ایک فرد نے اپنے علمی مقام اور علمی فراست سے عالمگیر شہرت پائی۔ (حضرت مفتی ولی حسنؒ) جس شخصیت کا یہ تذکرہ ہے اس شخصیت کا نام گرامی حضرت مفتی ولی حسنؒ مرحوم ہے ٹونک آپ کا وطن مالوف تھا لیکن ٹونک میں آپ کا خاندان مقامی نہ تھا۔ غالباً بشام سے آپ کے خاندان نے ہجرت کی تھی لیکن ٹونک کا تعلق آپ کے ساتھ ساری زندگی ملزوم رہا حضرت والد صاحب کم وبیش تیس برس جامعۃ العلوم الاسلامیۃ میں دینی خدمت میں لگے رہے اور ایک معتبر فقیہ اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے علمی وعوامی حلقوں میں معروف ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمت کو قبول فرمائے۔ (آمین)

زیر نظر کتاب حضرت والد صاحبؒ کے حالات وواقعات پر مشتمل ہے جن کو حضرت مولانا محمد حسین صدیقی صاحب (شاگرد حضرت مفتی ولی حسن صاحب) استاذ حدیث جامعہ بنوریہ نے

بڑی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ مکمل کیا۔ مولانا موصوف اس سے پہلے بھی متعدد کتابیں تصنیف فرما چکے ہیں جو عوام اور خواص میں مشہور و معروف ہیں پہلی مرتبہ حضرت والد صاحب کے حالات منظر عام پر آرہے ہیں امید ہے کہ علماء وطلباء اور عوام اس کتاب کی پذیرائی فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور اس کتاب کا مقصد یہی ہے کہ ان ایمان افروز حالات کو پڑھ کر ہمارے اندر بھی اللہ کی محبت اور اعمال صالحہ کی توفیق مل جائے۔ (آمین)

کتبہ سجاد حسن

نبیرہ

حضرت مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی نور اللہ مرقدہ

۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری دامت برکاتہم

خلیفہ

حضرت مولانا شہید الاسلام محمد یوسف لدھیانویؒ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ:

برادر مکرم جناب مولانا محمد حسین صدیقی زید لطفہ فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن و مدرس جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی، نوجوان عالم دین اور باذوق صاحب قلم ہیں، ان کی متعدد تخلیقات منصۂ شہود پر آ چکی ہیں اور قبول عام کا شرف حاصل کر چکی ہیں۔

پیش نظر تالیف انھوں نے اپنے استاذ اور استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی قدس سرہ کی ہمہ جہت شخصیت اور ان کے مثالی کردار پر مرتب کی ہے، جو دراصل شاگرد کی جانب سے استاد کی بارگاہ علم و فضل میں نذرانہ عقیدت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس نذرانہ عقیدت کو قبول فرمائے۔

بلاشبہ اخلاف کے ذمہ فرض ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی شخصیت اور ان کے کارہائے نمایاں سے امت اور آنے والی نسلوں کو روشناس کرائیں تاکہ امت ان کے نقش قدم سے راہ پائے اور جادۂ حق پر چلنا ان کے لئے آسان ہو۔

اللہ تعالیٰ اس کاوش کو مصنف و ناشر کے حق میں ذریعہ نجات اور نئی نسل کے لئے ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین۔

سعید احمد جلال پوری

مدیر ماہنامہ ''بینات'' کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی

ابن

خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانوی

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد۔

حضرت مولانا محمد حسین صدیقی دامت برکاتہم العالیہ استاذ حدیث جامعہ بنوریہ سائٹ علم کی نسبت سے اور قرآن وحدیث کی نسبت سے وہ ہمارے لئے سر کا تاج ہیں اور ہمارے نہ صرف یہ کہ دینی اور اسلامی بھائی ہیں بلکہ علم دوست ساتھی بھی ہیں۔ انھوں نے حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ان کے استاد محترم بھی ہیں ان کی سوانح اور ان کے حالات زندگی کو مرتب کیا اور ان کی جب یہ محنت پوری ہوگئی تو منجملہ اکابر اور حضرات علماء کے ان کی نظر انتخاب میرے اوپر بھی پڑی کہ میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اور اس کتاب کے حوالے سے میں کچھ تبصرہ کروں۔ اگرچہ میں اس لائق نہیں ہوں لیکن بہرحال مولانا محمد حسین صدیقی صاحب نے کچھ حسن ظن قائم فرمایا تو میں نے محض اس لئے اس ذمہ داری کو قبول کر لیا، بہرحال میں بھی ان خوش نصیبوں میں سے ہوں جنھوں نے حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات بھی کی اور ان سے گفتگو بھی ہوئی۔

جہاں تک اس کتاب کے مطالعہ کا تعلق ہے اس کو بعض مقامات سے دیکھا تو اس میں حضرت مفتی صاحب کے علمی اور فقہی مقام کو بہت زیادہ بہترین انداز میں واضح کیا گیا ہے اور مفتی صاحب کی دیگر اور بھی خوبیاں اور ان کے نظام العمل اور ان کی دیگر باتیں بھی اس میں درج کی گئی ہیں۔ اور بہت ہی دلکش انداز میں مرتب فرمائی۔

میں ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کی حیثیت سے یہ بات کہوں گا کہ حضرت مفتی ولی حسن

صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسم بامسمی تھے ولی کامل تھے اور جو زمانہ ان کا ہم نے دیکھا علم کے بڑے اونچے مقام پر فائز تھے اور ان کا درجہ بہت بلند تھا جب حضرت کا وصال ہوا تو یہ بات رسمی طور پر نہیں جو عام طور پر جو بڑے بڑے علماء کے بارے میں ایک مشترک بیان یا تبصرہ یہ کیا جاتا ہے کہ موت العالم موت العالم۔ کہ عالم کی موت درحقیقت ایک عالم کی موت ہے اور یہ کہ آج جتنے بھی ہمارے علمی مراکز اور ادارے ہیں اور حضرات علماء جو موجود ہیں حضرت مفتی صاحب کے اٹھ جانے سے وہ سب کے سب یتیم ہوگئے اور علمی میدان میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا۔ یہ جملہ رسمانہیں ہے بلکہ حقیقتاً ہے۔

ٹنڈوالہ یار میں بخاری شریف کے ختم کے موقعہ پر ایک یا دو مرتبہ مولانا احترام الحق تھانوی جو دارالعلوم ٹنڈوالہ یار کے مہتمم ہیں اور یہ بڑے بھائی بھی ہیں انھوں نے مفتی ولی حسن صاحب کو دعوت دی کہ آپ بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دے دیں ٹنڈوالہ یار میں تو پھر یہاں سے جب قافلہ روانہ ہوا اور ٹنڈوالہ یار کی طرف جا رہے تھے تو قاری محفوظ الحق صاحب جن میں شریعت کے معاملہ میں کچھ سختی تھی۔ مطلب یہ کہ ان کے مزاج میں ذرا جلال تھا اور اللہ کے ہاں یہ بھی قابل قبول ہے تو ایک مسئلہ پر بات ہو رہی تھی کہ رویت ہلال کے مسئلہ میں شہادت کا جو نصاب ہے۔ اب اگر کوئی شاہد گواہی دینے کے لئے آئے۔ گواہ کیسا ہونا چاہیے۔ مطلب یہ کہ ویسے تو ظاہر ہے شریعت کے مطابق ہوگا۔ اس میں۔ قاری محفوظ صاحب نے فرمایا کہ یہ جو داڑھی مونڈھے آدمی گواہی دیتے ہیں چاند دیکھنے کی ان کی گواہی تو معتبر نہیں ہے اس لئے کہ وہ فاسق ہیں تو مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس زمانہ میں یہ فسق اگرچہ ہے لیکن اس کا اثر گواہی پر نہیں پڑے گا اس لئے کہ جب ایک عام ابتلاء ہے اور بہت سے لوگ اس کے اندر مبتلا ہیں۔ تو اب اس زمانہ میں متشرع اور داڑھی والے کی تلاش کرنا گویا اس میں حرج اور تنگی پیدا کرنا ہے لہذا اگر وہ شخص نمازی ہے اس کے بارے میں شہرت اچھی ہے لیکن محض اس بنیاد پر شہادت نہیں رد کی جائے گی کہ اس کی داڑھی نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے شکلاً اور سیرۃً ایک بہت اونچے مقام پر رکھا تھا ہم جب بھی حضرت مفتی صاحب کے چہرہ کو دیکھتے تو ایمان تازہ ہو جاتا ہرا بھرا چہرہ۔ چہرہ پرنور، گوری رنگت، اور اللہ تعالیٰ نے حسن بھی اعلیٰ دیا تھا۔

حضرت مفتی صاحب پان کے بہت شوقین تھے اور پان بھی یہ نہیں طلباء سے منگوالیا۔ وہیں بنوری ٹاؤن کے قریب ایک دکان والا تھا اور وہاں خود تشریف لے جاتے تھے پان لیا اور اپنے گھر چلے گئے بہر حال اللہ تعالیٰ نے بڑا کام لیا مفتی صاحب سے۔

حضرت مفتی صاحب کے اندر یہ صلاحیت تھی کہ انھوں نے دین کو پوری طرح سمجھا اور لوگوں کے سامنے پیش کیا نہ ان کے مزاج میں تشدد تھا اور حضرت مفتی صاحب کے علمی کمالات کے متعلق میں کیا تحریر کروں وہ تو حضرت مولانا محمد حسین صدیقی صاحب نے ماشاء اللہ کافی باتیں جمع کی ہیں میں سمجھتا ہوں کہ یہ جو باتیں مفتی صاحب کے متعلق جو باتیں جمع کی گئی ہیں اس کو پڑھنے سے لوگوں کو بہت فائدہ ہوگا اور بہت سے علمی نکات بھی حل ہوں گے اور علمی الجھنیں بھی دور ہوں گی۔ نیز علماء اور طلباء کے لئے یہ کتاب بڑی نافع رہے گی۔

میری دعا رہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قیامت تک کے لئے نافع اور سودمند بنائے اس کے ذریعے سے علماء اور طلباء کو دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جہاں مفتی صاحب کے مزاج میں فقیری تھی اور بے تکلفی، نرمی، شفقت، ملائمت، علمی فقاہت، بھی تھی۔ اور دینی حمیت کا عملی مشاہدہ اس وقت دیکھنے میں آیا کہ جب ایک مسئلہ پر عدالت نے ان کو بلوالیا اور یہ کہا کہ آپ پر توہین عدالت کا جرم ثابت ہوا ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ آپ آیئے اور عدالت میں آ کر معافی مانگئے۔ مفتی صاحب نے جج کے سامنے کھڑے ہو کر سپریم کورٹ اسلام آباد میں جب کہ بہت سے لوگ یہ سوچ رہے تھے کہ مفتی صاحب کیوں آگئے یہاں آنا نہیں چاہیے تھا معافی مانگنے کے لئے دوسری طرف اور جج بھی یہ سمجھ رہا ہے کہ "تو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔ کہ یہ بڑے سیدھے سادھے انداز میں آگئے لیکن جب مفتی

صاحب نے زبان کھولی اور گویا ہوئے تو فرمایا کہ مجھے اس لئے بلایا ہے کہ میں توہین عدالت کا مرتکب ہوں لہٰذا میں معافی مانگوں لیکن میں دیوبندی ہوں اور میرا تعلق اکابر علماء دیوبند سے ہے۔ اور اکابر علماء دیوبند نہ کبھی بک سکتے ہیں نہ کبھی جھک سکتے ہیں لہٰذا میں کوئی معافی نہیں مانگوں گا۔ اور وہاں پر موجود تمام طلباء و علماء میں روح پھونک گئی اور نعرہ لگائے۔ اور یہیں سے مفتی صاحب کا ایک اور وصف شجاعت سامنے آتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے وہیں سے ان کو مفتی اعظم کا لقب عطا فرمایا۔ اور واقعتاً آپ مفتی اعظم تھے اور اس کا صحیح مصداق واقع ہوئے۔

اب مفتی صاحب ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں اب ان کے تلامذہ اور شاگرد ہیں ہم سب کو چاہیے کہ ہم مفتی صاحب اور تمام اپنے اکابرین کے حالات زندگی کا مطالعہ کریں اور انھیں اپنی زندگیوں میں شامل کرنے کی کوشش کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا اکابرین مختلف رنگوں کے تھے رنگ بوئے دیگر است، گویا ہر پھول کا رنگ بھی الگ ہے اور خوشبو بھی مگر یہ سب کے سب ہمارے سر کے تاج ہیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

فقط

(حضرت مولانا) تنویر الحق تھانوی

(دامت برکاتہم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد نعیم
مہتمم جامعہ بنوریہ عالمیہ

الحمد للہ الذی جعلک لنا خلفا عن الامام ولکن لا یذھب عنی حسرت الامام

یاد جب آتا ہے رہنا ساتھ کا
زہر ہو جاتا ہے لقمہ ہاتھ کا

حضرت مولانا محمد حسین صدیقی صاحب استاذ جامعہ بنوریہ العالمیہ کراچی کتب کثیرہ کے مصنف اور جامعہ بنوریہ دارالتصنیف کے ذمہ داروں میں سے ہیں ماشاءاللہ دعوت وتبلیغ میں عرصہ دراز سے جڑے ہوئے ہیں گونا گوں مصروفیات کے باوجود تصنیف وتالیف میں بھی عرق ریزی کے ساتھ مصروف عمل ہیں" سوانح حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ" کے نام سے کتاب کی اشاعت ان کے ذوق تصنیف کی عکاسی ہے۔ حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ صرف مفتی اعظم پاکستان ہی نہیں بلکہ محدث اعظم بھی تھے۔ اس وقت پاکستان کے اکثر مدارس میں ان کے شاگرد ہی حدیث کا درس دے رہے ہیں۔ یہ حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کی قبولیت علم کی واضح نشانی ہے۔ باقی تفصیلی حالات آپ کو کتاب کے پڑھنے ہی سے آگاہی ہوگی جن کو مولانا محمد حسین صدیقی صاحب نے اس کتاب میں شامل اشاعت کئے ہیں۔

بزرگوں کے حالات سے آگاہی یقیناً ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے اوران کے حالات سے اچھی راہ متعین کرنے میں مدد ملتی ہے اللہ تعالیٰ مولانا محمد حسین صدیقی صاحب کی زندگی میں برکت عطا فرمائے کہ انہوں نے حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے مختصر حالات کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس کتاب میں پیش کیا جس کا مطالعہ ہر اہل علم اور اہل تصانیف کے لئے نافع کا باعث ہے

میری علماء کرام اور طلباء کرام سے استدعا ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں انشاءاللہ حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے حالات کی آگاہی سے بہت زیادہ فائدہ ہوگا اور اپنی زندگی کو ان کے نمونہ پر گذارنا آسان ہوجائے گا۔

فقط

(مولانا مفتی محمد نعیم)

شیخ الحدیث ومہتمم جامعہ بنوریہ العالمیہ

پیش لفظ

چراغ علم بجھا ہے یقین نہیں آتا
یہ سانحہ بھی ہو اب یقین نہیں آتا

شیخ الحدیث مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی علماء حق کے کہکشاں میں کوکب تاباں کی حیثیت رکھتے ہیں شائستگی اور سنجیدگی ان کا طرہ امتیاز تھا۔ سراپا وقار تھے حلم و بردباری اور درگزر ان کی شان تھی حضرت مفتی اعظم جامع الکمالات اور جامع الصفات شخصیت تھے وہ بیک وقت مفسر اعظم بھی تھے، مفتی اعظم بھی اور محدث اعظم بھی معلم بھی، صوفی بھی محقق و مؤرخ اور خطیب بھی تھے۔

ان سب سے بڑھ کر تقویٰ طہارت و محبت کا اعلیٰ نمونہ تھے غرض یہ کہ حضرت مفتی صاحب کے اوصاف حسنہ واخلاق جمیلہ کا احصار مجموعہ کے جو بھی دین کے کام کرنے والے ہیں ان سب کے لئے ان حالات سے تقویت حاصل ہوتی رہے گی جیسے کہ علامہ ابن جوزیؒ اپنی کتاب صید الخاطر میں طلبہ وعلماء کو مشورہ دیتے ہیں۔

"میں نے دیکھا کہ فقہ اور سماع حدیث میں انہماک و مشغولیت دل میں صلاحیت پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں اس کی تدبیر یہی ہے کہ اس کے ساتھ مؤثر واقعات اور سلف صالحین کے حالات کا مطالعہ بھی شامل کیا جائے۔ حرام وحلال کا خالی علم دل میں رقت پیدا کرنے کے لئے کچھ زیادہ سودمند نہیں دلوں میں رقت پیدا ہوتی ہے احادیث وحکایات سے اور سلف صالحین کے حالات سے اس لئے کو ان نقول وروایات کا جو

مقصود ہے وہ ان کو حاصل تھا احکام پر ان کا عمل شکلی اور ظاہری نہ تھا بلکہ ان کو ان کا اصلی ذوق اور لب لباب حاصل تھا جو میں تم سے کہہ رہا ہوں وہ عملی تجربہ اور خود آزمائش کرنے کے بعد ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ عموماً محدثین طلبہ فن حدیث کی ساری توجہ اونچی مسند حدیث اور کثرت روایات کی طرف ہوتی ہے۔ اسی طرح عام فقہا کی تمام تر توجہ جذبات اور حریف کو زیر کرنے والے علم کی طرف ہوتی ہے کیا ان چیزوں کے ساتھ دل میں کیا گداز اور رقت پیدا ہو سکتی ہے؟ سلف کی ایک جماعت کسی نیک اور بزرگ شخص سے محض اس کے طور طریقہ کو دیکھنے کے لئے ملنے جاتی تھی۔ علم کے استفادہ کے لئے نہیں۔ اس لئے کہ یہ طور طریقہ اس کے علم کا اصل پھل تھا۔ اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لو۔ فقہ وحدیث کی تحصیل میں سلف صالحین اور زہاد امت کی سیرت کا مطالعہ ضرور شامل کرو تاکہ اس سے ہمارے دل میں رقت پیدا ہو جائے۔“ (۱)

بہر حال حضرت مفتی اعظم کے بارے میں یہ چند بے ترتیب اوراق جو بندہ نے سیاہ کئے ہیں اس کو حضرت مفتی صاحب کی حتمی سوانح عمری یا حیات ولی حسن نہ سمجھا جائے بلکہ حضرت کے سوانح کے لئے بہترین تالیف کا منتظر رہا جائے کہ جس طرح حضرت مفتی صاحب کی شخصیت جامع تھی ایسا ہی کوئی مرد کامل حضرت مفتی صاحب کے سوانح پر قلم اٹھائے اور ایک ایک وصف کو مکمل بیان کرے۔

آخر میں یہ دعا ہے کہ اللہ جل شانہ حضرت مفتی صاحب کے احوال سے عامہ

---

(۱) صید خاطر

المسلمین کے ساتھ ساتھ طالبان علوم نبوت کے لئے رہنمائی کا سامان مہیا فرمادے اور بندے کی اس حقیر کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور نیک بندوں میں شامل فرمائے اور اس آیت کا مصداق بنادے۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي.

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِهَا وَخَیْرِ مَا اُلِفَتْ لَهٗ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا اُلِفَتْ لَهٗ.

فقط

محمد حسین صدیقی
استاذ حدیث جامعہ بنوریہ

۲۸ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ
بمطابق ۲۳ نومبر ۲۰۰۳ء

نوٹ: برکت کے لئے ابتداء حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے حالات کی ان ہی کی خودنوشت سے کیا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد تفصیلی حالات تحریر کئے گئے ہیں۔

برطانیہ میں مقیم حضرت شیخؒ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد یوسف متالا دامت برکاتہم نے ارادہ کیا کہ حضرت شیخؒ کے خلفاء کرام کے حالات زندگی جمع کریں انھوں نے ایک سوالنامہ لکھ کر تمام حضرات کو بھجوایا اور جواب لکھنے کی درخواست کی ہمارے شیخ حضرت مفتی ولی حسنؒ صاحب کو بھی یہ سوالنامہ بھیجا گیا آپ نے اس کا مختصر جواب نہایت سادگی کے ساتھ تحریر فرمایا اور یوں ہمارے لئے اللہ تعالی کے ایک غیور اور پر نور ولی کے حالات زندگی بیان فرمائے البتہ اس کے عنوانات اور سرخیاں مرتبین حضرات نے اپنے سوالات کی روشنی میں تحریر کی ہیں اور مضمون میں جہاں بھی ''حضرت شیخؒ'' کا لفظ ہے تو اس سے مراد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ ہیں!

حالات زندگی حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی نور اللہ مرقدہ کے اپنے قلم سے

اسم گرامی: ولی حسن ٹونکی۔

پیدائش: 1944ء ہجری یاد نہیں۔

تعلیم وتربیت: راقم کا خاندان علماء کا خاندان تھا۔ مولانا محمود حسن خان، مولانا حیدر حسن خان میرے والد مفتی انوار الحسن خان کے چچا تھے۔ اول الذکر معجم المصنفین کے مصنف اور ثانی الذکر دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم اور شیخ الحدیث تھے۔ ندوۃ

کے بہت سے قابل الذکر حضرات مولانا حیدر حسن خان کے شاگرد تھے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ''پرانے چراغ'' میں ان کا طویل تذکرہ کیا ہے میرے والد مفتی انوار الحسن اور ان کے والد مفتی محمد حسن خان عدالت شرعیہ ٹونک میں مفتی تھے بلکہ مفتی محمد حسن خان، مولانا محمود حسن اور مولانا حیدر حسن خان کے استاد تھے۔ راقم نے ابتدائی کتب فارسی وغیرہ اسی طرح چھوٹی کتب عربی اپنے والد سے پڑھی تھیں، میرے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب میری عمر گیارہ سال تھی۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا حیدر حسن خان رمضان المبارک کی تعطیلات میں ٹونک آئے اور تعزیت کے لئے میرے گھر آئے اور میری دادی صاحبہ سے (جو مولانا دوست محمد کابلی کی بیٹی تھیں مولانا دوست محمد بڑے عالم اور فاضل تھے۔ نزہۃ الخواطر نے ان کا تذکرہ کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ شاہ عالم علی صاحب سے انہوں نے حدیث پڑھی تھی) سے تعزیت کی اور مجھے دار العلوم ندوۃ میں لے جانے کی خواہش ظاہر کی میری دادی نے بخوشی اجازت دے دی چنانچہ میں دار العلوم ندوۃ لکھنو چلا گیا اور چار سال رہ کر ندوۃ کا چار درجہ تک نصاب پڑھا اس درمیان میں مولانا حیدر حسن خان سے خارج میں الفیہ ابن مالک کا کچھ حصہ اور منطق کے ایک دو رسالے پڑھے جب مولانا حیدر حسن خان نماز ظہر سے پہلے تفصیلی وضو فرماتے تھے پھر مولانا حیدر حسن خان ٹونک تشریف لے آئے ندوۃ کے بعض اساتذہ نے میرے وہیں رہنے کی سفارش کی لیکن مولانا نے یہ کہہ کر کہ اسے پرانے طرز کا عالم بنانا ہے سفارش قبول نہ کی چنانچہ میں بھی ٹونک آ گیا اور مولانا سے بے ترتیب کتابیں پڑھتا رہا، حماسہ بھی مولانا ہی سے پڑھا، ملا حسن، فلسفہ کا ایک آدھ رسالہ پڑھا یہاں تک کہ مولانا کا ٹونک بمرض فالج انتقال ہوگیا۔ پھر عدالت شرعیہ

ٹونک میں کئی سال تک ملازمت کرلی اس عرصہ میں مولوی الہ آباد، مولوی عالم پنجاب
اور مولوی فاضل پنجاب کے امتحانات دیئے دورہ حدیث اور کتابیں پڑھنے کا شوق تھا
آخر کار ملازمت چھوڑ کر رخت سفر باندھا اور مولانا حیدر حسن خان ''مظاہر علوم'' کی
تعریف کرتے تھے اس لئے مظاہر علوم چلا گیا، حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ العزیز
اس زمانہ میں جوان تھے ان کی زیارت ہوئی حضرت شیخ کو بخاری شریف کا پارہ لئے
ہوئے اور تلاوت قرآن کرتے ہوئے راستہ میں چلتے ہوئے کئی بار دیکھا۔ دارالعلوم
دیوبند چلا گیا، موقوف علیہ اور دورہ حدیث دارالعلوم دیوبند میں کیا حضرت مدنی
قدس سرہ العزیز سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی پڑھی، ٹونک کے ایک ضلع ''چھبڑہ
گوگور'' میں مفتی اور قاضی ہوگیا، عدالت شرعیہ کو 16 قسم کے مقدمات کو فیصل کرنے کا
حق تھا تا آنکہ ملک تقسیم ہوگیا۔ ہندو راج قائم ہوگیا، میرے خلاف ایک مقدمہ درج
کرلیا گیا بڑی طویل داستان ہے ترک کرنا ناگزیر ہے۔

تدریس و افتاء: پاکستان آنے کے بعد دارالعلوم الاسلامیہ جس کا سابق نام مدرسہ
عربیہ اسلامیہ تھا آ گیا، یہاں مختلف کتابیں پڑھائیں اب صحیح بخاری جامع ترمذی
باوجود نالائقی کے پڑھا رہا ہوں اور افتاء کا بھی کچھ کام لیتا ہوں التخصص فی الفقہ
الاسلامی کا بھی مشرف ہوں۔

فتنہ انکار حدیث: فتنہ انکار حدیث کو سب سے بڑا فتنہ سمجھتا ہوں اور کچھ رسالے بھی
اس سلسلہ میں تصنیف کئے جو چھپ چکے ہیں۔ عائلی قوانین کے خلاف بڑا مبسوط تبصرہ
لکھا جو عائلی قوانین شریعت کی روشنی میں ان شاء اللہ شائع ہونے والا ہے۔

بیعت: حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی ؒ سے پہلے بیعت ہوا کئی مرتبہ حضرت کی خدمت

میں حاضر بھی ہوا، یہاں تک کہ حضرت کا انتقال ہوگیا، حضرت شیخ الحدیث قدس اللہ
سرہ العزیز سے بیعت کا اشتیاق تھا کیونکہ میں حضرت کو دارالعلوم دیوبند اور ''مظاہر
علوم'' کے اکابر کی نسبتوں کا مجموعہ سمجھتا تھا اس لئے مکی مسجد میں جبکہ حضرت شیخ الحدیث
تشریف لائے تھے بیعت کی درخواست کی بیعت تو کرلیا لیکن ڈانٹ بھی پڑی کہ علیحدہ
کیوں بیعت ہو رہے ہو پورے مجمع کے ساتھ بیعت کیوں نہیں ہوئے، تسبیحات
پڑھنے کو بتائیں اور فرمایا کہ مجھے بھی حضرت مولانا خلیل احمدؒ نے تعلیم و تدریس میں
مشغولیت کی بنا پر یہی ذکر تلقین فرمایا تھا اور پھر حضرت جب افریقہ تشریف لے گئے
اور اسٹینگر میں اعتکاف فرمایا تو بندہ بھی حاضر ہوا، پہلے تو حضرت نے اعتکاف کی
حالت میں غالباً ایک صاحب کو مقرر فرمایا کہ میرے متعلق معلومات رکھیں، یعنی میں
زیادہ باتیں تو نہیں کرتا وغیرہ، وغیرہ ایک روز غالباً عشرہ اخیر میں حضرت نے یاد فرمایا
اور اس سے پہلے فرما چکے تھے کہ تم بلا کھٹکے میرے پاس آسکتے ہو لیکن میں ڈر کی وجہ سے
جرأت نہیں کرتا تھا۔

اجازت و خلافت: عشرہ اخیر میں حضرت نے یاد فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ میں تم کو
اجازت دیتا ہوں جیسے مجھے بڑوں نے اجازت دی ہے۔ راقم نے عرض کیا کہ میں تو
بالکل نااہل ہوں، فرمایا ایسے ہی نااہل اہل ہوں گے ہیں او کما قال لیکن میں نے اس
سے خود کو اہل نہیں سمجھا بلکہ نااہل سمجھنے لگا اور حضرت کے لوگوں میں سب سے زیادہ
گندہ، نجس نااہل سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ قبر، آخرت میں لاج رکھ لے اور شرمندگی نہ ہو۔

خط و کتابت: بیعت اور اجازت سے پہلے حضرت سے کچھ خط و کتابت ہوئی تھی او
ر معمولی طالب علمانہ اشکالات بھی کئے تھے اب وہ یاد بھی نہیں آرہے البتہ حضرت

صوفی محمد اقبال زید امجد ہم نے ایک بار فرمایا کہ حضرت تمہارے خط مجھے دے دیئے تھے ایک والا نامہ میں حضرت نے ڈانٹ بھی لگائی تھی میں نے جب اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال کی اطلاع دی اور تحریر میں ہجری تاریخ کی بجائے انگریزی تاریخ تحریر کی تو حضرت نے ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔

حضرت قدس سرہ کا آخری ذوق وخواہش: حضرت رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کا جو آخری حال جس کی کچھ جھلکیاں راقم نے افریقہ کے سفر میں دیکھیں تو یہ محسوس کیا کہ حضرت کو ذکر سے بہت شغف تھا جس طرح حضرت گنگوہیؒ نے تدریس، طبابت تصنیف وتالیف سب مراحل طے کرنے کے بعد ذکر پر بہت زور دینے لگے تھے، اسی طرح ہمارے حضرت کا آخری حال ذکر تھا حضرت چاہتے تھے کہ ذکر کی نئی خانقاہیں آباد ہو جائیں کیونکہ پچھلی خانقاہیں ختم ہو چکی ہیں اور اس کی وجہ میری ناقص اور جاہلانہ رائے میں یہ ہے کہ آج کل قیامت کا دور ہے، دجال کا دور ہے اب صرف ذکر جو روح عالم ہے کی وجہ سے نجات ہو سکتی اور اب صرف دل والا اسلام ہی چلے گا، دماغ والا اسلام نہیں چلے گا۔

تربیت کے چند واقعات: تربیت کے سلسلہ میں حضرت کے کئی فرمودات پہلے یاد تھے اب کچھ یاد نہیں ہے ایک بات یاد آرہی ہے ایک بار میں نے عرض کیا کہ ذکر چھوٹ گیا ہے اور درمیان میں کافی عرصہ گزر گیا حضرت نے تحریر فرمایا جب اس طرح ذکر چھوٹ جایا کرے تو غسل کر کے عطر وغیرہ لگا کر دو رکعت توبہ کی نیت سے پڑھ پھر ذکر شروع کرو وساوس کی شکایت تحریر کی تو فرمایا اس کا علاج بھی کثرت ذکر ہے اور وساوس کا علاج اس کی طرف توجہ نہ کرنا ہے۔

خلافت واجازت کے موقعہ پر مختلف مطالع کے رمضان اور عید کے متعلق مسئلہ دریافت فرمایا تھا اور پھر اس کی توثیق فرمادی تھی۔ حضرت کی اجازت سے پہلے بندہ تقریباً گونگا تھا تقریر وغیرہ نہیں کرتا تھا اسٹنگر میں قیام کے موقع پر ایک جمعہ کو دریافت فرمایا کہ تقریر کر سکتے ہو احقر نے انکار کیا لیکن حضرت کے فیض سے ٹوٹی ہوئی زبان چلنے لگی اور تقریر کرنے لگا۔

تبلیغ کے کام کی اہمیت: تبلیغ کے سلسلہ میں حضرت کی ہدایت یاد ہے اور اسی پر کاربند ہوں کہ اگر موقعہ ہو تو تبلیغ میں حصہ لو اگر موقع نہ ہو تو نصرت کرو یہ بھی نہیں کر سکتے ہو تو تبلیغ کے متعلق اچھا خیال رکھو اور مخالفت قطعاً نہ کرو۔

متفرقات: حضرتؒ سے تعلق کے بعد یہ خیال راسخ ہو گیا کہ پرانا درس نظامی کا نصاب (کیونکہ اس کی کتابیں مخدوم ہیں) ہی کامیابی کا ضامن ہے جدید نصاب سے ذہن بالکل یکسو ہو گیا ہے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ انکار حدیث کے فتنے کے خلاف کام کرنے کا ایک بار حکم فرمایا تھا وہ بھی قلب میں راسخ ہو گیا ہے۔ حضرتؒ کا حدیث نبوی ﷺ سے اشتغال اور اس پر عمل اور چھوٹی چھوٹی سنت پر عمل پیرا ہونا یہ یاد رہ گیا و بس۔

فقط

ولی حسن ٹونکی

مفتی اعظم پاکستان اور فقیہ العصر
حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ

نام: ولی حسن خان۔ لقب: مفتی اعظم پاکستان اور فقیہ العصر۔

والد کا نام: مولانا مفتی انوار الحسن خان۔

ولادت: ۱۹۲۴ء بمقام ٹونک[1] (انڈیا)

نسب نامہ:

آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے، مفتی ولی حسن ابن مولانا مفتی انوار الحسن خان[2]

---

(۱) ٹونک ہندوستان راجستھان میں ایک ریاست تھی جس کے بانی امیر الدولہ امیر الملک نواب محمد امیر خان بہادر شمشیر جنگ تھے جنہوں نے ۱۸۱۷ء سے ۱۸۳۴ء تک حکومت کی اور اس ریاست کے آخری حکمران عزیز الدولہ وزیر الملک نواب محمد اسمٰعیل علی خان تھے جنہوں نے ۱۹۴۸ء سے ۱۹۴۷ء تک حکومت کی اس کے بعد یکم مئی ۱۹۴۸ء میں یہ ریاست ختم ہوئی اور جب گیارہ ریاستوں پر مشتمل راجستھان یونین وجود میں آیا منجملہ ان گیارہ ریاستوں کے ایک ریاست اس میں ٹونک بھی تھی۔ پھر ٹونک کو ایک ضلع کی حیثیت دے دی گئی۔

(۲) مفتی انوار الحسن خان کے مختصر حالات

والد کا نام مفتی محمد حسن تھا۔ اپنی ریاست ٹونک کے مفتی تھے۔ مفتی ولی حسن نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے ہی حاصل کی تھی۔ چودھویں صدی کے دوسرے عشرہ میں ٹونک میں پیدا ہوئے اور ٹونک میں ہی تعلیم حاصل کی۔ ۱۲ مئی ۱۹۱۱ء کو عدالت شریعت ٹونک میں مفتی کے عہدے پر فائز ہوئے اور آخر عمر تک اس عہدے پر رہے۔ ہجری کے چھٹے عشرہ میں ٹونک میں ہی انتقال ہوا۔

(تذکرہ علماء ٹونک مصنفہ مولانا محمد عمران خان)

ابن مولانا مفتی محمد حسن خان[1]، ابن مولانا مفتی احمد حسن خان۔ آپ ٹونک کے علاقے کے اصل رہنے والے نہیں تھے۔ جبکہ بنام ضلع ہزارہ صوبہ سرحد کے رہنے والے تھے اور آپ کا تعلق یوسف زئی قبیلہ سے تھا آپ کے پردادا محمد حسن خان نے پہلے بجنوری ہجرت کی اور پھر مونگ کے نواب وزیر الدولہ نجیب آباد کسی کام سے وہاں گئے تو آپ کے پردادا محمد حسن خان کے علم و معرفت سے متاثر ہو کر ٹونک آنے کی دعوت کی جس کو انھوں نے قبول فرمالیا اور پھر ٹونک کی طرف ہجرت فرما گئے۔ پھر ٹونک میں آپ کے خاندان کی علمی خدمات کی بناء پر ہمیشہ مفتی ٹونک کا عہدہ آپ کے خاندان کے پاس ہی رہا۔

خاندانی حالات:

آپ کے والد۔ دادا، پردادا سب ہی اپنے دور کے نامور علماء مفتی اور عدالت شرعیہ ٹونک کے قاضی تھے۔ آپ کے اندر بھی ان سب کے پاکیزہ آثار پائے جاتے تھے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا آپ تو ان سب کے وارث تھے۔ بقول شاعر ۔

---

(۲) مفتی محمد حسن خان ٹونکی

یہ آپ کے دادا تھے۔ مفتی محمد حسن مولانا محمود حسن خان صاحب مجم المصنفین کے بڑے بھائی تھے۔ تیرھویں صدی ہجری کے آٹھویں عشرہ میں ٹونک میں پیدا ہوئے۔ بہت سے علماء سے علم حاصل کیا جن میں شیخ حسین عرب بھی تھے۔

آپ ابتداء پرگنہ نیا بیڑہ میں عدالت شرع شریف کے مفتی مقرر ہوئے اور پھر وہاں سے منتقل ہو کر عدالت شریعت صدر ٹونک میں تشریف لائے۔

۱۳۳۲ھ میں ٹونک میں ہی آپ کا انتقال ہوا۔

(تذکرہ علماء ٹونک مصنفہ مولانا محمد عمران خان)

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابل میراث پدر کیونکر ہو

آپ کا تمام خاندان علم کا آفتاب و مہتاب تھا مگر خاص کر آپ کے خاندان کے دو نامور عالم، اول مولانا محمد حسن خان ٹونکی اور دوسرے مصنف معجم مصنفین حضرت مولانا حیدر حسن خان ٹونکی (یہ حضرت مفتی صاحب کے والد کے چچا تھے)[۱]۔ ان لوگوں کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

---

(۲) مولانا حیدر حسن خان ٹونکی کے مختصر حالات

ولادت: مولانا حیدر حسن خان کی ولادت ریاست ٹونک راجپوتانہ میں ۱۲۸۱ھ بمطابق ۱۸۶۳ء میں ہوئی۔ والد کا نام احمد حسن خان تھا۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی مفتی محمود حسن خان اور دوسرے بھائی (مصنف معجم المصنفین) مولانا محمود حسن خان اور مولانا محمد حسن خان اور مولانا عبدالکریم صاحب سے پائی اور پھر ٹونک سے لاہور کا سفر کیا۔ وہاں پر اس زمانہ میں مولانا غلام احمد صاحب نعمانی جیسے جید عالم سے اپنے علم کی پیاس بجھائی۔ تمام ہی اساتذہ کی خوب خدمت کی اور تمام علوم عقلیہ، ریاضیہ نیز علم منطق فلسفہ اور فلکیات میں خوب مہارت حاصل کی ان علوم کے حاصل کرنے کے بعد جب مولانا حیدر حسن خان لاہور سے واپس ٹونک آنے لگے تو ان کے استاد مولانا غلام احمد نے آخری نصیحت کے طور سے فرمایا کہ مولوی، میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں تم حدیث سے اشتغال رکھنا اور اس کے ذوق کو تمام ذوق پر غالب کرنے کی کوشش کرنا۔
اسی کا یہ اثر ہوا کہ پھر پوری زندگی اسی میں صرف کردی۔ اور پھر مولانا کیل یمانی شیخ حسین ابن محسن انصاری سے صحاح ستہ کا درس لیا اور سند حاصل کی اور مولانا سید نذیر حسین دہلوی کے درس حدیث میں بھی شرکت کی۔

بیعت وخلافت: جب حج کے لیے تشریف لے گئے تو اس زمانہ میں مکہ میں شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی زندہ تھے ان سے بیعت ہوئے اور پھر حاجی صاحب نے ان کو خلافت بھی مرحمت فرمائی۔

حاشیہ:

تدریس وخدمت علم: تحصیل علم کے بعد ٹونک آگئے اور ٹونک کو ہی اپنے درس وتدریس کا مرکز بنایا اور جب ۱۹۲۱ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں شیخ محمد عرب استاد حدیث نے استعفیٰ دے دیا تو پھر تمام لوگوں کی نظر شیخ حدیث کے لئے مولانا حیدر حسن خان کی طرف گئی اور ان کو شیخ الحدیث کا عہدہ قبول کرنے پر اصرار کیا گیا۔ مگر اس عہدے کو مولانا حیدر خان نے قبول نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ بعض مسائل تھے اس میں ان کے صاحبزادے عبدالرحیم خان کا انتقال بھی ہے اس کے چند ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ اگست ۱۹۲۱ء میں مولانا دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تشریف لے آئے اور پھر ۱۳۵۱ھ سے ۱۳۵۸ھ تک مدرسہ کی نظامت بھی سنبھالی جب کہ ناظم مدرسہ ڈاکٹر عبدالعلی صاحب ٹونک چلے گئے تھے۔

علمی اشتغال: اس سلسلہ میں علی میاں فرماتے ہیں، مولانا کو پڑھنے پڑھانے کے سوا دنیا میں کسی کام سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ سیاست کے کوچے سے تو بالکل نابلد بلکہ متوحش تھے۔ اخبارات ورسائل کا ان کے یہاں گزر نہ تھا۔ کوئی طالب علم کوئی بات سنادے تو سن لیتے۔ مدرسین کا جلسوں میں جانا اور تقریر کرنا ان کو بہت ناپسند تھا۔

وہ سب کشتیاں جلا کر علم کے آستانہ پر آکر پڑ گئے تھے کسی مسئلہ میں دلیل کا معلوم ہو جانا دنیا کی ہر لذت ونعمت سے بڑھ کر تھی۔ کوئی قلمی کتاب مل جائے یا متقدمین میں سے کسی کی نئی کتاب چھپ کر آجائے تو پھر ان کے سرور اور محویت کا ٹھکانہ نہ تھا۔

طرز تدریس: صبح ہی سے مولانا کا درس شروع ہو جاتا۔ مراجع، رجال، اصول حدیث اور دوسرے فنون کی کتابیں کمرے میں ہی ہوتیں۔ طلباء کو حکم فرماتے کہ فلاں کتاب لاؤ فلاں جگہ سے کھولو اور پڑھو۔ ایک حدیث یا ایک مسئلہ کے لئے دس دس کتابیں کھل جاتیں۔ سوال کرنے والے طلباء سے بڑی محبت فرماتے۔ درس حدیث کا انداز محدثانہ تھا۔ شیخ حسین کے درس کا عکس تھا۔ یمنی علماء سے بہت تعلق اور ان کی کتابوں سے خوب استفادہ فرماتے۔
متقدمین کی کتابوں کے حوالے دیتے جس میں امام طحاوی علامہ زیلعی، ابن ترکمانی، ابن ہمام شامل ہیں۔
درود شریف کی کثرت کی برکت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سعادت بار بار نصیب ہوئی خود فرماتے کہ کبھی کبھی کسی اختلافی مسئلہ میں بڑا استغراق ہوتا ہے تو خواب میں اس کے بارے میں رہنمائی یا

تحصیل علوم:

فقیہ العصر حضرت مفتی ولی حسنؒ کے آغاز زندگی ہی سے وہ آثار نمایاں تھے جو ان کے علم وفضل کا پتہ دے رہے تھے ذہانت، ذکاوت، قوت فکر، قدرت نے آپ کو غیر معمولی عطا فرمایا تھا۔

چنانچہ آپ نے کم عمری ہی میں ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد مفتی انوار الحسن خان سے پڑھ لی۔

والد ماجد کا انتقال:

ابھی آپ گیارہ سال کی عمر کے ہی تھے کہ والد ماجد مفتی انوار الحسن کا بھی انتقال ہوگیا۔

والد کے چچا شیخ الحدیث ندوۃ العلماء حضرت مولانا حیدر حسن خان ٹونکی نے آپ

اشارہ ہو جاتا ہے۔

سادگی: علی میاں فرماتے ہیں کہ مولانا کی سب سے نمایاں صفت ان کی سادگی اور طلباء کے ساتھ شفقت اور مساوات تھی اپنی اولاد اور طلباء میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ نیک ہونہار اور ذہین طلباء کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ ترجیح دیتے تھے۔

ٹونک کی طرف واپسی: بعض ناگزیر حالات کی بناء پر مولانا حیدر حسن ۳ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ کو دار العلوم ندوۃ العلماء کو چھوڑ کر واپس ٹونک چلے گئے اور پھر وہاں دوبارہ درس وتدریس وغیرہ شروع کردی۔

وفات:

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے — اپنی خوشی نہ آئے اور نہ اپنی خوشی چلے

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ مطابق ۳۱ مئی ۱۹۴۲ء کو اس دنیا فانی سے کوچ فرمایا اور ٹونک کے مشہور قبرستان موتی باغ میں مدفون ہوئے۔

کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری قبول کی اور پھر اپنے ساتھ سن ۱۹۳۶ء میں ندوۃ العلماء[1] میں لے گئے۔ چار سال کے عرصہ میں درسی کتابوں کے علاوہ غیر درسی کتابیں بھی پڑھیں۔ اور پھر جب حضرت مولانا حیدر حسن خان نے ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ میں مدرسہ ندوۃ العلماء کو چھوڑ کر اپنے وطن مالوف ٹونک میں مستقل قیام کا ارادہ فرمایا تو دار العلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ نے بہت اصرار کیا کہ اس لڑکے (ولی حسن) کو مدرسہ ندوۃ العلماء میں ہی رہنے دیا جائے ہم مزید اس کی تعلیم کا اہتمام کریں گے مگر مولانا حیدر حسن خانؒ نے کسی کی بات نہ مانی اور اپنے ساتھ ٹونک لے آئے چلتے وقت مولانا حیدر حسنؒ نے فرمایا کہ میں تو اس کو پرانے طرز کا عالم بنانا چاہتا ہوں۔

---

(۱) مختصر تاریخ ندوۃ العلماء

اس کے بانی حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری تھے۔ ندوۃ العلماء کا مقصد مولانا سید محمد علی یہ تحریر فرماتے ہیں: افسوس صد افسوس، کوئی گروہ طلبہ کا ایسا نہیں نکلتا ہے جو ملحدوں اور جدید فلسفیوں کے اعتراضات کو اسلام سے دفع کرے، جس کا زہریلا اثر بسبب سیوع بے دینی وآزادی کے عالمگیر ہوتا جاتا ہے۔ اس کا مٹانا ہمارے علماء کا فرض ہے۔ جس طرح ہوسکے غرض کہ نہ حالت تحصیل میں انہوں نے کسی علم دین اور بالخصوص ان علوم مذکورہ میں مہارت ومشق پیدا کی نہ اس کے بعد انہیں نوبت آئی۔ آپ فرمائیے کہ دین کا کام کون کرے؟ زیادہ افسوس یہ ہے کہ زمانہ کی ضرورتوں سے ناواقف ہونے کی وجہ سے نہ تو کسی دینی امر کا انتظام کرسکتے ہیں نہ اس میں رائے دے سکتے ہیں۔ حالانکہ اس وقت ایسے گروہ کی زیادہ ضرورت ہے۔ اب بتائیں کہ مقلدین وغیر مقلدین میں کیسی کیسی شرمناک باتیں ہوتی ہیں ایک بھائی دوسرے کے مال کا آبرو کا کس طرح خواہاں ہوتا ہے جب مذہب کے اجلاس میں مقدمات جاتے ہیں ہمارے محترم علماء مجرموں کی طرح سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث ان کے جوتوں کے پاس ان کے پیچھے دھری ہے۔

شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خان کا انتقال:

۱۶ جون ۱۹۴۰ء بمطابق جمادی الاخری ۱۳۶۱ کو شیخ الحدیث حضرت مولانا حیدر حسن خان صاحب کا انتقال ہوگیا اس کا حضرت مفتی ولی حسن صاحب پر بہت زیادہ اثر ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کا تعلیمی سلسلہ منقطع ہوگیا۔

اور پھر آپ نے عدالت شریعہ ٹونک میں ملازمت اختیار کر لی۔

مولوی عالم اور مولوی فاضل کا امتحان:

جس زمانے میں آپ عدالت شریعہ ٹونک میں ملازم تھے تو آپ نے ''مولوی عالم'' اور ''مولوی فاضل'' کے بھی امتحانات دیے جس میں اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔

مگر آپ کے دل میں جو ایک حصول علم کی آگ لگی تھی وہ برابر جلتی رہی اور دل کی خلش بڑھتی چلی گئی یہاں تک کہ آپ نے فیصلہ کیا کہ اب دوبارہ حصول علم کے لئے کوشش کرنی ہے پھر یہی جذبہ آپ کو مظاہر علوم سہارن پور لے گیا اور پھر وہاں پر دو سال تعلیم حاصل کی اسی عرصہ میں آپ نے مختصر المعانی، ہدایہ آخرین پڑھیں اور پھر آخر میں دارالعلوم دیوبند[1] میں داخلہ لیا اور پھر دارالعلوم دیوبند میں جا کر جو تشنگی آپ

---

(۱) مختصر تاریخ دارالعلوم دیوبند

تیرہویں صدی کے پُرآشوب ایام میں جب مغلیہ سلطنت کا ٹمٹماتا چراغ بھی گل ہوگیا اور برصغیر ایک وسیع مقتل گاہ کا منظر پیش کرنے لگا اور مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جانے لگا اس نازک وقت میں دارالعلوم دیوبند وجود میں آیا۔

قاری محمد طیب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی (مہتمم سادس) سے سنا کہ اس وقت تمام اولیاء اللہ کے دلوں پر بیک وقت یہ الہام ہوا کہ اب ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں

محسوس کر رہے تھے اس کی سیرابی کی۔ مدرسہ دارالعلوم دیوبند[1] جہاں پر اس وقت میں یگانہ روزگار اساتذہ موجود تھے، ان سے حصول علوم فرمایا وہاں پر دو سال رہے اور درجہ سابعہ اور دورہ حدیث کی کتب وہاں پر پڑھیں۔

کی بقاء کی ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ مدرسہ کھول کر محنت کی جائے۔

۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ بمطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے چھتہ والی مسجد میں انار کے درخت کے نیچے ایک استاد (محمود نامی) دوسرا متعلم (محمود نامی یعنی شیخ الہند) سے مدرسہ کا افتتاح کر دیا۔ چنانچہ پھر دارالعلوم نے تعلیم و تربیت کے ذریعہ مسلمانوں کی داخلی رہنمائی کا کام سر انجام دیا۔ دوسری طرف انگریزوں کے مقابلہ کے لئے ایسے علماء کو پیدا کیا جنہوں نے ہر میدان میں انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ آج برصغیر میں یا اس کی ترتیب پر دنیا میں جہاں پر بھی مدارس ہیں وہ سب دارالعلوم دیوبند کا ہی فیض اور اس کی شاخ ہیں۔ اللہ ترقی نصیب فرمائے اور بد نظر سے محفوظ فرمائے۔

(۱) جہاں پر دارالعلوم دیوبند قائم ہے وہاں پر ابتداء میں کوڑیاں پڑی ہوئی تھیں اس جگہ پر ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ بمطابق ۱۸۶۷ء کو مدرسہ قائم کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ جب سید احمد شہید قدس اللہ سرہ کا گزر اس جگہ سے ہوا تو فرمایا کہ اس جگہ سے مجھ کو علم کی بو آتی ہے۔ اسی طرح سے حضرت مولانا قاضی محمد اسمٰعیل بنگلوری اکابر اولیاء اللہ اور صاحب کشف بزرگ گزرے ہیں جن کا زہد و تقویٰ شہرہ آفاق ہے وہ فرماتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند، مدرسہ شاہی مرادآباد، مظاہر العلوم سہارن پور یہ خاص الہامات کے اشارے پر قائم کئے گئے ہیں۔

اسی طرح سے جب دارالعلوم دیوبند کا قیام وجود میں آ گیا تو حاجی رفیع الدین صاحب نے مکہ معظمہ میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے عرض کیا کہ ہم نے دیوبند میں مدرسہ قائم کیا ہے دعا فرما دیں اس پر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے ارشاد فرمایا،

> ''سبحان اللہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سربسجود ہو کر گڑگڑاتی رہیں کہ خداوند ہندوستان میں بقاء اسلام اور تحفظ اسلام کا کوئی ذریعہ پیدا فرما۔ یہ سب ان ہی سحر گاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔''

اساتذہ:

آپ کے اساتذہ جن سے آپ نے دورہ حدیث کی کتابیں پڑھیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

جانشین شیخ الہند حافظ حدیث حضرت مولانا حسین احمد مدنی[1] سے آپ سب

---

(۱) مولانا حسین احمد مدنی کے مختصر حالات

ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

ولادت: ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ بمطابق ۱۸۷۹ء کو بانگرمئو ضلع اناؤ یوپی (انڈیا) میں ہوئی۔ آپ کا تاریخی نام چراغ محمد تجویز ہوا۔

والد کا نام سید حبیب اللہ سید پیر علی تھا۔

حلیہ: قد درمیانہ، رنگ سانولا، بارعب کتابی چہرہ، گھنی ڈاڑھی، کشادہ پیشانی، پیشانی پر سجدے کا نشان۔ پُر اعتماد لب ولہجہ تھا۔

تعلیم: ابتداء میں اسکول کی تعلیم حاصل کی کیونکہ والد صاحب ہیڈ ماسٹر تھے۔ ابھی مڈل کی تعلیم کا ایک سال باقی تھا۔ والد ۱۳۰۹ھ میں ۱۳ سال کی عمر میں دینی تعلیم دلانے کے لئے آپ کو دیوبند لے گئے۔ وہاں شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی زیرنگرانی آپ نے ۱۷ فنون کی ۶۷ کتابیں ساڑھے چھ سال میں پڑھیں۔ شیخ الہند سے دورہ حدیث کی کتابیں پڑھیں۔

بیعت وخلافت: آپ نے ۱۳۱۶ھ آپ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت ہوئے اور پھر حضرت رشید احمد گنگوہی نے آپ کو خلافت عطا فرمائی۔

حجاز مقدس کا سفر: درس نظامی کے فارغ ہونے کے بعد اپنے والد کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور پھر مدینہ منورہ میں ہی درس حدیث شروع کیا جس کے بارے میں حضرت عاشق الٰہی میرٹھی فرماتے ہیں،

مولانا حسین احمد کا درس حرم نبوی میں الحمدللہ بہت عروج پر ہے عزت وجاہ بھی حق تعالیٰ نے وہ عطا فرمایا ہے کہ ہندی علماء تو کیا یمنی، شامی بلکہ مدنی علماء کو بھی وہ بات حاصل نہیں۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

مدینہ منورہ میں کئی مرتبہ قیام کیا:

پہلی مرتبہ دو سال کا قیام تھا ۱۳۱۶ھ تا ۱۳۱۸ھ

حاشیہ

دوسری مرتبہ سات سال کا قیام تھا ۱۳۲۰ھ تا ۱۳۲۷ھ

تیسری مرتبہ دو سال کا قیام تھا ۱۳۳۱ھ تا ۱۳۳۲ھ

چوتھی مرتبہ چار سال کا قیام تھا ۱۳۳۳ھ تا ۱۳۳۹ھ

پھر اپنے استاد شیخ الہند کے ساتھ مالٹا جیل میں ۳ سال سات ماہ قید رہے۔

اور جب انور شاہ کشمیری، مفتی عزیز الرحمن، علامہ شبیر احمد عثمانی وغیرہ ڈابھیل تشریف لے گئے تو حضرت حسین احمد مدنی سے دارالعلوم دیوبند تشریف لانے کی درخواست کی گئی جس کو حضرت مدنی نے ۱۳۴۶ھ میں قبول فرمالیا۔ بقول شاعر

علم والے علم کا دریا بہا کر چل دیئے واعظان قوم سوتوں کو جگا کر چل دیئے
کچھ سخنور تھے کہ سحر اپنا دکھا کر چل دیئے کچھ مسیحا تھے کہ مردوں کو جلا کر چل دیئے

آپ کی مہمان نوازی بڑی معروف ومشہور ہے۔

فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر ادائیں ہیں لاکھوں اور دل بے تاب ایک

تصانیف: (۱) نقش حیات۔ (۲) الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب۔ (۳) معارف مدینہ۔ (۴) اسیر مالٹا۔ (۵) مودودی دستور کی حقیقت۔ (۶) عمل وعقیدہ۔ (۷) متحدہ قومیت۔ (۸) مکتوبات شیخ الاسلام۔ (یہ آپ کے مکاتیب کا مجموعہ ہے۔)

وفات: نصف جولائی ۱۹۵۷ء دوران سفر سانس کی تکلیف شروع ہوئی پھر دل کا عارضہ بھی شروع ہوگیا مگر عبادات سبق وغیرہ کا معمول برقرار رہا۔

۲۸ محرم ۱۳۷۷ھ بمطابق ۲۵ اگست ۱۹۵۷ء کو بخاری شریف کا آخری درس دیا۔ بقول شاعر

فنا ہے سب کے لئے ہم پہ کچھ نہیں موقوف بقا ہے ایک فقط ذات کبریاء کے لئے

بالآخر ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو ظہر سے پہلے اس فانی دنیا کو چھوڑ کر اپنے آقا حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حکم المنیۃ فی البریۃ جار
ماھذہ الدنیا بدار قرار

موت کا قانون پوری مخلوق پر جاری اور ساری ہے۔ حقیقت میں یہ دنیا بقاء واستقرار کی جگہ نہیں ہے۔

سے زیادہ متاثر ہوئے جن سے آپ نے بخاری اور ترمذی پڑھی اور شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی[1] سے طحاوی شریف مولانا عبدالحق شیخ الحدیث دارالعلوم

(۱) شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی کے مختصر حالات

نام: محمد اعزاز علی۔ لقب اعزاز العلماء۔

آبائی وطن مراد آباد کے مضافات میں ایک قصبہ امروہہ کے نام سے ہے، اس سے تعلق رکھتے تھے۔

ولادت باسعادت: آپ کی ولادت بدیوں شہر میں ۱۳۰۰ھ میں مغرب کی نماز کے قریب ہوئی۔

تحصیل علوم: قرآن کی تعلیم آپ نے قطب الدین اور حافظ شرف الدین سے حاصل کی ہے۔ اردو اور فارسی کی تعلیم اپنے والد ماجد سے اور مدرسہ عربی گلشن فیض میں حاصل کی اور پھر شاہجہانپور کی مشہور دینی درسگاہ معین العلم میں تشریف لے گئے اور وہاں کچھ پڑھیں اور پھر عاشق الٰہی میرٹھی کے اصرار پر میرٹھ میں مدرسہ قومی خیر نگر میں تکمیل کی اس تکمیل کرنے کے بعد دوبارہ دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث پڑھا۔ اور شیخ الہند سے بخاری، ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ پڑھیں اور مفتی عزیز الرحمٰن سے فتویٰ نویسی کا کام سیکھا اور صرف کی اکثر کتب مولانا معیز الدین سے پڑھیں۔

بھاگلپور میں تدریس: دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد استاد محترم حضرت شیخ الہند نے ان کو مدرسہ نعمانیہ پورینی مضافات بھاگل پور میں تدریس کرنے کا حکم دیا نعمانیہ سے تدریس شروع کردی چند ہی دنوں میں لوگوں کا رجوع ہونا شروع ہوگیا وہاں پر طلباء کی ایک بڑی جماعت نے مولانا اعزاز علی سے استفادہ کیا۔

پھر چند ناگزیر حالات کی وجہ سے مدرسہ نعمانیہ چھوڑنا پڑا۔ اسکے بعد آپ نے مدرسہ افضل المدارس شاہجہانپور میں تین سال تدریس کی۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریس: ۱۳۳۰ھ کے شروع میں ۲۵ روپیہ مشاہرہ پر دارالعلوم دیوبند کی منتظمہ کمیٹی نے آپ کا تقرر کرلیا جب اس کی اطلاع مولانا کو پہنچی تو آپ نے بخوشی اسکو قبول کرلیا۔ یہاں پر دو سال تک بڑی جدوجہد سے تدریس کی یہاں تک کہ آپ کا شمار ممتاز اساتذہ میں ہونے لگا۔

۱۳۳۹ھ میں حیدر آباد دکن میں جانا پڑا مگر ایک ہی سال کے بعد جب دارالعلوم دیوبند سے مفتی عزیز الرحمٰن تشریف لے گئے تو دارالافتاء کو ایک تجربہ کار مفتی کی ضرورت تھی اس کے لئے دارالعلوم دیوبند کی کمیٹی

حقانیہ (اکوڑہ خٹک) سے پڑھی اور مشکوٰۃ شریف قاری طیب صاحب سے پڑھی۔

تحصیل علوم کے بعد:

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ کی علمی شہرت عوام و خواص دونوں میں ہو چکی تھی۔ اور جب آپ واپس اپنے شہر ٹونک تشریف لے گئے۔ آپ عدالت شرعیہ کے قاضی اور مفتی بنا دیا گیا۔ اور پھر آپ کو ضلع چھیڑہ گوگور کا مفتی بنا دیا گیا۔

نکاح مسنون:

آپ کا نکاح ضلع بونیر کے قریب سلاء زو علاقہ کی ایک نیک خاتون سے ۱۹۵۱ء میں ہوا اس وقت حضرت مفتی صاحب کی عمر شریف ۲۴ یا ۲۸ سال کی تھی جب کہ ان کی

نے آپ کو ۱۳۴۰ھ میں دوبارہ بلا لیا اور پھر آپ تادم آخر دارالعلوم میں ہی رہے۔

وقت کی پابندی: حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کی ایک امتیازی عادت یہ تھی کہ خواہ گرمی ہو یا سردی و برسات، بیماری یا تندرستی، خوشی یا غمی ہر صورت میں سبق ہوتا۔ گھنٹہ لگتے ہی ساتھ درسگاہ میں داخل ہوتے اور ادھر گھنٹہ بجا ادھر مولانا نے کتاب بند کی اور درسگاہ سے باہر تشریف لے آتے۔

بیعت و سلوک: آپ حضرت رشید احمد گنگوہی سے بیعت ہوئے اور پھر حضرت مولانا سید احمد مدنی سے اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔

آپ کی زندگی میں سادگی حد درجہ پائی جاتی تھی کبھی قیمتی پوشاک آپ کے جسم پر نہیں دیکھی گئی۔ معمولی سا لباس زیب تن زیب فرمایا۔

تصانیف: آپ نے تدریس کے ساتھ ساتھ کئی کتابیں بھی تصنیف فرمائیں جن میں سے بعض درس نظامی کے نصاب میں شامل ہیں نفحۃ العرب، حاشیہ نورالایضاح، حاشیہ دیوان حماسہ، حاشیہ کنزالدقائق، ترجمہ دیوان متنبی، حاشیہ شرح وقایہ وغیرہ مشہور ہیں۔

وفات: آپ ۱۳ رجب ۱۳۷۴ھ بروز چہار شنبہ صبح صادق کے وقت اس فانی دنیا سے رخصت ہوئے۔ دارالعلوم کے ہی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

اہلیہ کی عمر ۱۸ یا ۱۹ سال کی تھی۔

درس و تدریس اور خدمت دین:

تقسیم ہند کے بعد حضرت مفتی صاحب نے پاکستان آنے کا فیصلہ کر لیا اور کراچی شہر میں مستقل قیام فرمایا۔

میٹروپولیس ہائی اسکول میں تدریس:

پاکستان بننے کے بعد کراچی میں صرف ایک ہی مدرسہ مظہر العلوم تھا اس کے علاوہ اور کوئی مدرسہ نہیں تھا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایک مدرسہ میں کتنے علماء تدریس کر سکیں گے؟ اس لئے اولاً ۱۹۵۰ء میں حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ نے میٹروپولیس ہائی اسکول (جو برنس روڈ کے علاقے میں واقع تھا) میں اسلامیات پڑھانا شروع کر دی۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی دینی عزت:

حضرت مفتی حسن صاحبؒ میٹرو ہائی اسکول میں طلباء کی دینی تربیت فرما رہے تھے مگر اسکول کی انتظامیہ پر مغربی ذہنیت کا اثر تھا۔ ان کو یہ بات کیسے منظور ہو سکتی تھی کہ ایک عالم دین ان کے طلباء کا دینی ذہن بنائے اس لئے انھوں نے حضرت مفتی صاحب کو اسکول سے نکالنے کا منصوبہ بنایا۔ اس پر عمل کرنے کے لئے انھوں نے حضرت مفتی صاحب سے ڈاڑھی منڈوانے کا مطالبہ کیا ان کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ یہ شخص ڈاڑھی منڈوانے کا نہیں اس طرح ہم اس بات کو بہانے بنا کر ہم ان سے معذرت کر لیں گے چنانچہ ان کو اپنے اس منصوبہ میں کامیابی حاصل ہوئی چنانچہ جب انتظامیہ نے حضرت مفتی صاحب کے ڈاڑھی منڈوانے کا مطالبہ کیا تو حضرت

مفتی صاحب نے انکار کر دیا اس بناء پر اسکول کی انتظامیہ نے حضرت مفتی صاحب سے معذرت کر لی اسکول سے فارغ و علیحدہ کر دیا۔

مدرسہ امداد العلوم میں تدریس:

اس سے علیحدہ ہونے کے بعد اس واقعہ کا ذکر جب حضرت مفتی صاحب نے اپنے ایک اہم درسی دوست مولانا نور احمد (۱) جو مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب

---

(۱) مولانا نور احمدؒ کے مختصر حالات

مولانا نور احمد نے ابتدائی تعلیم تو اپنے ملک برما میں حاصل کی اور پھر علوم دین کی تکمیل کے لئے دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں پر اپنی ذہانت اور ذکاوت سے اپنے تمام اساتذہ کے منظور نظر رہے۔ پاکستان کی طرف ہجرت ۱۹۳۹ء میں ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے اور یہاں آنے کے بعد ملکی و ملی خدمات میں مصروف ہو گئے اور یہاں آ کر انہوں نے بہت سے اہم کام سر انجام دیئے جس کے بارے میں مولانا تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں،

قیام پاکستان کی تحریک سے لے کر روز وفات تک ملک وملت کے نہ جانے کتنے اہم کاموں میں انہوں نے موثر حصہ لیا لیکن اس طرح کہ جب ان کاموں کی تاریخ مرتب کرنے والے تاریخ مرتب کریں گے تو شاید ان کاموں میں ان کا نام نہ آئے یا آئے تو سرسری اور مختصر انداز میں۔۔۔۔ (نقوش رفتگان ۲۴۲) وہ شہرت و دمعنت سے دور رہنے کو پسند کرتے تھے۔

بہت لگتا ہے جی صحبت میں ان کی وہ اپنی ذات سے ایک انجمن ہیں

کارنامے: مدرسہ دار العلوم کراچی کے ناظم رہے اور اپنی صلاحیت سے مدرسہ کو خوب ترقی دی۔ انتظامت میں اتنے معروف ہوئے کہ اپنے حلقہ احباب میں وہ ناظم صاحب کے ہی لقب سے جانے پہچانے جاتے تھے۔

پاکستان میں سوشلزم کے خلاف تحریک کے روح رواں تھے اور ۱۱۳ علماء کا مشہور فتویٰ مرحوم کی ہی مساعی جمیلہ کا کارنامہ تھا۔

کے داماد اور مدرسہ امداد العلوم اور پھر بعد میں دار العلوم کورنگی کے بھی ناظم تعلیمات رہے تھے ان سے کہا تو انہوں نے فوراً حضرت مفتیؒ سے کہا کہ آپ آج سے ہمارے ساتھ کام کریں آپ کو ہم اسکول سے دوگنا تنخواہ بھی دیں گے اور ڈاڑھی منڈوانے کے مطالبہ کے بجائے ہم آپ سے ڈاڑھی میں اہتمام سے کنگھا کرنے کو کہیں گے۔ کیونکہ مولانا نور احمد مفتی صاحب کے فضائل سے خوب واقف تھے۔ بقول شاعر ؎

کسی کو کیا خبر کیا چیز ہیں وہ
انہیں دیکھے کوئی میری نظر سے

حضرت مفتی صاحب نے مولانا نور احمد کی درخواست کو قبول فرماتے ہوئے مدرسہ امداد العلوم جو آرام باغ کی باب الاسلام مسجد میں قائم تھا، وہاں پر پڑھانا شروع کر دیا۔ اس وقت وہاں پر حفظ کی درسگاہیں تھیں اور چند لڑکے جن میں مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب مہتمم دار العلوم کورنگی اور حضرت مولانا تقی عثمانی وغیرہ تھے ان کو حضرت مفتی صاحب نے فارسی اور عربی کتابیں پڑھانا شروع کر دیں۔

اسی طرح رابطہ موتمر العالم الاسلامی جب قائم ہوا تو حضرت موصوف کو ہی اس کی نشر اشاعت اور دعوت وارشاد کا ناظم بنایا گیا۔

نیز انہوں نے ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا جس سے اولاً قرآن مجید کو شائع کیا پھر اعلاء السنن بیس جلد پر مشتمل اور مصنف بن ابی شیبہ، مبسوط امام محمد، محیط البرہانی، احکام القرآن تھانوی، ملحی شرح مشکوٰۃ کو اپنے اسی اشاعتی ادارے سے شائع کر کے علماء سے تحسین حاصل کی۔

ان میں اکثر ایسی کتابیں ہیں جو پاکستان میں پہلی بار طبع ہوئی ہیں۔

وفات: ۲ جمادی الثانیہ ۱۴۰۶ھ بمطابق یکم فروری ۱۹۸۶ء کی شب دنیا فانی سے رخصت ہوئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نانک واڑہ میں تدریس:

۱۹۵۱ء میں جب مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ[1] نے مدرسہ

---

(۱) حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے مختصر حالات

آتی رہے گی ترے انفاس کی خوشبو گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

ولادت باسعادت: ۲۰، ۲۱ر شعبان مطابق ۱۸۹۷ء کی درمیانی رات میں قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے والد کا نام مولانا یاسین دیوبندی ہے جو جید عالم دین تھے

تعلیم: پانچ سال کی عمر میں حافظ محمد عظیم صاحب کے پاس دار العلوم میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ قرآن کے ختم ہونے کے بعد فارسی اور ابتدائی کتاب اپنے والد سے ہی پڑھی۔

ریاضی، فنون حساب کی تعلیم اپنے چچا مولانا منظور احمد صاحب سے حاصل کی۔

۱۶ سال کی عمر میں دار العلوم دیوبند میں درس نظامی پڑھنا شروع کیا اور ۱۳۳۵ھ میں فارغ التحصیل ہو گئے آپ کے استادوں میں علامہ انور شاہ کشمیری مفتی اعظم ہند مولانا عزیز الرحمن علامہ شبیر احمد عثمانی سید اصغر دیوبندی مولانا اعزاز علی وغیرہ شامل ہیں۔

تدریس: فراغت کے بعد دیوبند میں ہی تدریس شروع کر دی اور تقریباً تمام ہی کتابوں کا درس دیا مگر مقامات حریری اور ابوداؤد شریف کا درس آپ کا بہت مشہور ہوا۔ آپ نے تقریباً ۲۷ سال تک دیوبند میں تدریس کے فرائض انجام دیئے اور دوران تدریس آپ نے فتاویٰ نویسی کا کام بھی شروع کر دیا تھا اور پھر بعد میں فتویٰ کی بھی تمام تر ذمہ داری آپ پر آ گئی۔

بیعت وسلوک: آپ نے ابتداً شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ سے ۱۹۲۰ء میں بیعت کی مگر پھر ۱۳۳۹ھ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت ہوئے اور پھر انہوں نے ۱۳۴۹ھ میں آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔

بیس سال تک آپ حکیم الامت کی صحبت میں رہے اور حکیم الامت کو آپ کے علم پر بڑا اعتماد تھا۔ آپ سے کئی کتابیں بھی لکھوائیں جن میں احکام القرآن، حیلۂ ناجزہ وغیرہ شامل ہیں۔

ایک موقع پر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا، اللہ تعالیٰ مفتی محمد شفیع کی عمر دراز کرے،

امداد العلوم سے اپنے مدرسہ کو نانک واڑہ میں مستقل طور سے منتقل کیا تو حضرت مفتی ولی حسن کا بھی مدرسہ امداد العلوم برنس روڈ سے نانک وارہ میں منتقل ہو گئے اور پھر باقاعدہ اپنی علمی خدمات اور اپنے علمی جوہر کا آغاز فرمایا۔

مجھے ان سے دو خوشیاں ہیں ایک تو یہ ان کے ذریعے مجھے علم حاصل ہوتا رہتا ہے اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے بعد بھی کام کرنے والے موجود ہیں۔

قاری محمد طیب نے ایک موقع پر فرمایا کہ حضرت مفتی اعظم ہمارے شیخ حضرت حکیم الامت کے علمی اور روحانی ترجمان اور صحیح جانشین تھے ہمارے قدیم اسلاف کی نشانی تھے فقہ وتفسیر میں امامت کا مرتبہ حاصل۔ ایک مایہ ناز مصنف ادیب اور شاعر تھے ایک شیخ کامل اور، عارف کامل تھے۔

ہجرت پاکستان: علامہ شبیر احمد عثمانی اور دوسرے حضرات کے ساتھ آپ نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پاکستان کے قیام کے بعد دستور کے نفاذ قرارداد مقاصد کی تدوین وترتیب اور اس کی منظوری میں اہم کردار ادا کیا اور اسلامیہ بورڈ کے اہم رکن نامزد ہوئے۔ بعد میں قانون کمیشن کے ممبر نامزد ہوئے۔

دارالعلوم کراچی کا قیام: آپ کو احساس تھا کہ کراچی میں کوئی بڑا مدرسہ نہیں ہے۔ اس لئے انہوں نے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جو آج دارالعلوم کراچی کی صورت میں موجود ہے۔ جس میں تقریباً ۲ ہزار سے زائد طلباء علوم الٰہی حاصل کر رہے ہیں۔ اس مدرسہ کا شمار پاکستان کی عظیم درسگاہوں میں ہوتا ہے۔

تصانیف: آپ کی تصانیف تعداد ڈیڑھ سو سے متجاوز ہے جس میں تفسیر معارف القرآن، احکام القرآن، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، آلات جدیدہ، جواہر الفقہ، اسلام کا نظام اراضی، سیرت خاتم الانبیاء وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔

وفات: ۱۰ شوال ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء کو آپ نے رحلت فرمائی ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں نے نماز جنازہ پڑھی عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی عارفی نے آپ کی جنازہ کی نماز پڑھائی اور احاطہ دارالعلوم کراچی کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

فروغ شمع جواب ہے رہے گی رہتی دنیا تک　　　مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانہ کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن میں تدریس:

۱۹۵۲ء میں جب طلباء کی تعداد دارالعلوم نانک واڑہ میں زیادہ ہوگئی اور وہ تنگ اور چھوٹی سی عمارت ناکافی ہونے لگی تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے کوئی وسیع جگہ پر اس مدرسہ کو منتقل کرنا چاہا آخر کار کورنگی شرافی گوٹھ جہاں پر آج کل عظیم الشان عمارت ہے وہاں پر ایک وسیع زمین آپ کو ملی اگرچہ وہاں پر اس وقت تک کوئی آبادی بھی نہیں تھی اللہ کا نام لے کر نانک واڑہ مدرسہ کو وہاں پر منتقل کر دیا۔ اس پر حضرت مفتی ولی حسن کو کچھ ایسے مسائل درپیش تھے کہ اپنا گھر چھوڑ کر مدرسہ میں مستقل طور پر قیام کرنا مشکل تھا اور دوسری طرف روزانہ کورنگی جانا بھی مشکل ترین کام تھا۔ اسی دوران شہر کے وسط میں ۱۹۵۳ء میں محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ[1] نے

---

(۱) محدث العصر مولانا یوسف بنوریؒ کے مختصر حالات

لیس علی اللہ بمستنکر　　　ان یجمع عالم فی واحد

نام: محمد یوسف۔ والد کا نام محمد زکریا تھا۔

ولادت: بروز جمعرات ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ بمطابق ۱۹۰۸ء کو ہوئی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے والد اور ماموں مولانا فضل صمدانی بنوری سے حاصل کی اور پھر صرف، نحو اور دیگر فنون کی ابتدائی تعلیم حافظ عبداللہ بن خیر اللہ پشاوری امیر حبیب اللہ کے دور میں کابل کے ایک مدرسہ میں حاصل کی۔ اور پھر مشہور عالم دین قاضی القضاۃ مولانا عبدالقدیر افغانی اور شیخ محمد صالح القلیطوی افغانی وغیرہ سے علم حاصل کیا۔ پھر آپ نے ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۴۷ھ تک دارالعلوم دیوبند میں رہ کر محقق علماء سے علم دین حاصل کیا۔ آپ کے استادوں میں مولانا شبیر احمد عثمانی اور خاص کر امام العصر محدث جلیل حضرت

حاشیہ:

مولانا محمد انور شاہ کشمیری شامل ہیں۔

اور آخر میں آپ نے حضرت انور شاہ کشمیری سے خوب استفادہ کیا یہاں تک کہ علماء نے فرمایا کہ مولانا محمد یوسف بنوری یہ علامہ انور شاہ کشمیری کے علم کے حامل ہیں اور ان کے علوم و معارف کے امین ہیں۔

اور جب امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری ڈابھیل تشریف لے گئے تو مولانا بنوریؒ بھی ساتھ میں تشریف لے گئے۔

۱۹۳۰ء میں اپنے والد کی خواہش پر پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان دیا۔

اور پھر ڈابھیل میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث بھی رہے اور مجلس علمی جامعہ الاسلامیہ ڈابھیل نے آپ کو مجلس کا باقاعدہ رکن بھی بنا دیا۔

جب کتابوں کی طباعت کے سلسلہ میں ۱۹۳۷ء میں مصر تشریف لے گئے تو وہاں پر شیخ محمد زاہد الکوثری اور دیگر علماء سے فیضیاب بھی ہوئے اور سند حدیث بھی حاصل کی۔

پاکستان کی طرف ہجرت: پاکستان بننے کے بعد آپ ۱۹ جنوری ۱۹۵۱ء کو پاکستان تشریف لے آئے۔ ابتداء آپ دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں شیخ التفسیر رہے اور تین سال تک وہاں پر طلباء کو سیراب فرماتے رہے۔

نیوٹاون مدرسہ کا قیام: ٹنڈو الہ یار کے بعد آپ نے ۱۹۵۳ء کو نیوٹاون مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ ابتداء کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر پھر اللہ جل شانہ نے اس ادارے پر کرم فرمایا اور اب یہاں سے ہزاروں کی تعداد میں علماء فارغ ہو کر دنیا کے مختلف مقامات پر دین کے کام میں مشغول ہیں۔

مولانا نے اپنے آپ کو صرف مدرسہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ باطل کا ہر میدان میں مقابلہ کیا۔

(۱) جب ایوب خان کے دور میں مدارس پر حکومت نے قبضہ کرنا چاہا تو حضرت مولانا بنوریؒ نے اس کا مقابلہ کیا بالآخر حکومت کو اس منصوبے میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔

(۲) اسی طرح جب قادیانیوں کے خلاف تحریک چلی تو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور پھر بھٹو دور میں قادیانیوں کے خلاف تحریک کی قیادت کی اور قادیانیوں کو اسمبلی کی منظوری سے آئینی طور سے خارج از اسلام قرار دلوایا۔

حاشیہ:

(۳) جب پرویزیت نے پاکستان میں اپنا فتنہ برپا کرنا چاہا تو ان کے خلاف مولانا نے حضرت مفتی ولی حسنؒ سے ایک رسالہ مرتب کروایا جس سے تمام مکاتب فکر کے علماء نے اس فتنہ کو خارج از اسلام قرار دیا اور یہ عظیم فتنہ فرو ہو گیا جس کی پشت پناہی غلام محمد گورنر جنرل اور صدر ایوب جیسے لوگ کر رہے تھے۔

(۴) صدر جنرل ضیاء الحق نے جب اسلامی نظریاتی کونسل بنائی تو حضرت مولانا کو اس کا رکن بنایا اور اس میں آپ نے بہت ہی اہم رہنمائی فرمائی۔

(۵) ڈاکٹر فضل الرحمٰن کو صدر ایوب نے امریکہ سے بلایا یہ شخص بد دین ملحد قسم کا آدمی تھا۔ ظاہر یہ کیا گیا کہ ادارہ تحقیقات اسلامی قائم کر کے کتاب وسنت کی اشاعت کرے گا مگر مولانا بنوریؒ نے اس فتنے کو بھی جانچ لیا اور اس کے خلاف علماء کو متحد کیا اور پھر یہ فتنہ بھی ختم ہو گیا۔

اس کے علاوہ بھی آپ کی برکت سے نہ معلوم کتنے فتنے ختم ہوئے۔

تصانیف: آپ کی کئی تصانیف ہیں اور سب اعلیٰ درجہ کی ہیں اور تمام کی تمام عربی زبان میں ہیں۔

(۱) معارف السنن شرح سنن الترمذی: یہ ترمذی شریف کی ایک محققانہ شرح ہے جو چھ جلدوں میں نامکمل ہے جو کتاب المناسک پر ختم ہو جاتی ہے۔ کاش کہ یہ مکمل ہو جاتی جس میں انور شاہ کشمیری کے علوم کو جمع کر دیا گیا ہے۔

(۲) عوارض السنن مقدمہ معارف السنن: ایک جلد میں ہے اس کو مستقل کتاب کی صورت میں لکھا جا سکتا تھا مگر یہ بھی نامکمل رہی۔

(۳) بغیۃ الاریب فی مسائل القبلۃ والمحاریب: یہ کتاب آپ نے پہلی مرتبہ ۱۳۵۷ھ میں شائع کروائی۔

(۴) النفحۃ العنبریۃ فی حیاۃ امام العصر الشیخ محمد انور: یہ کتاب مولانا انور شاہ کشمیری کے فضائل وکمالات اور خصوصیات پر لکھی ہے۔

(۵) یتیمۃ البیان فی شیء من علوم القرآن: علامہ انور شاہ کشمیری کی کتاب مشکلات القرآن پر یہ مقدمہ ہے اور یہ مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۶) الاستاذ المودودی وشیء من حیاتہ وافکارہ: اس کتاب میں مولانا بنوریؒ نے مودودی کے غلط نظریات وافکار پر رد فرمایا ہے جس سے بہت سے لوگ ناواقف تھے۔ اس کا اردو میں ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ متعدد کتابوں پر مقدمہ اور تقاریظ موجود ہیں۔

ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی ہوئی تھی۔ تو حضرت مفتی صاحب نے مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے عذر کر لیا اور پھر حضرت مفتی صاحب مدرسہ عربیہ اسلامیہ جو اب جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن[1] کے نام سے مشہور ہے اس سے منسلک ہو گئے اور پھر

وفات: یہ علم و معرفت کا آفتاب ۳ ذی قعدہ ۱۳۹۵ھ بمطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو بروز سوموار اپنے مالک وخالق سے جاملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی نماز جنازہ پہلی مرتبہ راولپنڈی میں مولانا عبدالحق نے پڑھائی اور پھر دوسری بار کراچی میں حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی خلیفہ حکیم الامت اشرف علی تھانوی نے پڑھائی۔

اور مدرسہ بنوری ٹاؤن کے ایک گوشہ میں آرام فرما رہے ہیں۔

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے   سبزہ نوخیز اس گھر کی نگہبانی کرے

(۱) مختصر تاریخ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے بانی محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوری ؒ ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد ابتداء علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے ٹنڈو الہ یار جامعۃ اسلامیہ میں پڑھایا مگر کچھ مسائل کی وجہ سے اس سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ اس کے بعد آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے وہاں پر علماء ومشائخ کے مشورے کے ساتھ کراچی میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھنا طے ہوا۔ حکومت نے ایک جگہ مدرسہ کے لئے دی۔ وہ حب ندی کے قریب لال میوہ نامی مقام پر کراچی سے تقریباً آٹھ میل دور تھی۔ جس کو علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے قبول نہ فرمایا۔

جامع مسجد نیوٹاؤن (گرومندر) کے ملحق ایک زمین کا حصہ خالی پڑا ہوا تھا جس پر مسجد کی کمیٹی کے احباب مدرسہ بنانے کی ہی نیت رکھتے تھے مگر وسائل نہ ہونے کی وجہ سے ہمت نہیں کر پا رہے تھے۔ ۱۹۵۳ء میں مولانا نے ان سے بات کی تو وہ بخوشی راضی ہو گئے۔ حاجی علیم الدین سے مولانا نے تین سو روپے قرض لے کر مدرسہ کا افتتاح کر دیا۔ ابتداء دس، بارہ ہی طالب علم داخل ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ پاکستان کے صف اول کے مدارس میں کا شمار ہونے لگا۔

اس وقت جامعۃ العلوم الاسلامیہ کی ۱۷ شاخیں ہیں تقریباً دو ہزار کے قریب اساتذہ اور عملہ ہے۔ طلباء کی تعداد دس ہزار کے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید ترقی نصیب فرمائے۔

تا حیات اسی کے ہو گئے۔

حضرت مفتی صاحب علمی جامعیت:

آپ علم کا ایک گراں مایہ خزینہ اور بیش بہا گنجینہ بلکہ ایک ٹھاٹھیں مارتا دریا تھے گویا آپ سراپا علم تھے۔ آپ کو ہر فن پر عبور حاصل تھا۔ حضرت مفتی عبدالسلام چاٹگامی آپ کے علم کے بارے میں فرماتے ہیں،

حضرت الاستاد مفتی صاحب کا علم ہمہ فنون سے یکساں معمور ہوتا تھا اس لئے ان کے لئے کسی بھی فن میں آپ کی خصوصیت بیان کرنا مشکل ہے اس لئے جب آپ حدیث شریف پڑھاتے تو معلوم ہوتا تھا کہ آپ ماہر علوم حدیث ہیں اور جب ادب پڑھاتے تو ماہر ادب معلوم ہوتے اور جب فقہ واصول فقہ پڑھاتے تو معلوم ہوتا کہ فقہ واصول میں ایسے ماہر ہیں کہ فقہ واصول فقہ کی کلیات وجزئیات کو احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ مگر حضرت مفتی صاحب کو فقہ اور حدیث سے جو دلچسپی اور تعلق تھا وہ بشکل عشق کے تھا۔

حضرت مفتی صاحب کی فقہ سے غیر معمولی دلچسپی:

عنداللہ اور عندالناس جو علم ہے وہ فقہ ہے یہی وجہ ہے کہ شیطان جس قدر ایک فقیہ سے گھبراتا ہے اتنا کسی عابد سے نہیں گھبراتا حدیث شریف میں ارشاد نبوی ﷺ ہے،

فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد

ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔

فقہ ایک ایسا علم ہے جس سے کسی کو بھی مفر نہیں خواہ وہ امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا

محکوم، تاجر ہو یا مزدور، ظالم ہو یا مظلوم، مرد ہو یا عورت۔ غرض یہ کہ ہر وقت ہر آدمی فقہ کے محتاج ہیں اور انسانی زندگی میں جس قدر واسطہ انسان کو اس علم سے ہوتا ہے وہ کسی اور سے نہیں۔

جہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو دوسرے علوم میں مہارت عطا فرمائی تو وہاں پر فقہ سے سب سے زیادہ دلچسپی تھی۔ حضرت مفتی صاحب ایک فقیہ المثال فقیہ کے ساتھ ساتھ محدث، شیخ کامل، محقق اور حق گو عالم دین جس کی مثال موجودہ دور میں ملنا مشکل ہے۔

حضرت مفتی صاحب کی فقہ میں دلچسپی کے سلسلہ میں حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ صاحب تحریر فرماتے ہیں،

"فقہ حضرت مفتی صاحب کا خصوصی موضوع تھا اور یہ بھی ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہدایہ اولین ان سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی جس کے نتیجے میں فقہ سے خصوصی دلچسپی پیدا ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب اپنے درس میں نہ صرف یہ کہ ہدایہ کے مباحث کو بڑے دل نشین پیرائے میں سمجھاتے بلکہ متعلقہ مسئلے کے اصولی پہلو پر بطور خاص روشنی ڈالتے اور مسئلے سے نکلنے والی اصولی ہدایات کی نشاندہی بھی فرماتے اور بسا اوقات یہ بھی بتاتے کہ ان اصولی ہدایات سے نئے مسائل میں کیسے کام لیا جا سکتا ہے اس کے ساتھ ہی حضرت مفتی صاحب عصر حاضر کی تمام فکری تحریکوں سے پوری طرح باخبر تھے اور جدید مسائل کے بارے میں اپنے آپ کو تازہ معلومات سے مزین رکھتے تھے چنانچہ ان کے درس میں بھی یہ ساری

معلومات اس طرح منعکس ہوتی تھیں کہ طالب علم کی فقہی بصیرت کو جلا اور ترقی ملتی تھی مختصر یہ کہ کہنے کو ہدایہ اولین کا درس ایک درس تھا جو دن میں دو گھنٹے ہوا کرتا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس درس کے دوران حضرت مفتی صاحب نے سوچ کا ایک ایسا رخ عطا کیا جس نے ہمارے طالب علم کی صورت گری میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔ ایک دوسری جگہ یہ مولانا تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کی فقہ سے خصوصی مناسبت کی بناء پر میرے والد ماجد (مفتی محمد شفیع صاحب) قدس اللہ سرہٗ نے حضرت مفتی صاحب کو دار الافتاء میں فتویٰ نویسی کی خدمات بھی جزوی طور پر سپرد کر دی تھیں۔ اسی زمانے میں جب شعبان رمضان کی تعطیلات آئیں تو حضرت مفتی صاحب مدرسہ جانے کے بجائے ہمارے گھر کی بیٹھک میں بیٹھ کر فتویٰ کا کام کرتے تھے۔"

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھی ہم بکثرت حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں جا کر بیٹھ جاتے تھے اور ان کا وقت خراب کر کے اپنا فائدہ اٹھائے اسی دوران ایک مرتبہ میں حضرت مفتی صاحب کے سامنے خاموش بیٹھا ہوا تھا حضرت مفتی صاحب کو بہت سے فتاویٰ کا جواب لکھنا تھا جو ان کے سامنے رکھے ہوئے تھے اچانک انھوں نے ایک استفتاء پڑھنے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ دیکھو یہ کتنا آسان سوال ہے اس کا جواب تم ہی لکھ دو میں اس وقت ہدایہ پڑھتا تھا اور حضرت مفتی صاحب کا یہ فرمانا مجھے شروع میں مذاق محسوس ہوا۔ لیکن مفتی صاحب نے سنجیدگی کے ساتھ اصرار فرمایا تو

میں نے ڈرتے ڈرتے جواب لکھ دیا مفتی صاحب نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ جواب ٹھیک ہے اور فرمایا اسی طرح رفتہ رفتہ انسان فتویٰ سیکھ لیتا ہے۔ یہ کہہ کر مفتی صاحب نے فتویٰ پر اپنے دستخط فرما دیئے یہ میرا پہلا فتویٰ تھا اور اسی طرح فتویٰ کے میدان میں بھی یہ پہلا قدم رکھوانے کا سہرا بھی حضرت مفتی صاحب کے سر ہے۔

علامہ یوسف بنوریؒ کی نظر میں مفتی ولی حسن کی فقاہت:

حضرت مولانا علامہ یوسف بنوری بھی آپ کی فقاہت کے ممدوح تھے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ مولانا بنوریؒ بہت ہی کم لوگوں کے ممدوح ہوتے تھے کیونکہ انھوں نے حجۃ اللہ الارض حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ[1] جیسے آدمی کی صحبت پائی تھی اس لئے

---

(۱) امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے مختصر حالات

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم　　　　تو نے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کیے؟

ولادت باسعادت: ۲۷ شوال ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۵ ۱۸۷ء مقام دودھواں علاقہ لولاب کشمیر میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نسب نامہ شیخ مسعود نروری کشمیری سے ملتا ہے جن کے بزرگوں کا اصل وطن بغداد تھا وہاں سے ملتان اور پھر لاہور اور آخر میں کشمیر میں اقامت کی۔

تعلیم: چار یا پانچ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد مولانا معظم شاہ سے قرآن پڑھنا شروع کیا اور چھ سال کی عمر میں قرآن مجید کے علاوہ فارسی وغیرہ کی کتاب بھی پڑھ لی۔

پھر مولانا غلام محمد سے فارسی اور عربی کتابیں پڑھیں اور پھر تین سال تک ہزارہ و سرحد کے متعدد علماء کی خدمت میں رہ کر علوم عربیہ کی پیاس بجھائی۔ آخر میں ۱۳۰۷ھ میں علم کی پیاس ان کو دارالعلوم دیوبند لے گئی اور چار سال تک وہاں پر شیخ الہند محمود الحسن مولانا خلیل احمد سہارنپوری مولانا اسحاق امرتسری اور مولانا غلام رسول ہزاروی وغیرہ سے علم حاصل کیا۔

تدریس: ۱۳۱۲ھ میں فراغت کے بعد آپ مدرسہ امینیہ میں مدرس اول رہے اور پھر کشمیر تشریف لے

حاشیہ

گئے اور پھر ۱۳۲۳ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے اور پھر حج کی واپسی پر آپ نے کشمیر میں ایک مدرسہ فیض عام کی بنیاد ڈالی اور تقریباً تین سال تک وہاں پر پڑھایا۔

اور پھر دارالعلوم دیوبند میں مدعو کیا گیا اور وہاں پر آپ سنن ابوداؤد و صحیح مسلم کا درس کئی سال تک بلا تنخواہ دیتے رہے۔

والدہ کے انتقال پر دوبارہ کشمیر گئے مگر احباب دیوبند کی طرف سے اصرار تھا کہ جلد واپس آ جائیں۔ آپ دوبارہ دیوبند مدرسہ تشریف لے گئے اور جب شیخ الہند محمود الحسن حج کے لئے تشریف لے جانے لگے تو آپ کے ذمہ بخاری اور ترمذی کا درس آ گیا۔ اور پھر آپ ۱۳۴۵ھ سال تک یہ درس دیتے رہے۔ درمیان میں چند سالوں کے لئے ڈابھیل تشریف لے گئے تھے۔ شاہ صاحب کی فطری قابلیت اور قوت حافظہ کی وجہ سے لوگ اس قدر گرویدہ ہو چکے تھے کہ آپ کے درس کے لئے لوگ دور دور سے آنے کو سعادت سمجھتے تھے۔

تصانیف: آپ کی کئی تصانیف ہیں ان میں سے مشکلات القرآن، تحیۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام، اکفار الملحدین، التصریح تواتر فی نزول المسیح، نیل الفرقدین فی مسئلہ رفع الیدین، بسط الیدین، کشف الستر عن صلوۃ الوتر، املاء فیض الباری، تقریر بخاری وغیرہ مشہور ہیں۔

وفات: ۳ صفر ۱۳۵۲ھ رات کے آخری حصہ میں ساٹھ سال کی عمر میں دیوبند میں ہی رحلت فرمائی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مٹی میں کیا سمجھ کے دباتے ہو دوستو　　　　گنجینہ علوم ہے یہ گنج زر نہیں

آپ کے بارے میں علماء کی آراء: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا کہ میرے نزدیک حقانیت اسلام کی دلیلوں میں ایک دلیل مولانا محمد انور شاہ کشمیری کا امت مسلمہ میں وجود ہے اگر دین اسلام میں کسی قسم کی کجی یا خرابی ہوتی تو آپ دین اسلام سے کنارہ کش ہو جاتے۔

مصر کے عالم علامہ سید رشید رضا نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے ان جیسا آدمی نہیں دیکھا۔

سید مناظر احسن گیلانی کی تحقیق ہے کہ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری کو کم سے کم پچاس ہزار عربی اشعار یاد تھے۔

ان کو کوئی بھی متاثر نہیں کر سکتا تھا۔ مگر حضرت مفتی صاحب کے بارے میں علامہ بنوریؒ نے فرمایا کہ آپ کے فقہ اور فہم کے آثار آپ کی پیشانی سے ظاہر ہوتے ہیں۔

اسی طرح ایک موقعہ پر دارالحدیث میں سبق کے دوران کسی مسئلہ کے بارے میں کسی نے کہا کہ فلاں مفتی سے معلوم کر لیتے ہیں اس پر حضرت علامہ یوسف بنوریؒ نے فرمایا کہ وہ تو ابھی پاؤ بھر کا مفتی ہے۔ اگر مسئلہ معلوم کرنا ہے تو مفتی ولی حسن سے معلوم کرو کہ وہ سیر بھر کے مفتی ہیں۔

زمانہ حاضر کے فقیہان کرام اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت مفتی صاحب کے اندر اجتہادی شان تھی اور جو بھی ان کے فقہی مقالات کو دیکھے گا وہ بھی اس بات کا اقرار کرے گا اسی وجہ سے جو طلباء بنوری ٹاؤن میں تخصص فی الحدیث یا تخصص فی الفقہ میں داخل ہوئے علامہ یوسف بنوریؒ ان پر لازم قرار دیتے کہ وہ حضرت مفتی کے درس

مولانا الیاس کاندھلویؒ فرماتے ہیں، انور شاہ صاحب کے حافظہ کا عالم یہ تھا کہ جو ایک مرتبہ دیکھ لیا اور جو ایک مرتبہ سن لیا وہ ضائع ہونے سے محفوظ اور مامون ہو گیا گویا آپ اپنے زمانے کے امام زہری تھے۔

مولانا حبیب الرحمن عثمانی آپ کو چلتا پھرتا کتب خانہ کہا کرتے تھے۔

شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں، مصر و شام کا کوئی آدمی مجھ سے پوچھتا کہ کیا تم نے حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ تقی الدین ابن دقیق العید اور شیخ عزیز الدین بن عبد السلام کو دیکھا ہے تو میں یہ کہہ سکتا تھا کہ ہاں دیکھا ہے کیونکہ صرف زمانہ کا تقدم و تاخر ہے۔

شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم نے شاہ صاحب کے تعزیتی جلسہ میں جب تقریر شروع کی تو سب سے پہلے یہ شعر پڑھا،

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے　　　بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اور کہا کہ اسلام آخری پانچ سو سالہ تاریخ میں مولانا انور شاہ کشمیری کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

علامہ کوثری نے لکھا ہے ابن ہمام کے بعد استخراج مسائل میں علامہ انور شاہ کشمیری کی نظیر نہیں ملتی۔

ہدایہ ثانی۔ و ثالث میں ضرور شریک ہوا کریں۔ تاکہ مفتی صاحب کی فقاہت سے ان کو استفادہ ہو۔

اسی طرح سے ایک مرتبہ مفتی عبدالباقی نے لندن سے ایک ہی استفتاء دارالعلوم دیو بند، دارالعلوم کراچی اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کو بھیجا۔ اس میں یہ سوال کیا گیا تھا کہ آیا دارالحرب کے مسلمان کفار سے سود لے سکتے ہیں یا نہیں اس سوال کے جواب میں دارالعلوم دیو بند اور دارالعلوم کراچی والوں کا جواب ایک تھا کہ سود لے سکتے ہیں۔ جب کہ جامعۃ العلوم السلامیہ بنوری ٹاؤن سے جو جواب دیا گیا وہ اس کے خلاف تھا کہ سود کا لینا جمہور امت کے نزدیک ناجائز ہے ہاں جو مسلمان کافر ملکوں میں تجارت کی غرض سے یا سیر و سیاحت کی غرض سے گئے ہوں تو ان کے لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سود لینے کی گنجائش ہے مگر ان کو بھی سود کا دینا جائز نہیں ہے جب کہ اس مسئلہ میں جمہور امت اور دوسرے ائمہ مجتہدین اس کے خلاف ہیں۔ محققین علماء کے نزدیک یہ خلاف احتیاط ہے۔ جن دنوں میں یہ فتویٰ لکھا گیا اتفاق سے حضرت مولانا یوسف بنوریؒ لندن میں مفتی عبدالباقی کے یہاں ہی قیام پذیر تھے۔

مفتی عبدالباقی صاحب نے اس مسئلہ کے بارے میں حضرت الشیخ بنوری رحمہ اللہ سے بھی تذکرہ کیا اور آپ کی رائے معلوم کی۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ موجودہ حالات میں کفار مسلمانوں کو جس انداز سے نقصان پہنچا رہے ہیں اس کو دیکھ کر میری رائے تو یہ ہے کہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ دینا چاہیے، پھر بھی دارالافتاء والوں کا کیا رجحان ہے معلوم نہیں یہ بات ان سے ہی معلوم ہو سکتی ہے اور انہی سے معلوم کرنا چاہیئے۔ جناب مفتی عبدالباقی صاحب نے دارالعلوم دیو بند اور دارالعلوم

کراچی، جامعہ بنوری ٹاؤن کے فتاویٰ حضرت مولانا رحمہ اللہ کو دکھا کر کہا کہ دونوں بڑے اداروں کے فتاویٰ بالکل آپ کی رائے کے موافق ہیں اور خود آپ کے اپنے جامعہ کے دارالافتاء کا فتویٰ آپ کی رائے کے خلاف ہے، تو حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ بہت غصہ ہوئے۔ جناب میر غلام خاں لغاری صاحب اور جناب مولانا محمد اسماعیل صاحب بھاچی کو وہاں سے جو خطوط لکھے ان میں آپ نے شدید قسم کے غیظ و غضب کا اظہار کیا۔ بہرحال جب حضرت مولانا رحمہ اللہ جب کراچی تشریف لائے دوسرے روز سب سے پہلے دارالافتاء سے مفتی عبدالسلام کو دفتر میں بلایا اور فرمایا آپ نے غلط فتویٰ لکھا آپ کی وجہ سے ہمارا دارالافتاء بدنام اور ہماری بدنامی ہوئی ہے۔ اس پر مفتی عبدالسلام نے عرض کیا حضرت ہم تو ابھی کچے لوگوں میں سے ہیں، حضرت مفتی صاحب پکے لوگوں میں سے ہیں ان کی تصدیق پر اعتماد کر کے کام چلا لیتے ہیں، بہت ممکن ہے غلطی ہوگئی ہوگی دوبارہ کتاب وغیرہ دیکھ لیتے ہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا فتویٰ میں غلطی ہوئی ہے، ساری کتابوں کو جمع کر کے اچھی طرح مطالعہ کرو، فتویٰ کا کام آسان نہیں ہے۔ اور فرمایا میں بھی مفتی ہوں اور اچھا مفتی ہوں جس زمانہ میں فتویٰ لکھتا تھا حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ صاحب اس کی تصحیح فرمایا کرتے تھے اور میرے کسی فتویٰ پر کبھی بھی شاہ صاحب نے اعتراض نہیں فرمایا۔ صرف ایک عنوان پر وہ بھی میں نے شاہ صاحب کے القابات زیادہ لکھ دیئے انھوں نے ان القابات کو کاٹ دیا اور فرمایا آپ کو صرف مولانا محمد انور شاہ کشمیری لکھنے کا حق ہے اس سے زیادہ القاب لکھنے کا نہیں۔

بہرحال دوسرے دن مولانا یوسف بنوری صاحب نے حضرت مفتی ولی حسن

صاحب کو اپنے گھر مدعو کیا۔ مفتی صاحب امداد الفتاویٰ بھی اپنے ساتھ لے گئے اس میں حضرت اشرف علی تھانویؒ[1] نے دارالحرب میں سود لینے کے جواز اور عدم جواز پر

---

(۱) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مختصر حالات

نام: اشرف علی۔

ولادت باسعادت: ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم آپ نے مولانا فتح محمد صاحب سے تھانہ بھون میں پڑھی۔ اور ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا ۱۳۰۱ھ میں فارغ التحصیل ہوگئے۔ آپ کے استادوں میں سے مولانا محمد یعقوب نانوتوی، الشیخ الہند محمود الحسن، سید احمد، قاری محمد عبداللہ مہاجر وغیرہ ہیں۔

تدریس: ۱۳۰۱ھ میں آپ کانپور تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ فیض عام میں پڑھانا شروع کیا اور چودہ سال یہاں پر تدریس کی اور مختلف کتابیں پڑھائیں۔

۱۳۱۵ھ میں تھانہ بھون تشریف لے آئے اور امداد اللہ مہاجر مکی کی خانقاہ کو آباد کیا اور ایک مدرسہ اشرفیہ کے نام سے قائم کیا۔ اور پھر تادم حیات یہاں ہی رہے۔

بیعت و سلوک: ابتداء تو مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت ہونے کا ارادہ تھا مگر جب مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو وہاں حاجی امداد اللہ سے بیعت ہوئے اور پھر دوبارہ سفر ہوا حجاز مقدس کا تو چھ ماہ حاجی امداد اللہ کی خدمت میں رہے اس کے بعد حاجی امداد اللہ نے خلافت بھی عطا فرما دی اور آپ کے مواعظ، تصانیف وغیرہ سے ہزاروں انسانوں کو فائدہ حاصل ہوا۔

آپ کو امت کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ ایک موقعہ پر فرمایا مسلمانوں کی موجودہ حالت اور اس کے نتائج کا تصور اگر کھانے سے پہلے آجاتا ہے تو بھوک اڑ جاتی ہے اور سونے سے پہلے آجاتا ہے تو نیند اڑ جاتی ہے۔

آپ کے متوسلین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے ان میں سے آپ نے ۱۲۹ کو خلافت مرحمت فرمائی۔

تصانیف: آپ کی تقریباً ایک ہزار کتابیں مختلف عنوانات پر تحریر فرمائیں۔

وفات: حضرت اشرف علی تھانویؒ مرض ضعف و اسہال میں دس ماہ تک مبتلا رہے۔ ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ، ۱۹ اور ۲۰ جولائی کی شب ۱۰ بجے مغرب کے بعد وصال فرمایا۔ اس وقت حضرت کی عمر ۸۲ سال ۳ ماہ ۱۰ دن کی تھی۔ جنازے کی نماز مولانا ظفر احمد عثمانی نے پڑھائی اور تھانہ بھون میں ہی مدفون ہوئے۔

جو بحث فرمائی ہے حضرت مفتی صاحب نے وہ جگہ نکال کر مولانا یوسف بنوری کو دکھائی
تو حضرت مولانا یوسف بنوریؒ نے ایک مرتبہ پوری بحث پڑھ لی۔ پھر جب دوبارہ
مطالعہ شروع کیا تو فرمانے لگے کہ عجیب بات ہے کیا اچھی بات لکھی ہے کیسی اچھی
تحقیق کی ہے۔

اس بحث کی بناء پر تو آپ لوگوں کا جواب صحیح ہے مگر دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم
کراچی والوں کا جواب غلط ہو جاتا ہے یہ بھی عجیب لوگ ہیں اتنی واضح بحث کے
ہوتے ہوئے بھی ان لوگوں نے کیسے مفتی عبدالباقی کو لکھ دیا ہے کہ وہاں پر موجودہ
حالات میں سود لینا جائز ہے مجھے ان پر جتنا زیادہ اعتماد تھا اتنا آپ لوگوں پر اعتماد نہیں
تھا۔ اس واقعہ کے بعد سے مزید حضرت مولانا بنوریؒ صاحب مفتی ولی حسن صاحب
سے مزید متاثر ہوئے اور حضرت مولانا نے مفتی صاحب کو ارشاد فرمایا کہ آپ کو مجھ
سے جو تکلیف پہنچی ہے وہ آپ مجھے معاف کر دیں۔

مولانا یوسف بنوریؒ حضرت مفتی صاحب کی فقاہت سے اتنے متاثر تھے کہ
فرماتے تھے "ہمارے مفتی صاحب فقیہ العصر ہیں۔"

تاریخی فتویٰ اور حق کا واشگاف اعلان:

غیر کے سامنے جھک جائے یہ سر ناممکن
اس نے اے جان جہاں آپ کا در دیکھا ہے

آپ نے اپنی زندگی میں بہت اہم فتاویٰ تحریر فرمائے یہاں پر صرف ایک
تاریخی فتویٰ لکھا جاتا ہے جس فتویٰ کی وجہ سے آپ کی دینی حمیت و جرأت اور
بہادری معلوم ہوتی ہے۔ اور اسی فتویٰ کے بعد عوام اور خواص میں آپ مفتی اعظم
پاکستان کے نام سے مشہور ہوئے۔

سنہ ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء کو جناب صدر ضیاء الحق مرحوم کے دور میں اخبارات
میں شرعی کورٹ پاکستان کی جانب سے ایک "فتویٰ" شائع ہوا اور اس کے عملی نفاذ کا
حکم شرعی عدالت کی جانب سے جاری ہوا۔ جناب صدر صاحب کا شاید یہ پہلا تجربہ تھا
کہ عدالت کے انگریزی خواں ججوں کے ذریعہ فتویٰ صادر کرایا جائے، پھر اس کی
تنفیذ بھی اسی عدالت کے ذریعہ عمل میں لائی جائے تاکہ فتویٰ کی قانونی حیثیت زیادہ
مؤثر ثابت ہو۔ سوال اور اصل فتویٰ کے الفاظ تو آج تک ہماری نظر سے نہ گزرے
البتہ اخبارات میں جو اس کا خلاصہ شائع کیا گیا وہ یہاں پر ذکر کرتا ہوں۔

حکومت کے جاری کردہ فتویٰ کا خلاصہ:

جو مساجد سرکاری اراضی پر حکومت کی اجازت کے بغیر بنائی گئی ہیں وہ شرعاً
مساجد نہیں ہیں ان میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملتا اور حکومت نے شرعی فتویٰ
کے تحت ایسی مساجد کو مسمار کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اس کے لئے حکم نامہ جاری کر دیا
ہے۔ شریعت کورٹ کے جن جج صاحبان کے دستخطوں سے فتویٰ کی بنیاد پر حکم نامہ

جاری ہوا ہے ان کے نام یہ ہیں:

ا۔ جسٹس آفتاب حسین صاحب، ۲۔ جناب جسٹس ظہور الحق صاحب ۳۔ جسٹس علی حسین صاحب ۴۔ جسٹس چودھری محمد صدیق صاحب، ۵۔ جسٹس ملک غلام علی صاحب۔

اسلامی مساجد کے بارے میں اخبارات میں اتنے بڑے اور سخت حکمنامہ کا اجراء اور پھر وہ بھی حکومت کی مکمل تائید وحمایت سے اعلیٰ عدالت کی جانب سے ہونا معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس فتویٰ کی زد میں کراچی کی نصف مساجد نہیں تو ایک تہائی مساجد یقیناً آجاتی ہیں اس لئے ملک بھر کے عوام خصوصاً کراچی والوں کو بڑی تشویش لاحق ہوئی کیونکہ بیس بیس سال بلکہ بعض مساجد میں تو تیس سال سے نمازیں پڑھائی جارہی تھیں اور لوگوں نے اپنی علاقائی ضرورت کے تحت یہ مساجد بنائی تھیں، کسی کی ذاتی ملکیت میں نہیں بلکہ سرکاری افتادہ (بے آباد) زمین پر بنائی تھیں، جو کام درحقیقت حکومت کو کرنا چاہیے تھا عوام نے اپنے خرچ سے کیا تھا اور عرصہ دراز سے ایسی مساجد میں باجماعت نماز ہورہی تھی جمعہ وعیدین کی نمازیں اور اعتکاف بھی ہورہا تھا۔ ان میں بعض مساجد حکومت کی طرف سے ٹرسٹ شدہ بھی تھیں۔ حکومت نے ان میں بجلی پانی کا انتظام بھی کیا تھا۔ ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے مساجد کو مسمار کرنے کے حکمنامہ کی وجہ سے عوام میں تشویش ہونا بجا تھا لہٰذا لوگوں نے مختلف دینی اداروں سے رجوع کیا۔ استفتاء لکھے، اس نوع کا ایک سوالنامہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء میں آیا، دوسرے اداروں سے بھی یقیناً فتوے کے جواب آئے ہوں گے لیکن حکومت کی جانب سے ان کو شاید خاص اہمیت نہیں دی گئی تھی۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء کی جانب سے سوالنامہ کا جواب

حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ نے خود لکھا تھا اور ایسے موقع پر حکومت کے خلاف فتویٰ دینا کلمۃ حقٍّ عِندَ سُلطانٍ جائرٍ کا مصداق تھا۔ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب نے بحیثیت صدر دارالافتاء اس سرکاری فتویٰ کے رد کو مفصل اور مدلل طریقہ سے لکھا، یہ فتویٰ ماہنامہ بینات میں اشاعت کے لئے دیا گیا۔ بعد میں اخبار جنگ نے بھی اپنے صفحات میں اسے شائع کیا۔ اس سلسلے میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء میں جو سوالنامہ آیا اور اس کا جواب دیا گیا یہاں پر صرف خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

سوال:

بعض اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ جو مساجد سرکاری اراضی پر حکومت کی اجازت کے بغیر بنائی گئیں ہیں وہ شرعی مساجد نہیں ہیں؟ حکومت نے ایسی مساجد کو مسمار کرنے کا حکم جاری کردیا ہے۔ اور اس حکم کی زد میں بہت سی ایسی مساجد بھی آئیں گی جو مسلمانوں نے اپنی علاقائی ضرورت کی بناء پر بنائی تھیں اور ایک طویل عرصے سے ان میں نماز پڑھتے آرہے ہیں کیا ایسی مساجد کو شہید کرنا جائز ہے۔ اگر جائز نہیں تو مسلمانوں کو کیا اقدام کرنا چاہیے؟

(سائل نور حسین مکان نمبر ۱۴۹ گلی نمبر ۲ لیاقت اشرف کالونی)

حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ کا جواب نو صفحات پر مشتمل تھا پھر پاکستان بھر کے جید علماء کرام کے دستخطوں کے ساتھ اب یہ متفقہ فتویٰ ۳۲ صفحات پر محیط ہوگیا۔

جواب کا خلاصہ:

(الف) مساجد شعائر اللہ میں سے ہیں۔ قرآن وحدیث کی نصوص میں مساجد کی

فضیلت اور اس کے شرف وفضل کو اہتمام سے بیان کیا گیا ہے۔

(ب) دین اسلام میں مساجد کی اہمیت کے پیش نظر شریعت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیہ) نے اسلامی حکومت کا اولین فریضہ رکھا ہے کہ وہ اسلامی حکومت کے زیر اثر شہروں اور آبادیوں میں مساجد تعمیر کرے اور بیت المال کی خاص مد سے اس کے مصارف برداشت کرے۔

اگر مسلمانوں کی کوئی حکومت یا اس کا سربراہ اس میں کوتاہی کرے تو عامۃ المسلمین کی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی دینی تعلیم اور عبادت کے لئے ضرورت کے مطابق مدارس ومساجد تعمیر کریں۔

(ج) تعمیر مسجد کے بعد حکومت کی جانب سے ٹرسٹ ہو جانا، بجلی پانی کی منظوری دینا، نقشہ جات کا پاس کرنا بھی شرعاً حکومت کی جانب سے اجازت متصور ہوتی ہے۔

(د) بعض مساجد میں برسہا برس سے پنج وقتہ نمازیں، جمعہ، عیدین کی نماز ہوتی رہی ہیں۔ حکومت نے باوجود علم ہونے کے کوئی اعتراض نہیں کیا تو یہ بھی ایک نوع کی اجازت ہے۔

(ہ) ایسی تمام مساجد شرعی مساجد ہیں مذکورہ طریق سے مساجد ایک دفعہ بن جانے کے بعد ان کو ختم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ عمارت کو مسمار کرنے کے بعد بھی وہ جگہیں شرعی طور پر مساجد کے حکم میں ہو جاتی ہیں ان پر ہمیشہ مساجد کے احکام لاگو رہیں گے۔

(و) فقہاء کرام نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ مسلمانوں کو اگر کسی جگہ مسجد کی ضرورت ہو اور حکومت کے ذریعہ یا مالک زمین مسجد کے لئے جگہ نہ دیتا ہو تو زبردستی اس پر مسجد تعمیر کی جاسکتی ہے۔ البتہ عامۃ المسلمین یا کمیٹی کے لئے ضروری ہے کہ

حکومت یا مالک کو اس وقت کے اعتبار سے قیمت ادا کردے مگر پھر بھی بلا اجازت تعمیر شدہ مسجد شرعی مسجد کے حکم میں ہوتی ہے۔ (شامی)

(ز) استفتاء میں جن مساجد کا ذکر ہے یہ سب شرعی مساجد ہیں ان کو اب نہ بند کیا جاسکتا ہے نہ انہیں دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے بلکہ تاقیامت یہ مساجد ہی رہیں گی ان میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب ملے گا جو اس کے خلاف کہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

(ح) جس جج صاحب کی طرف منسوب کر کے حکم نامہ جاری کیا گیا ہے۔ اس سے قبل انہوں نے رجم جیسے حکم شرعی کا انکار کیا تھا لہٰذا وہ اس کا اہل ہی نہیں کہ اس کو اس اعلیٰ منصب پر فائز کیا جائے شاید اسلام مخالف لابی نے اپنا انداز بدل کر اسلام کے خلاف اب عدالتوں کے ذریعہ کام شروع کردیا ہے۔ عوام وخواص کو چاہیے کہ ایسی مساجد کو جب اہل کار گرانے آئیں تو ان کو گرانے نہ دیا جائے بلکہ مساجد کی حفاظت کریں۔

بہرحال تعمیر مسجد اور انہدام کے بارے میں شرعی حکم پر مبنی یہ فتویٰ جب اخبارات میں شائع ہوا تو حکومت وقت نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی رحمہ اللہ علیہ اور جو اس فتویٰ کی اشاعت میں معاون بنے سب کے نام توہین عدالت کا مقدمہ دائر کردیا اور ۹۔ اپریل ۱۹۸۳ء کو سندھ ہائی کورٹ کراچی میں پیشی اور جواب دعویٰ کے لئے سمن جاری کیا گیا۔ اجراء سمن سے علماء کرام اور مسلمان عوام وخواص میں ایک بے چینی سی پیدا ہوگئی کہ حکومت وقت کی نیت درست نہیں، اسلامی ہونے کی دعویدار حکومت کے لئے یہ کب روا ہے کہ وہ شرعی مفتی کے خلاف توہین عدالت کا مقدمہ قائم کرے؟ اس سے قبل تاریخ میں بے شمار واقعات ہیں کہ علماء دین نے حکومت وقت اور ان کے نمائندہ ججوں اور قاضیوں پر تنقید کی ہے مگر

ان کے خلاف کبھی توہین عدالت کا مقدمہ قائم نہیں کیا گیا۔ بہر حال توہین عدالت کے مقدمے کے واسطے سمن جاری کرنے کے بعد حضرت مفتی ولی حسن صاحب اور حضرت مولانا ادریس میرٹھی صاحب رحمہما اللہ علیہ نے جواب دعویٰ کے لئے مواد فراہم کرنے کے لئے مفتی عبدالسلام چاٹگامی نائب رئیس دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کو حکم دیا۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور اساتذہ کرام کی دعاؤں کی برکت سے پانچ روز کی محنت سے جواب دعویٰ کا مضمون مع دلائل تیار کر لیا جو دونوں حضرات نے ایک نظر دیکھ بھی لیا اور بہت خوش ہوئے۔

۹ راپریل ۱۹۸۴ء کو کراچی کی عدالت میں پیشی ہوئی، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے اساتذہ وطلباء کے علاوہ کراچی کے دوسرے مدارس کے طلباء اور عام لوگوں میں دیندار طبقے کا ایک بڑا جم غفیر تھا۔ عدالت کے کمرے بلکہ پورا احاطہ علماء اور طلباء سے بھرا ہوا تھا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا ادریس میرٹھی صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے مقدمہ میں معاونت کے لئے سپریم کورٹ کے وکیل جناب ایڈوکیٹ اقبال صاحب اور ایڈوکیٹ خواجہ شرف الدین صاحب بھی موجود تھے۔ شریعت کورٹ کے پانچ جج صاحبان آئے ہوئے تھے۔ عدالت کی کارروائی شروع ہوئی، جناب چیف جسٹس آفتاب صاحب نے حضرت مفتی صاحب کو مخاطب کر کے کہا آپ کا وکیل کون ہے؟ حضرت نے فرمایا بیان میں خود دوں گا، میرے معاون جناب اقبال صاحب ہوں گے۔ اس کے بعد جناب چیف جسٹس صاحب نے کہا کہ حکومت کی جانب سے تعمیر مساجد اوران کے انہدام کے بارے میں فتویٰ پر آپ نے تنقید کی جب کہ حکومت کی جانب سے جاری کردہ فتویٰ کی بنیاد مفتی اعظم پاکستان

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے جو فتاویٰ دارالعلوم میں مذکور ہے۔ بہر حال آپ مفتی ہونے کی حیثیت سے فتویٰ پر تنقید کر سکتے ہیں مگر عدالت کے ججوں پر ذاتی حملے نہیں کر سکتے، آپ نے ذاتی حملے کئے ہیں اس کا جواب دیں۔

حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ نے اپنے عام سادہ لباس میں کھڑے ہو کر خطبہ مسنونہ کے بعد حضرت تمیم داریؓ کی روایت ''الدِّینُ النَّصِیْحَۃ'' کو پڑھا اور اس کی تشریح کرنی شروع کر دی۔ جناب چیف جسٹس نے غصے کے لہجے میں کہا آپ کا وعظ سننے کے لئے ہم یہاں نہیں بیٹھے ہیں، بلکہ توہین عدالت کی بناء پر جو مقدمہ آپ کے خلاف قائم کیا گیا ہے اس کا جواب دیں۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا اس کا جواب تو دے رہا ہوں اگر میرا بیان سننا چاہتے ہیں تو سنیں، فتویٰ سے میرا مقصد کسی کی توہین نہ تھا نہ جج صاحبان پر تنقید مقصود تھی۔ اگر آپ اس کو مانتے ہیں تو اچھا ہے ورنہ میں اپنے فتویٰ پر اور تنقید پر قائم ہوں اگر آپ مجھ سے معافی منگوانا چاہتے ہیں تو سنئے میرا تعلق علماء دیوبند سے ہے، علماء دیوبند نے آج تک کبھی بھی انگریزی طرز کی عدالت سے معافی نہیں مانگی ہے آپ جو چاہیں کریں۔ یہ سننا تھا کہ کمرہ عدالت بلکہ پورے احاطہ میں نعرہ تکبیر اللہ اکبر، مفتی اعظم زندہ باد، مفتی ولی حسن زندہ باد، علماء دیوبند زندہ باد کے نعرے شروع ہو گئے۔ تقریباً دس پندرہ منٹ تک چاروں طرف نعرے ہی گونجتے رہے۔ جج صاحبان اس منظر کو دیکھتے ہوئے اٹھ کر اپنے خاص کمرہ میں تشریف لے گئے۔ نعرے ختم ہونے کے پانچ دس منٹ کے بعد دوبارہ اپنی نشستوں پر آکر بیٹھے اور مفتی صاحب سے مخاطب ہو کر کہا آپ یہ کرائے کے لوگ لائے ہیں اس پر تو دوسرا مقدمہ قائم ہو سکتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا میں

نے نہ کسی کو بلایا ہے نہ کسی کو آنے کو کہا ہے۔ آپ نے جو کچھ کہا ہے اس پر آپ ثبوت پیش نہیں کر سکتے یہ محض مجھ پر الزام ہے۔ عدالت کا وقت ختم ہو گیا چیف جسٹس صاحب نے اعلان کیا کہ آئندہ عدالت کی کارروائی ۲۵؍اپریل ۱۹۸۲ء کو اسلام آباد میں ہوگی وہاں پر پیش ہو کر جواب دیجئے گا۔

۲۵؍اپریل کو جب دوبارہ پیشی کا وقت آیا تو اس وقت پاکستان کے مختلف علاقوں سے بھی علماء وطلباء اور بہت سے دیندار مسلمان عدالت میں پہنچنے والے تھے، حکومت وقت نے اس کو محسوس کیا۔ دو روز قبل اسلام آباد کے چاروں طرف سے ناکہ بندی کر دی گئی، فوج متعین کر دی گئی تا کہ باہر سے کوئی داڑھی والا شخص اسلام آباد کی حدود میں داخل نہ ہو سکے مگر سخت چیکنگ اور پہرے کے باوجود بہت سے لوگ عدالت کے باہر ایک درخت کے نیچے جمع ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ کمرہ عدالت میں گنجائش بہت کم تھی، عدالت کی کارروائی سننے والوں میں مجلس شوریٰ کے رکن مولانا سمیع الحق صاحب، قاری امین الحق صاحب راولپنڈی والے، سواد اعظم پاکستان کے ناظم اعلیٰ مولانا اسفندیار صاحب، جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم مولانا مفتی احمد الرحمان صاحب رحمہ اللہ، مدیر بینات مولانا ادریس میرٹھی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی رحمہ اللہ ان کے ہمراہ معاون کی حیثیت سے ایڈووکیٹ شرف الدین صاحب وغیرہ تھے مقدمہ میں جواب دعویٰ کے لئے تیار کئے گئے مضمون کی پانچ کاپیاں بنائی گئی تھیں تا کہ پانچوں جج صاحبان کو الگ الگ دیا جا سکے۔ عدالت کی کارروائی شروع ہوگئی مگر عدالت کا رویہ آج سخت ہونے کے بجائے نرم رہا۔ چیف جسٹس صاحب نے پرانے فتویٰ کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی صاحب اور خواجہ

شرف الدین صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ حکومت نے جو فتویٰ شائع کیا ہے اس کی بنیاد مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا فتویٰ ہے۔ جناب صدر ضیاء الحق صاحب نے استفتاء کیا اور جسٹس پیر کرم الٰہی صاحب نے جواب لکھا ہے اور دیگر جج صاحبان نے اس سے اتفاق کیا ہے۔ اگر مفتی ولی حسن صاحب پہلے سے ان باتوں کی تحقیق کر لیتے تو اس قسم کی صورت حال پیش نہ آتی۔ مزید یہ کہ جناب مفتی صاحب، صاحب علم ہیں انھوں نے بعض ججوں کے رجم کے فیصلے پر تنقید کی تھی مگر یہ فیصلہ کالعدم قرار دیا گیا ہے اور اب اس کے تذکرے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

چیف جسٹس صاحب کے وضاحتی بیان کے بعد ایڈووکیٹ شرف الدین صاحب نے کہا کہ میرے موکل مفتی ولی حسن صاحب کا مضمون اصلی مسئلہ کی صورت حال کی وضاحت تھی پھر اس میں ججوں کے خلاف جو بات آ گئی وہ بغرض تنقید ہے، توہین کی نیت نہیں تھی۔ اس پر چیف جسٹس نے کہا کہ علماء کا دینی فریضہ ہے کہ وہ غلطیوں کی اصلاح کریں اور اس سلسلے میں علماء کرام کو کسی بھی غلط بات پر تنقید کرنے کا حق تو ہے مگر کسی پر ذاتی حملہ اور توہین کا حق قطعاً نہیں ہے۔ اس پر حضرت مفتی ولی حسن صاحب نے فرمایا میرے مضمون سے میرا مقصد تعمیر مساجد کے سلسلے میں حکومت کی جانب سے جو فتویٰ بدون کسی حوالے کے شائع ہوا ہے اس پر تنقید کرنا ہے ججوں کا ذکر ضمنی طور پر بغرض تنقید آیا ہے اس سے میرا مقصد توہین ہرگز نہیں ہے۔ کیا میری کسی کے ساتھ دشمنی ہے؟ میں ان کی اکثریت کو ذاتی طور پر جانتا بھی نہ تھا میری کسی سے ذاتی عداوت تھوڑا ہی تھی؟

اس پر چیف جسٹس صاحب نے کہا جو مضمون آپ نے زبانی اختیار کیا ہے اس کو

مختصر الفاظ میں تحریر میں لے آئیں کیونکہ جواب دعویٰ کا تیار شدہ مضمون لمبا ہے اس کو پڑھنے کا وقت نہیں مسئلہ کو آج ہی نمٹانا ہے۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے ایک صفحہ کا مضمون حدیث شریف کے حوالہ اور نظائر کے ساتھ لکھ دیا کہ علماء تنقید کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد عدالت نے مفتی صاحب پر سے توہین عدالت کا مقدمہ خارج کر دیا اور آپ کو باعزت بری قرار دیدیا گیا۔ چونکہ مقدمہ میں اصل آپ ہیں اس لئے آپ کے بری ہونے کے بعد دوسرے حضرات خود بری ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا حضرت مولانا ادریس میرٹھی صاحب اور دوسرے متعلقین بھی بری ہو گئے۔ البتہ مالک جنگ اخبار میر خلیل الرحمان صاحب کی جانب سے اس سے قبل معافی نامہ داخل کیا گیا تھا اور حاجی ذکی صاحب کسی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے تھے۔ اس کارروائی کے بعد جج صاحبان کی طرف سے مفتی صاحب اور آپ کے رفقاء کو چائے کی دعوت دی گئی لیکن حضرت مفتی ولی حسن صاحب اور ان کے رفقاء نے معذرت کر لی۔

اس کے بعد پنڈی میں دو تین مدارس میں مفتی صاحب نے خطاب کیا پھر وہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز شام کو کراچی پہنچے۔ کراچی ائرپورٹ پر اکثر مدارس کے اساتذہ وطلباء کے ساتھ دیندار مسلمانوں کی بڑی تعداد نے آپ کا شاندار استقبال کیا۔

ائرپورٹ کی فضا نعرہ تکبیر اللہ اکبر مفتی اعظم زندہ باد، علماء دیوبند زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔ ائرپورٹ کے باہر کا علاقہ استقبال کرنے والوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ائرپورٹ سے پورے چھ گھنٹے میں آپ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن پہنچے، راستے میں، احباب کے اصرار پر جامعہ فاروقیہ تشریف لے گئے۔ وہاں تھوڑی دیر آپ نے مقدمہ کا مختصر احوال سنایا اور تقریر فرمائی اس کے بعد وہاں

سے بنوری ٹاؤن پہنچے۔

اس مقبولیت عامہ کے بعد آپ کا لقب مفتی اعظم ہو گیا اور مفتی اعظم پاکستان کے نام سے مشہور ہوئے ورنہ کسی ادارہ نے باقاعدہ آپ کو مفتی اعظم نہیں بنایا تھا نہ ہی ایسا کوئی ادارہ پاکستان میں ہے اور حکومت کی جانب سے بھی کوئی ایسا عہدہ نہیں ہے نہ دینی جماعتوں اور شخصیات کی جانب سے کوئی ایسا قانون یا اصول ہے کہ خاص شرائط کے ساتھ کسی کو مفتی اعظم قرار دیا جائے بلکہ یہ بات تو لوگوں کی زبان پر آ گئی تھی ''آواز خلق کو نقارہ خدا سمجھو'' قدرت کی جانب سے آپ کی شہرت چہار سو سے عالم میں پھیل گئی۔ اس کے بعد اہل علم وعلماء بھی مفتی اعظم پکارنے اور لکھنے لگے۔ جنگ اخبار میں شائع ہونے والی رپورٹ ملاحظہ فرمائیے:

وفاقی شرعی عدالت نے مفتی ولی حسن، مولانا ادریس میرٹھی اور روزنامہ جنگ کے خلاف توہین عدالت کا مقدمہ خارج کر دیا

اسلام آباد ۲۵۔ اپریل (نمائندہ جنگ) وفاقی شرعی عدالت نے آج ممتاز عالم دین مفتی ولی حسن، ماہنامہ ''بینات'' کے ایڈیٹر مولانا محمد ادریس، روزنامہ جنگ کے ایڈیٹر انچیف میر خلیل الرحمان، پرنٹرز پبلشر میر جاوید الرحمٰن اور جنگ کے صفحہ اقراء کے انچارج جناب محمد جمیل کے خلاف توہین عدالت کا مقدمہ خارج کر دیا جب کہ ماہنامہ ''بینات'' کے پرنٹر حاجی محمد ذکی کے خلاف آئندہ کسی تاریخ کو مقدمہ کی سماعت ہوگی کیونکہ وہ آج بوجوہ علالت عدالت میں حاضر نہیں تھے۔ جنگ کے ایڈیٹر انچیف، پرنٹر و پبلشر اور جناب محمد جمیل نے عدالت کو تحریری معافی نامہ پیش کیا جب کہ مفتی ولی

حسن اور مولانا محمد ادریس میرٹھی نے بھی عدالت میں تحریری بیانات داخل کئے ۔ وفاقی
شریعت عدالت جناب جسٹس آفتاب حسین، جناب جسٹس علی حسین قزلباش، جناب
جسٹس ظہور الحق، جناب جسٹس چوہدری محمد صدیق اور جناب جسٹس مولانا ملک غلام
علی پر مشتمل تھی ۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مساجد کی تعمیر کے سلسلے میں مفتی ولی حسن کا
مضمون ۱۱؍مارچ روزنامہ جنگ میں شائع ہوا تھا جس کا عدالت نے نوٹس لے کر مفتی
ولی حسن اور جنگ کے ایڈیٹر انچیف، پرنٹر و پبلشر کو توہین عدالت کے نوٹس جاری کئے
تھے ۔ ۹؍اپریل کو اس مقدمہ کی کراچی میں پہلی پیشی تھی ۔ اس روز جنگ کے ایڈیٹر
انچیف میر خلیل الرحمان نے عدالت میں پیش ہو کر بتایا تھا کہ زیر بحث مضمون ماہنامہ
''بینات'' کراچی سے نقل کیا گیا تھا۔ جنگ پہلے ہی اس سلسلے میں معذرت شائع کر
چکا ہے۔ اس روز عدالت نے ''بینات'' کے ایڈیٹر مولانا محمد ادریس، پرنٹر حاجی محمد ذکی
اور جنگ کے صفحہ اقراء کے انچارج محمد جمیل کو بھی نوٹس جاری کرنے کی ہدایت کی تھی ۔
میر جاوید الرحمان اس وقت ملک سے غیر حاضری کی بناء پر عدالت میں پیش نہ ہو
سکے۔ مفتی ولی حسن کے وکیل نے عدالت سے استدعا کی تھی کہ انہیں کیس کی تیاری
کے لئے وقت دیا جائے اس پر عدالت نے آج کی تاریخ مقرر کی تھی ۔ آج عدالت
نے توہین عدالت کے نوٹس خارج کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ مفتی ولی حسن کے تحریری
بیان اور زبانی وضاحت کو قبول کر لیا جائے ۔ فاضل عدالت نے مولانا محمد ادریس کے
وکیل کو بھی موقع دیا کہ وہ اگر چاہیں تو اپنا تحریری بیان واپس لے کر مفتی ولی حسن
صاحب کے تحریری بیان اور زبانی موقف کو اپنا لیں ۔ اس پر مولانا محمد ادریس کے وکیل
نے عدالت کو بتایا کہ وہ اپنے موکل مولانا محمد ادریس کی ہدایت کے مطابق ان کا تحریری

کردہ بیان واپس لیتے ہیں اور مفتی ولی حسن صاحب کے بیان سے اتفاق کرتے
ہیں ۔ عدالت نے مولانا محمد ادریس کو تحریری بیان واپس لینے کی اجازت دے دی ۔
فاضل عدالت نے جنگ کے ایڈیٹر انچیف اور پرنٹر و پبلشر اور صفحہ اقراء کے انچارج کا
معافی نامہ بھی منظور کر لیا ۔ چونکہ ماہنامہ ''بینات'' کراچی کے پرنٹر حاجی محمد ذکی نے
علالت کی بناء پر آج کی پیشی سے معذرت کی تھی اس لئے عدالت نے انہیں علیحدہ کسی
دوسری تاریخ پر حاضر ہونے کا حکم صادر کیا ۔ اس سے قبل وکیل صفائی خواجہ شرف
الاسلام نے توہین عدالت کا معاملہ شریعت عدالت سے مربوط نہ ہونے کے بارے
میں نکتہ پیش کرنے کی کوشش کی تو فاضل چیف جسٹس آفتاب حسین نے کہا کہ اس وقت
ایسی کوئی درخواست عدالت کے روبرو پیش نہیں ہے اس کے لئے علیحدہ سے
درخواست دی جا سکتی ہے ۔ اس کے بعد وکیل صفائی نے اپنے موکلوں سے مشورے
کے لئے عدالت سے استدعا کی کہ پانچ منٹ کا وقفہ کیا جائے ۔ عدالت نے اس
استدعا کو منظور کرتے ہوئے وقفہ کر دیا ۔ وقفہ کے بعد مفتی ولی حسن نے وفاقی شریعت
عدالت کو زبانی بتایا کہ انہوں نے اپنے فتوے میں جو کلمات تحریر کئے ہیں وہ بدنیتی پر مبنی
نہیں تھے اور نہ ہی کسی کی توہین مقصود تھی ۔

مفتی ولی حسن کا تحریری بیان:

مفتی ولی حسن نے درج ذیل تحریری بیان وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد میں داخل
کیا ۔ مساجد سے متعلق میرا جو فتویٰ رسالہ ''بینات'' بابت ماہ مارچ ۱۹۸۳ء میں شائع
ہوا ہے وہ میری بصیرت اور علم کی حد تک صحیح ہے اور میں اب بھی اس پر قائم ہوں، اس
فتویٰ پر ملک بھر کے علماء اور مفتیان کرام کے دستخط موجود ہیں جنھوں نے فتویٰ کے

دلائل اور اس کے پورے الفاظ کی توثیق وتصدیق کی ہے۔ فتویٰ میں عدالت عالیہ نے
جن الفاظ کو قابل اعتراض قرار دیا ہے اس سے میرا مقصد عدالت یا کسی شخص کی توہین
قطعاً نہیں تھا۔ نیت کا اعتبار اسلامی قانون اور جدید قانون دونوں میں مساوی ہے
وفاقی شریعت عدالت کے ساتھ توہین عدالت کا قانون غیر مربوط ہے۔ اسلام کے
زریں اور شاداب دور میں قضاۃ اور ولاۃ اور امراء کو سخت سست کہا گیا لیکن ان کو کوئی
نہیں دی گئی۔ اس قسم کے محاسبہ کی مثالیں عبدالعزیز البدری کی کتاب ''..........
اسی طرح ''اخبار القضاۃ'' وغیرہ میں ہیں ایک مثال قاضی معاذ بن معاذ کی ملتی ہے
رسول اکرم ﷺ نے جب ایک فیصلہ بطور حکم فرمایا تو آپ ﷺ سے کہا گیا کہ مدعی
آپ ﷺ سے رشتہ داری ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا چہرہ بدل گیا البتہ کہنے والے کو کوئی
سزا نہیں دی۔ (اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے صحیح بخاری کتاب الشہادت ج ا ص
۳۷۱۔) اور اپنے اس موقف کو ۹ راپریل کو میں زبانی پیش کر چکا ہوں۔

انتظامات:

آج کسی ناخوشگوار واقعہ کی روک تھام کے لئے صبح سے اسلام آباد کے مختلف
راستوں پر پولیس کی کافی تعداد موجود تھی وفاقی شرعی عدالت کی کارروائی سننے کے لئے
رجسٹرار نے مختلف افراد کو خصوصی پاس جاری کئے تھے۔ متعدد علماء کرام عدالت عالیہ
عمارت کے باہر بیٹھے ہوئے فیصلے کا انتظار کرتے رہے۔ جب فیصلہ سنایا گیا اور مفتی
ولی حسنؒ اور مولانا محمد ادریسؒ مدیر ''بینات'' عدالت عالیہ کے احاطے سے باہر آئے
باہر بیٹھے ہوئے علماء کرام نے انہیں گھیر لیا اور تمام علماء جلوس کی شکل میں راولپنڈی
روانہ ہوگئے۔ مقدمہ کی کارروائی سننے کے لئے جو علماء کرام عدالت میں موجود تھے

میں مولانا اسفندیار خان، مفتی احمد الرحمان، قاری محمد یوسف، قاری محمد امین، دار العلوم
تعلیم القرآن کے قاضی احسان الحق، مجلس شوریٰ کے رکن مولانا سمیع الحق اور مولانا
چراغ الدین شاہ شامل تھے۔ مفتی ولی حسن اور مولانا محمد ادریس کی طرف سے خواجہ
شرف الاسلام ایڈووکیٹ نے پیروی کی۔ جمعیت علمائے اسلام کے مرکزی نائب امیر
اور سرحد کے عالم دین مولانا محمد ایوب جان بنوری جب وفاقی شرعی عدالت میں مفتی
اعظم پاکستان مفتی ولی حسن کی پیشی کے سلسلے میں اسلام آباد پہنچے تو انہیں عدالت عالیہ
تک جانے سے روک دیا گیا اور حافظ محمد زمرد خان، ناظم اعلیٰ مدرسہ خدام الدین اٹک
کو ٹیکسلا میں روک لیا گیا۔ مولانا ایوب بنوری نے ایک بیان میں وفاقی شریعت
عدالت کی کارروائی دیکھنے کے لئے آنے والے لوگوں کو ضلعی انتظامیہ کی طرف سے
رکوانے پر افسوس کا اظہار کیا۔

مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کا قیام اور اس کی رکنیت:

اس میں ایسے علماء کو رکھا گیا تھا جن کے علم، تقویٰ، فہم، بصیرت پر امت کو
اعتماد ہو۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ جو جدید مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کی
تحقیق کے لئے کبار علماء کی ایک جماعت قائم کی جائے تاکہ نو وارد مسائل کی
تحقیق کرے اس مجلس میں جہاں پر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ و حضرت
مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب حضرت مولانا مفتی محمودؒ(۱) صاحب حضرت مولانا

---

(۱) قائد ملت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات
نام: محمود۔ لقب: قائد ملت۔
ولادت باسعادت: ۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ بمطابق ۱۹۱۹ء میں ولادت ہوئی۔

حاشیہ:

تعلیم: ابتدائی تعلیم مقامی علماء سے حاصل کی اور پھر تکمیل کے لئے مدرسہ شاہی مراد آباد جو اس دور میں بڑا مشہور مدرسہ تھا جس میں بڑے بڑے علماء محدثین تھے وہاں تشریف لے گئے۔

تدریس: آپ نے ابتداء تدریس مدرسہ معین الاسلام عیسیٰ خیل ضلع میانوالی میں شروع کی اور پھر لاخیل میں تدریس کی۔ اس تدریس میں چار چاند اس وقت لگا جب آپ ۱۹۵۰ء میں مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں شیخ الحدیث بنے اور بخاری کا درس بڑے شان کے ساتھ دیا۔

بیعت و سلوک: آپ نے بیعت کا سلسلہ سید عبدالعزیزؒ کے ساتھ قائم کیا۔ بہت ہی جلدی آپ نے سلاسل اربعہ میں مجاز ہو گئے۔

سیاست میں حصہ: مراد آباد کے پڑھائی کے زمانے میں ہی آپ نے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ اور پھر ۱۹۳۶ء کے انتخابات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کی وجہ سے چھ ماہ محبوس کر دیا گیا۔ پھر ۱۹۳۶ء میں جب علماء کونشن کا اجلاس ہوا جس کی صدارت وقت کے قطب حضرت احمد علی لاہوری نے فرمائی تو جمعیت علماء اسلام کی نظامت کی ذمہ داری آپ کو دی گئی۔ اور پھر آپ کو نائب امیر بنا دیا گیا۔

۱۹۶۲ء کے انتخابات میں حصہ لیا اور عظیم الشان کامیابی حاصل کی۔

اسمبلی میں پہنچ کر ہمیشہ حق کی آواز بلند کرتے رہے۔

۱۹۷۲ء میں آپ وزیر اعلیٰ سرحد بنے آپ نے اپنے دور وزارت میں قرون اولیٰ کی یاد تازہ کر دی۔ وزیر اعلیٰ بنتے ساتھ ہی آپ نے پورے صوبے میں شراب پر مکمل پابندی عائد کر دی۔ اسکول اور کالج کی ابتدائی کلاس میں میٹرک کے ساتھ ناظرہ قرآن اور نماز با ترجمہ یاد کرنے کو لازم قرار دے دیا۔ سود، قمار بازی پر پابندی لگا دی۔ وزیر اعلیٰ کی قیام گاہ پر اذان اور نماز ہوتی اور وزیر اعلیٰ خود ہی امامت کرواتے۔

نو ماہ تک آپ اس عہدے پر رہے پھر بعض حالات کی وجہ سے حکومت چھوڑ دی۔

۱۹۷۴ء میں تحریک ختم نبوت کی بے مثال اور کامیاب قیادت کی۔ اور آپ کی ہی قیادت میں یہ عظیم الشان کارنامہ اسمبلی نے سر انجام دیا کہ دستور میں ترمیم کر کے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔

مفتی رشید احمدؒ[1] صاحب تھے تو اس میں حضرت مفتی ولی حسن صاحب بھی اس مجلس

تصانیف: آپ نے اپنی زندگی ایک طرف تو سیاست میں مشغول رکھی دوسری طرف درس تدریس بھی جاری رکھی۔ اس کے باوجود آخری سالوں میں آپ نے ترمذی شریف کی عربی شرح لکھنا شروع کی اور جب آپ ابواب القدر و الایمان تک پہنچے تو پیغام اجل آ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وفات: آپ کی وفات ۱۴؍ اکتوبر ۱۹۸۰ء میں اس طور پر آئی کہ آپ عزم بیت اللہ کے ساتھ کراچی پہنچے اور پھر علماء کی مجلس میں زکوٰۃ کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے جب داعی حق نے ندا دی تو انتظار کئے بغیر لبیک کہہ دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

(۱) مفتی رشید احمد لدھیانوی کے مختصر حالات

نام: رشید احمد۔ لدھیانہ سے تعلق تھا۔ آپ کے والد حضرت اشرف علی تھانوی سے صحبت یافتہ تھے اور بزم اشرف میں صاحب الرؤیات کے نام سے مشہور تھے۔

ولادت باسعادت: ۳ صفر ۱۳۴۱ھ بمطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۲۲ء۔

تعلیم و تربیت: والدہ ماجدہ نے ابتداء قرآن مجید، نماز وغیرہ کی تعلیم دی پھر آپ نے پرائمری اسکول میں چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ پھر عربی تعلیم کے لئے محمود شریف ملتان کے قریب مدرسہ میں فارسی وغیرہ کی کتب پڑھیں۔

پھر ۱۳۵۳ھ میں جہانگیر آباد تحصیل خانیوال میں فارسی کے ساتھ عربی کی تعلیم حاصل کی۔

اس کے بعد گکھڑ ضلع گوجرانوالہ اور پھر جھنگ میں بھی کچھ مدت تک پڑھا اور پھر مدرسہ دارالہدیٰ ٹھیڑھی (سندھ) میں پڑھا۔

۱۳۵۹ھ میں معقولات پڑھنے کے لئے گجرات (پنجاب) تشریف لے گئے ایک سال میں آپ نے تمیس کتابیں پڑھیں۔

۱۳۶۰ھ میں آپ دورہ حدیث کے لئے مشہور زمانہ دینی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور دورہ حدیث وہاں پڑھا۔

حاشیہ:

درس تدریس: دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے تدریس کی ابتداء مدرسہ مدینۃ العلوم ضلع حیدرآباد سندھ سے کی۔

۱۳۶۲ھ آپ کو وہاں پر صدر مدرس بنادیا گیا اور اسی سال آپ نے بخاری اور دوسری بعض کتب احادیث بھی پڑھائیں۔

۱۳۶۲ھ سے ۱۳۶۹ھ تک آپ اس مدرسہ کے شیخ الحدیث ہونے کے ساتھ ساتھ وہاں کے افتاء کا بھی تمام کام سنبھالتے رہے۔

۱۳۷۰ھ میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب کی فرمائش پر آپ بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی تشریف لائے اور پھر ۱۳۷۶ھ سے ۱۳۸۳ھ تک دارالعلوم کورنگی میں شیخ الحدیث رہے۔ اسی دوران دارالافتاء کی ذمہ داری بھی آپ پر رہی۔

فقہ سے مفتی صاحب کو غیر معمولی دلچسپی تھی۔ گویا فقہ آپ کے رگ وپے میں سمویا ہوا تھا اوڑھنا بچھونا آپ کا فقہ ہی بن گیا تھا۔

۱۳۸۳ھ کو آپ نے اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کی خواہش پر دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کی بنیاد رکھی۔ یہاں پر فارغ التحصیل علماء کو تمرین وافتاء کروایا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ جمعہ کے دن خصوصی اور ہر روز عمومی طور پر عصر کے بعد روزانہ آپ کی مسجد میں اصلاحی مجلس ہوتی تھی جس میں کثیر تعداد میں مرد وخواتین فیضیاب ہوتے تھے اور بہت سے لوگوں کی اس مبارک مجلس سے اصلاح ہوئی۔

تصانیف: آپ نے مختلف عنوانات پر تقریباً دو سو رسائل لکھے ان میں سے احسن الفتاوی آپ کے یادگار فتاوی کا مجموعہ ہے۔

اس کے علاوہ ارشاد القاری الی صحیح البخاری، حقیقت شیعہ، فتنہ انکار حدیث، مودودی اور تخریب اسلام، اسلام کا عادلانہ نظام معیشت، تقسیم وراثت کی اہمیت کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

وفات: ۶ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ بمطابق ۱۹ فروری ۲۰۰۲ء کو اس دار فانی سے دار باقی کی طرف رخصت ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کے رکن رکین تھے اور اس کے ہر اجلاس میں حضرت مفتی صاحب اپنے علم وفضل اور تفقہ سے لوگوں کو متاثر کرتے اور جب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب حضرت مولانا یوسف بنوریؒ اور مفتی محمود وغیرہ دنیا سے رخصت ہوگئے اس کے بعد تو اس مجلس کی روح حضرت مفتی صاحب ہی ہوا کرتے تھے۔ ان اکابرین علماء کے رخصت ہو جانے کے بعد ارشاد فرمایا کرتے کہ اب پہلے والی بات نہیں رہی ہے اب اس مجلس میں جانے کا جی نہیں چاہتا اور وہ حضرات علم والے تھے ان کے ساتھ علمی بحث بھی ختم ہوگی۔ نیز ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ اب اجلاس میں شرکت کرنے کا جی بھی نہیں چاہتا کیونکہ اب تحقیق کرنے والے نہ رہے اور نہ اب کوئی علمی بحث ہوتی ہے اب تو حال یہ ہے کہ جس کو بھی تقریر آتی ہے وہ بڑا مفتی ہوتا ہے۔

غرض یہ کہ آپ مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کے اجلاس میں تقریباً دس بارہ سال تک اہتمام سے شرکت فرماتے رہے اور جب کبائر علماء دنیا سے رخصت ہوگئے تو پھر شرکت ترک کردی ہاں بعض مرتبہ اہل علم کے اصرار کرنے پر کبھی کبھار اس کے اجلاس میں شرکت فرما لیتے تھے۔

نگران تخصص فی الفقہ الاسلامی:

۱۹۵۳ء میں وقت کے محدث العصر علامہ یوسف بنوریؒ نے جب جامعۃ العلوم الاسلامیہ کی بنیاد رکھی تو ان کی تمنا یہ ہوئی کہ یہاں پر تخصص فی الفقہ الاسلامی کا سلسلہ شروع کیا جائے جس میں درس نظامی سے فارغ التحصیل طلباء کو فقہ کی بنیادی کتب مثلاً بدائع الصنائع، درالمختار، جامع الفصولین، شرح الاشباہ والنظائر وغیرہ اور ان میں قضاء

وافتاء کی بھی تربیت اس طرح سے دی جائے کہ پیش آمدہ مسائل وحالات کو ان کتابوں کے مسائل کی روشنی میں حل کر سکیں اس اہم کام کے لئے حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کی نظر حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ پر ہی پڑی جو اس کام کے لئے بالکل موزوں تھے۔ اسی طرح یہ تخصص فی الفقہ الاسلامی کا اجراء جامعہ العلوم الاسلامیہ میں شروع ہوگیا۔ اس تخصص کی ابتداء پورے ایشیاء میں پہلی مرتبہ جامعہ العلوم الاسلامیہ میں ہی ہوئی اور اس کے نگران حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ ہوئے اور اس ذمہ داری کو حضرت مفتی صاحبؒ اپنے اس اصول وقوانین کے ساتھ پچیس سال تک اس بڑی آن وشان کے ساتھ نبھایا جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ اس میں بھی سیکڑوں علماء نے آپؒ سے پورا فائدہ اٹھایا۔

دارالافتاء کی صدارت:

جس میں دنیا بھر کے مختلف ممالک اور پاکستان کے گوشہ گوشہ سے آنے والے سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ نیز روزانہ بیسیوں حضرات زبانی اور ٹیلی فون کے ذریعہ مسائل کو دریافت کرتے ہیں۔ اس دارالافتاء کی بھی ذمہ داری شروع سے ہی مولانا یوسف بنوریؒ نے حضرت مفتی صاحبؒ پر اعتماد کرتے ہوئے انہی کو دی ان پر اعتماد کرتے ہوئے۔ کیونکہ اور جامعہ العلوم الاسلامیہ کے فتویٰ کی جو مقبولیت عوام اور خواص میں ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ آپؒ نے یہاں بیٹھ کر ہزاروں فتوے جاری کئے اور ہزاروں لوگوں کی علمی پیاس کو بجھایا۔

حضرت مفتی ولی حسن کے فتاویٰ کی خصوصیت

آپ کی طبیعت میں بہت زیادہ نرمی تھی، اس نرمی کا اثر آپ کے فتاویٰ میں بھی ظاہر ہوتا تھا کوشش یہ فرماتے کہ کسی طرح سے اس مسئلہ میں گنجائش نکل آئے۔ یہی ایک مفتی کی صفت ہونا چاہیے جسے حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں،

وفی عمدة الاحکام من کشف البزوری یستحب للمفتی الاخذ بالرخص تیسرًا علی العوام مثل التوضی بماء الحمام والصلوة فی الاماکن الطاهرة بدون المصلی الخ.

کشف البزوری کے حوالہ سے عمدۃ الاحکام میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مفتی کے لئے مستحب ہے کہ عوام کی آسانی کی وجہ سے رخصتوں پر فتویٰ دے جیسے حمام کے پانی سے وضو کرنا اور پاک جگہوں میں بغیر جائے نماز کے نماز پڑھنا وغیرہ۔

دوسری جگہ پر شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں،

ینبغی للمفتی ان یاخذ بالایسر فی حق غیره خصوصاً فی حق الضعفاء قوله علیه الاسلام ابی موسیٰ الاشعری ومعاذ حینما بعث الی الیمن یسرا ولا تعسرا

مناسب یہ ہے کہ مفتی ایسا قول اختیار کرے جو دوسروں کے حق میں خصوصاً کمزوروں کے حق میں آسانی پیدا کردے اسی وجہ سے آپ ﷺ نے جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا تو ارشاد فرمایا تھا کہ تم دونوں آسانی کرنا اور تنگی نہ کرنا۔

حضرت مفتی صاحب کے فتویٰ سے یہ بات واضح تھی کہ جہاں تک گنجائش اور آسانی ہوتی مفتی صاحب ضرور گنجائش اور آسانی فرماتے۔ اس کی بہت سی مثالیں آپ کے فتاویٰ میں ملیں گی ان میں سے نمونہ کے طور پر ایک دو مسائل حسب ذیل ہیں:

جھینگا مچھلی کے بارے میں کئی علماء فرماتے کہ اس کا کھانا حرام ہے۔ مگر حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں کوئی نص یا فقہی جزئیہ نہیں اسکے کھانے والوں کو گنہ کار نہ کہا جائے اور نہ کھانے والے احتیاط کریں، نہ کھائیں۔

اسی طرح حکومت کا زکوۃ وصول کرنا۔ حضرت مفتی صاحب کی رائے تو یہ تھی کہ صدر ضیاء الحق دیندار آدمی ہیں۔ دین کی خاطر کچھ اچھے اقدامات کریں گے اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے اس لئے آپ جواز کا فتویٰ دیتے تھے۔ مگر جب صدر ضیاء الحق کی حکومت ختم ہوئی تو فرمایا کرتے کہ اب کھیل ختم ہوگیا یہ امید بھی ختم ہوئی۔ اس کے بعد عدم جواز کا فتویٰ دیتے۔

غلطی ہونے پر فوراً رجوع کر لینا:

مفتی کے لئے علماء نے ایک شرط یہ بھی لکھی ہے کہ اس میں ضد اور عناد نہ ہو اگر اس نے کوئی فتویٰ دیا اور اس میں غلطی ہو تو فوراً رجوع کرے اپنی غلطی پر جما نہ رہے۔ خود امام ابو حنیفہؒ کے حالات میں یہ بات ملتی ہے کہ کوئی بات جب قرآن وحدیث کے خلاف؛ دتی تو آپ اپنے طے کردہ مسئلہ کو چھوڑ کر اس کی طرف رجوع فرما لیتے تھے فقہ

کی کتابوں میں اس کی ایک دو نہیں، بیسیوں مثالیں موجود ہیں جن میں امام ابو حنیفہؒ کا رجوع ثابت ہے۔ یہ بات حضرت مفتی صاحب کے اندر بدرجہ اتم موجود تھی آپ کی زندگی میں بھی ایک دو نہیں متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً

ایک موقعہ پر چند تاجر لوگوں نے مضاربت کے نام پر ایک کاروبار شروع کیا حضرت مفتی صاحب سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے جواز کا فتویٰ دے دیا مگر اس کاروبار میں کئی خرابیاں تھیں اور کسی نے اس کی طرف توجہ دلائی تو آپ نے فوراً رجوع کر لیا۔

اسی طرح سے اعضاء انسانی کی پیوند کاری کے بارے میں آپ نے ایک مرتبہ جواز کا فتویٰ دیا تھا اور فقہ کی مشہور مستند کتاب ہدایہ سے استدلال کیا تھا مگر بعد میں جب تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ استدلال صحیح نہیں اور انسان کی اعضاء کی پیوند کاری جائز نہیں ہے تو آپ نے فوراً رجوع فرما لیا۔

مفتی اعظم پاکستان کا لقب:

فقیہ اور مفتی تو بہت سے ہوتے ہیں مگر جن کو فقیہ النفس کہا جائے یہ نہ ہونے کے برابر ہیں علم فقہ حضرت مفتی صاحب کے رگ و ریشے میں اس طرح رچ بس گیا تھا کہ مسئلہ کیسا ہی دقیق اور مشکل کیوں نہ ہو ذرا سی دیر میں حل فرما دیتے تھے جس پر سب مطمئن بھی ہو جاتے تھے۔ اور آپ تمام کتب فقہ کی سیرابی سے مسئلہ کی تہ تک پہنچ جاتے تھے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مفتی اعظم کا لقب عوام اور علماء نے حضرت مفتی ولی حسن کے لئے دیا جو اس کے بالکل مستحق تھے۔

حضرت مفتی صاحب کا حدیث سے شغف:

علم حدیث کی شرافت اور عظمت ہر مسلمان کے دل میں ہے جو بیان محتاج نہیں۔ قرآن کے بعد حدیث ہی کا درجہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بنیادی مقاصد میں ایک حکمت بھی ہے جس کو علماء "حدیث" سے تعبیر فرماتے ہیں۔ امت کی اجتماعی بھلائی اسی وقت تک ہے جب کہ یہ حدیث رسول اللہ پر عمل کرتی رہی کی درس نظامی میں آخری سال میں بڑے اہتمام کے ساتھ احادیث کو پڑھایا جاتا ہے۔ اور حدیث کی کتابوں میں سے ایک اہم کتاب ترمذی شریف ہے۔

اس کتاب کو اس لحاظ سے بہت زیادہ نمایاں مقام حاصل ہے کہ اکابر علماء خاص کر علماء دیوبند فقہ اور حدیث کے تفصیلی مباحث اسی کتاب میں بیان کرتے ہیں۔ اور امام ترمذی نے اپنی کتاب ترمذی شریف میں ایسی تمام احادیث کو جمع کیا ہے جو کسی نہ کسی فقیہ کے نزدیک عمل میں ہیں۔ پوری کتاب میں صرف دو حدیثیں ایسی ہیں جو بقول امام ترمذی کسی بھی امام کے نزدیک معمول بہ نہیں ہے۔ مگر احناف اس پر بھی عمل کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں علامہ شمس الدین ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ امام ترمذیؒ نے جب یہ کتاب یعنی جامع ترمذی تصنیف فرمائی تو اسے علماء خراسان، حجاز، مصر اور شام کے سامنے پیش کیا جس کو بالاتفاق سب نے ہی پسند کیا اور اس کی اشاعت پر سب نے زور دیا خود امام ترمذی اپنی کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں۔

من کان عنده هذا الکتاب الجامع فکان عنده نبیًا یتکلّم.

یعنی جس کے پاس ترمذی شریف موجود ہو گویا ایسا ہے کہ نبی ﷺ اس سے گفتگو فرماتے ہیں۔

بہر حال ترمذی شریف کی اہمیت بہت زیادہ ہے تو اس کے پڑھانے والے بھی اسی اہمیت کے حامل ہونے چاہئیں۔

اسی اہمیت کے پیش نظر شروع میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ خود ترمذی شریف پڑھاتے تھے مگر پھر علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے یہ کتاب حضرت مفتی ولی حسن کی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے پڑھانے کے لئے دے دی۔

مفتی ولی حسن کا ترمذی شریف کا درس:

علامہ یوسف بنوریؒ مفتی ولی حسن کی شخصیت سے اچھی طرح واقف تھے اس لئے اس اہم کتاب کے پڑھانے کے لئے حضرت بنوریؒ نے آپ کو منتخب فرمایا۔

اس سلسلہ میں علامہ یوسف بنوریؒ فرماتے تھے کہ میں ترمذی شریف کے بارے میں فکر مند تھا کہ کس استاد کو پڑھانے کو دوں؟ شروع میں کچھ تردد تھا لیکن بعد میں میرا شرح صدر ہو گیا تو اس کتاب کے پڑھانے کے لئے سب سے زیادہ مستحق حضرت مفتی صاحب ہیں۔ اس کے بعد ترمذی شریف کا سبق حضرت مفتی صاحب کے حوالے کر دیا گیا جس کو حضرت مفتی صاحب نے اپنے مرض تک نبھایا۔

موسم گل میں پوچھتے ہو کیا حال تم اس دیوانے کا

جس نے ایک ہی گل کے اندر سارا گلستاں دیکھا

علامہ محمد یوسف بنوریؒ جو کہ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے علوم کے حامل تھے اور اس کو محفوظ کروانا چاہتے تھے ایک طرف تو انھوں نے معارف السنن (جو ترمذی شریف کی بہترین شرح ہے) لکھی[1] جس میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے علوم کو

(۱) معارف السنن کا مختصر تعارف:

جامع ترمذی شریف کو تمام کتب حدیث اور خصوصاً صحاح ستہ میں اپنی افادیت، جامعیت اور علوم و مسائل کے اعتبار سے محدثین کرام کے نزدیک فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ عام امتیازی صفات جو بقیہ صحاح ستہ میں نہیں مثلاً ہر مسئلے میں فقہائے کرام کے مذاہب نقل کرنا، ہر حدیث پر حکم لگا دینا، متعلقہ مسئلے میں ذخیرۂ احادیث کی طرف اشارہ کرنا، راویوں کے نام اور حالات ذکر کرنا، ایسی صفات اور خصوصیات ہیں جن کے سبب جامع ترمذی شریف مقبول خاص وعام اور علماء کرام کی توجہ کا مرکز بن چکی ہے۔ ان مجموعی فوائد کے اعتبار سے جو بقول امام ابن العربیؒ چودہ علوم ہیں مدارس اسلامیہ میں کافی اہتمام کے ساتھ پڑھائی جاتی ہے۔

اس افادیت اور جامعیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے تقریباً ہر دور میں اس کتاب کی شروحات لکھی گئی ہیں۔ شرح ''معارف السنن' قدیم اور جدید شرحوں میں ممتاز مفید اور جامع ہے۔ یہ شرح یگانۂ عصر محدث اعظم استاذ العرب والعجم حضرت الشیخ السید محمد یوسف البنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ حضرت مولانا نے یہ شرح بڑی عرق ریزی اور جانفشانی اور ایک طویل مدت میں لکھی ہے جو صرف مناسک حج وعمرہ تک چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور یہ چھ جلدیں مولانا کی حیات میں ان کے اہتمام میں طبع ہو چکی ہیں۔ معارف السنن کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ یہ شرح حضرت الشیخ محدث الہند مولانا السید محمد انور شاہ الکشمیریؒ شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند کے افادات وتقاریر کی روشنی میں لکھی گئی ہے جو فن حدیث کے امام اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بعد ہندوستان کے سب سے بڑے محدث گزرے ہیں۔

۲۔ تمام سابقہ شروح کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

جمع کر دیا دوسری طرف حضرت علامہ بنوری صاحب حضرت انور شاہ کشمیریؒ کے نکات حدیث اور انداز حدیث کو حضرت مفتی صاحب کو بتانا چاہتے تھے۔ اس لئے علامہ یوسف بنوریؒ صاحب نے حضرت مفتی صاحب کو ترمذی شریف کا سبق حوالے کرنے سے پہلے حضرت مفتی سے فرمایا کہ مجھے آپ سے سخت کام لینا ہے۔ اس کے لئے آپ کو تکلیف دوں گا شاید آپ کو ناگوار بھی ہو لیکن مجھے تو آپ سے کام لینا ہے۔

یہ جملہ سن کر حضرت مفتی صاحب نے عرض کیا کہ بندہ حاضر ہے جو خدمت آپ لینا چاہتے ہیں اگر میرے بس کی بات ہے تو بندہ اس کے لئے تیار ہے۔ اس بات کو مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ اس طرح تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت مولانا محمد

۳۔ ہر بحث میں متداول کتابوں کے علاوہ نادر کتابوں کے حوالہ جات نقل ہیں۔

۴۔ زیادہ تحقیق کرنے والوں کے لئے ہر مسئلے کے اخیر میں کتابوں کی بڑی فہرست اور ان کے ابواب وصفحات کی وضاحت ہے تاکہ مزید بحث اور تحقیق میں مراجعت کی آسانی رہے اور تخصص کرنے والوں کے لئے مشعل راہ ہو۔

۵۔ ہر مذہب کی نقل کے لئے مذہب کی اصل کتابوں سے عبارات نقل کی گئی ہیں اور صرف دوسروں کی نقل پر اعتماد نہیں کیا گیا ہے۔

۶۔ ہر مسئلے میں افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کی راہ کو اختیار کیا گیا اور افراط وتفریط کرنے والوں کا علمی اور تحقیقی محاسبہ کیا گیا ہے۔

۷۔ مذہب حنفی کی تحقیق پر خصوصی توجہ دی گئی ہے، جو کتاب کا طرۂ امتیاز ہے اور احناف پر بڑا احسان ہے۔

۸۔ بعض غیر مقلدین کی طرف سے تعصب اور تنگ نظری کی بنا پر مذہب حنفی پر بعض مسائل میں جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کو مدلل اور منصفانہ اور مسکت جوابات دئے گئے ہیں۔

۹۔ علم حدیث کے جو اہم اور مشکل مباحث ہیں ان کی ایسی مفصل تحقیق کی گئی ہے جو کسی دوسری کتاب میں آپ کو ایک ہی جگہ میں نہیں ملے گی۔

یوسف بنوریؒ نے حضرت مفتیؒ صاحب کو اپنی تصنیف معارف السنن کا ایک قلمی نسخہ دیا
اور ارشاد فرمایا کہ خوب تحقیق مطالعہ کے بعد میرے ترمذی شریف کے سبق میں شرکت
فرمایا کریں چنانچہ مسلسل تین سال تک جناب مفتی صاحب معارف السنن کے حوالوں
کی روشنی میں پوری تیاری کے ساتھ حضرت بنوری کے درس ترمذی میں نہایت اہتمام
والتزام کے ساتھ شریک ہوتے رہے اس کے بعد مولانا بنوریؒ نے ترمذی شریف کا
سبق حضرت مفتیؒ صاحب کے حوالے کر دیا۔

بخاری شریف کا درس:

اور جب ۱۹۷۷ء میں حضرت محدث العصر علامہ یوسف بنوریؒ کا انتقال ہوا
تو حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ حضرت علامہ یوسف بنوریؒ کے علمی جانشین تھے اس
لئے جامعہ کی انتظامیہ نے حضرت مفتی صاحب کو درس بخاری بھی حوالہ کر دیا اس کو بھی
آپ نے مرض وفات تک اس اہتمام کے ساتھ پڑھایا کہ آپ مرجع الخلائق بن گئے۔
آپ سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت
مولانا محمد یوسف بنوری کے انتقال کے بعد آپ کو بخاری کا سبق پڑھانے کو کہا گیا تو
آپ نے تقریباً دس، بارہ دن تک سبق ہی نہیں پڑھایا، فرماتے کہ میں اسکا مستحق نہیں
ہوں۔ پھر اس کے بعد ایک دن خواب میں علامہ محمد یوسف بنوریؒ کی زیارت ہوئی کہ
میں بخاری شریف کا سبق پڑھا رہا ہوں اور علامہ محمد یوسف بنوریؒ میرے قریب
خاموش بیٹھے ہیں اور میں ان کی موجودگی میں بخاری شریف پڑھا رہا ہوں۔
پھر دوسرا خواب یہ دیکھا کہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ دارالحدیث میں اساتذہ کی جگہ
اپنی لاٹھی لے کر بیٹھے ہیں اور مجھے اشارہ فرما رہے ہیں کہ مفتی صاحب کتاب پڑھانا

شروع کریں۔ میں اساتذہ کی جگہ سے نیچے اتر کر علامہ بنوری کے دائیں طرف جا کر
بیٹھ گیا اتنے میں آنکھ کھل گئی اس خواب کے بعد سے آپ نے درس بخاری شروع فرما
دیا اور تا مرض وفات تک بڑے ہی اہتمام کے ساتھ پڑھاتے رہے اور اپنی مثال
آپ بن گئے۔ (۱)

حضرت مفتی صاحب کے حلقہ درس کی خصوصیات:

آپ کے درس کے بارے میں آپ کے شاگرد خاص مفتی عبدالسلام چاٹگامی
تحریر کرتے ہیں کہ حضرت استاذ عجیب وغریب شخصیت کے مالک تھے، ماہر فنون و
علوم ہوتے ہوئے ظرافت اور خوش طبعی، سمجھانے کا انداز اور ڈھنگ کچھ الگ ہی تھا،
ایسے استاذ ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں ایک ہوتے ہیں۔ حضرت مفتی ولی حسن
صاحب کے درس کا حال یہ تھا کہ اعلیٰ سے اعلیٰ استعداد کا طالب علم بھی اپنی استعداد کے
موافق علوم وفنون کے نکات اور اصول وفروع سمیٹ رہا ہوتا اور ادنیٰ سے ادنیٰ
استعداد کا طالب علم بھی کتاب سمجھنے سے محروم نہیں رہتا تھا، (الا ان یکون محروم
القسمۃ) یہ ایک الگ موضوع ہے، لیکن بندہ حقیر جیسے ضعیف الاستعداد اور ضعیف
القول لوگوں کے لئے آپ علوم کا سمندر تھے، جب آپ درس دیا کرتے تو ایسا معلوم
ہوتا کہ علوم کا سمندر متلاطم وتموج میں ہے، قوی الاستعداد اور متوسط الاستعداد طلباء تو
اس میں مستغرق ہوتے اور علوم وفنون کے موتیوں کو جمع کرتے نظر آتے۔ جب کہ
ضعیف الاستعداد طلباء بھی وجد میں ہوتے ایسا معلوم ہوتا کہ انھوں نے کبھی ایسا درس
سنا ہی نہیں ہے۔ حضرت مفتی ولی حسن صاحب جب بعض طلباء کو پوری توجہ سے درس

(۱) رسالہ بینات

سنتے ہوئے نہ پاتے تو ان الفاظ کے تنبیہ فرمایا کرتے تھے "سن تو دوست" دوست سنو، یہاں پر عجیب مضمون بیان کیا جارہا ہے، وغیرہ وغیرہ اس سے طالب علم چونک جاتے اور اپنی غفلت پر خود نادم ہو جاتے۔

(۲)۔ اس کے علاوہ آپ درس حدیث میں فقہی اصول کی طرف بھی نشان دہی فرماتے رہتے تھے۔

(۳)۔ حدیث سے مستنبط جزئیات کو بھی بیان فرماتے تھے۔

(۴)۔ درس میں نہایت سلیس اور دھیمی رفتار ہوتی تھی سمجھنے والا ایک ایک لفظ سمجھ سکتا تھا۔

بقول حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ آپ مشکل سے مشکل بحث کی تقریر اس طرح فرماتے کہ مسئلہ پانی ہو کر رہ جاتا۔

(۵)۔ مشکل مقامات کو نہایت ہی آسان مثالیں دے کر سمجھاتے تھے۔

(۶)۔ حسب ضرورت حدیث کی سند اور راوی کے جرح وتعدیل پر بھی بحث فرماتے تھے۔

(۷)۔ درس کے بعد کچھ دیر اپنی جگہ پر تشریف فرما ہوتے کہ اگر کسی طالب علم نے کوئی بات سمجھی ہوتی تو وہ سوال کر لیتا تھا۔

(۸)۔ شروع سے آخر تک سبق پورے اہتمام سے ہوتا۔

(۹)۔ حدیث کی وضاحت اس انداز میں فرماتے کہ وہ اسی وقت ذہن نشین ہو جاتی۔

(۱۰)۔ حدیث کا مفہوم اور اس کے مسائل اور اگر حدیث میں کوئی بظاہر تعارض ہو تو پہلے اس کو زبانی سمجھا کر پھر عبارت کو اس پر تطبیق دیتے تھے جس سے کتاب کی عبارت

بھی اچھی طرح حل ہو جاتی۔

(۱۱)۔ درس کے دوران دلچسپ واقعات بھی سنا کر متوجہ فرماتے رہتے تھے۔ زبان کی معصومانہ لکنت درس کی لذت میں کمی کرنے کے بجائے اور اضافہ کر دیتی تھی۔

(۱۲)۔ اختلافی مسائل کو بیان فرما کر آخر میں مذہب احناف کو بیان فرما کر اس کی وجہ ترجیح بھی بیان فرماتے۔

(۱۳)۔ مشکل حدیث کا بامحاورہ ترجمہ اور کبھی ترکیب نحوی کو بھی بیان فرماتے۔

(۱۵)۔ عصر حاضر میں تمام فکری تحریکوں سے بھی مفتی صاحب اچھی طرح باخبر تھے اس کا بھی وقتاً فوقتاً ذکر فرماتے۔

(۱۶)۔ نئے پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں طلباء کو تازہ ترین معلومات سے مستفید فرماتے رہتے۔[1]

(۱۷)۔ حضرت مفتی صاحب کا درس طلباء میں غیر درسی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق و شوق پیدا کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں مولانا تقی عثمانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں ہم جب حضرت مفتی صاحب کے پاس عربی کا معلم پڑھتے تھے، اسی وقت سے حضرت مفتی صاحب نے ہمارے اندر مطالعے کے ذوق کی آبیاری شروع کرائی تھی، اور مجھے یاد ہے کہ اسی زمانے میں جب میری عربی تعلیم کی بالکل ابتداء تھی اور ابھی عربی کتابوں سے براہ راست استفادہ کا تصور مشکل تھا، ایک روز حضرت مفتی صاحبؒ نے مجھے بلا کر فرمایا میں تمہیں ایک بڑی مزیدار کتاب بتلاتا ہوں۔ اس کا نام ہے "فقه اللغة" یہ ابو منصور ثعالبی کی تالیف ہے اور اس میں عربی زبان کے بڑے لطائف اور ظرائف

---

(۱) نقوش رفتگاں

موجود ہیں یہ کتب خانے میں فلاں جگہ رکھی ہوئی ہے اس کا مطالعہ کیا کرو۔ اس سے تمہیں عربی ادب کی کتابوں میں مدد ملے گی۔ چنانچہ احقر نے حضرت مفتی صاحب کے اس ارشاد پر عمل کیا اور اب خیال آتا ہے کہ عربی کا معلم پڑھنے والے ایک طالب علم کو ثعلبی کی "فقہ اللغۃ" پڑھنے کا مشورہ دینا حضرت مفتی صاحب کے ذوق تربیت ہی کی جدت تھی۔ اگرچہ اس وقت "فقہ اللغۃ" سے کماحقہ استفادہ شاید میں نہ کر سکا۔ لیکن اول تو اس کتاب تک رسائی حاصل ہوجانے کے بعد آئندہ سالوں میں بھی وہ میرے مطالعہ میں رہی اور واقعتاً عربی ادب کی تعلیم میں اس سے بڑی مدد ملی۔ دوسری طرف اس طرح کتب خانہ سے ایک رابطہ پیدا ہوگیا اور یہ بات دل میں بیٹھ گئی کہ اپنا مطالعہ صرف درسیات تک محدود نہ رکھنا چاہیے بلکہ عام مطالعہ بڑھانے کی کوشش بھی ایک طالب علم کے لئے ضروری ہے غرض کہ آپ کا درس جامع ہوتا تھا ایسا تحقیقی طرز تدریس بہت کم دیکھنے اور سننے میں آتا ہے۔ بقول شاعر ؎

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

بیعت وخلافت

فقہ اور تصوف کا آپس میں بہت ہی زیادہ گہرا تعلق ہے کیونکہ فقہ پر عمل تصوف کے بغیر اور تصوف پر عمل فقہ کے بغیر ممکن نہیں اسی تصوف کو حدیث میں لفظ "احسان" کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

اعمال ظاہری (نماز، زکوۃ، حج وغیرہ) کو درست کرنے کے لئے فقہ کی ضرورت

پڑتی ہے تو اس طرح اعمال باطنہ (مثلاً تقویٰ، اللہ کی محبت، رسول اللہ ﷺ سے محبت، اخلاص، توکل، صبر وشکر، تواضع، خشوع، قناعت، سخاوت، وغیرہ اور حسد و کینہ وغیرہ سے بچنے کے لئے تصوف کا سہارا لینا ہوتا ہے۔ یہی بات علامہ شامی فرماتے ہیں،

هو علم لعرف به انواع الفضائل و كيفية اكتسابها و انواع الرذائل و كيفية اجتنابها.

تصوف وہ علم ہے جس سے اخلاق حمیدہ کی قسمیں اور ان کو حاصل کرنے کا طریقہ اور اخلاق رذیلہ کی قسمیں اور اس سے بچنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی سے بیعت:

حضرت مفتی صاحبؒ نے ابتداء میں بیعت کا تعلق سندھ کے ایک بزرگ قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا حماد اللہ ہالیجوی[1] پنوں عاقل سے رکھا۔ جن کے بارے

---

(۱) حضرت حماد اللہ ہالیجوی کے مختصر حالات

نام: حماد اللہ۔ سکھر کے قریب ایک گاؤں ہالیجی کے رہنے والے تھے۔ والد کا نام میاں محمود بن حماد اللہ ہے۔

ولادت باسعادت: ۱۳۰۱ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔

تعلیم وتربیت: والد صاحب کا بچپن میں ہی انتقال ہوگیا۔ ماموں نے تعلیم وتربیت کا انتظام کیا اور قرآن کو پختہ کروانے کے ساتھ ساتھ فارسی کی ابتداء بھی کروائی۔ درمیان میں تعلیم منقطع ہوئی پھر کچھ عرصے کے بعد مولانا محمد واصل بروہی جو بستی ابراہیم میں تھے وہاں دوبارہ تعلیم شروع کی اور خوب انہماک سے تحصیل علم کیا جس کو حضرت ہالیجوی نے اپنے ان الفاظ میں بیان فرمایا،

مجھے حصول علم میں بہت مشغولیت تھی کوئی دوسرا کام یا کھیل تفریح بالکل پسند نہیں تھی۔

اس کے بعد مولانا قمر الدین جو استاد العلماء کے نام سے مشہور تھے نیز مولانا فضل حق خیر آبادی سے باقی کتابیں پڑھیں۔ اور ایک یا دو کتابیں مولانا عبید اللہ سندھی سے بھی پڑھیں۔ علم میں اتنا کمال حاصل کرلیا

حاشیہ:

کہ مولانا بدر عالم میرٹھی فرماتے ہیں کہ،

مولانا حماد اللہ کو عارف باللہ سارا عالم تسلیم کرتا ہے مگر ظاہری علوم میں بھی ان کے پائے کا کوئی عالم نہیں ہے۔

درس تدریس: فراغت کے بعد اپنی ہی بستی میں درس دینا شروع کر دیا۔ متعدد لوگوں نے آپ سے علم حاصل کیا۔

بیعت: آپ نے باطنی اصلاح کے لئے مولانا سید تاج محمود امروٹی سے تعلق قائم کیا۔ علوئے استعداد کا ثمرہ تھا کہ پہلی ہی ملاقات میں حضرت امروٹی نے شیخ حماد اللہ کو خلافت مرحمت فرمادی۔ شیخ حماد اللہ کو اپنے شیخ سے حد درجہ محبت تھی۔

حضرت حماد اللہ ہالیجوی اتباع سنت کا بے حد لحاظ رکھنے والے تھے۔ زندگی نہایت سادہ تھی۔ تواضع اور انکساری حد درجہ کی تھی۔ حضرت حماد اللہ ہالیجوی کی بزرگی کی ہم عصر علماء نے بہت بلند الفاظ میں تعریف فرمائی ہے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے ایک موقع پر فرمایا کہ حماد اللہ صاحب آپ کا احسان ہوگا کہ آپ دیوبند تشریف لائیں تاکہ ہم معرفت الٰہی اور تعلق مع اللہ کو آپ سے سیکھیں۔

حضرت عطاء اللہ بخاری نے فرمایا کہ حضرت ہالیجوی کے دل مبارک پر گناہ کا تصور بھی نہیں آتا کیونکہ ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ اسی طرح مولانا یوسف بنوری، مولانا غلام اللہ خان وغیرہ سب نے بہت اچھے الفاظ میں تعریف کی ہے۔

تصانیف: متعدد تالیفات ہیں:

(۱) الیاقوت والمرجان۔ اس میں قرآن کے نکات کو بیان کیا ہے۔ اس کتاب کی تعریف مولانا یوسف بنوری نے بہت فرمائی نیز اس کتاب پر مقدمہ بھی لکھا ہے۔

(۲) الاشارات الحمادیہ لحل معضلات القرآنیہ قرآن کے حاشیہ پر دوران مطالعہ کچھ حواشی اور تعلیقات جو تحریر کئے اس کو مولانا محمد امین نے ترتیب دے کر شائع کروایا ہے۔

(۳) شرح منظوم اسماء حسنٰی۔ یہ رسالہ الیاقوت والمرجان کے ساتھ ہی شائع ہوا ہے۔

(۴) الینابیع الصافیہ فی حکم المسائل الشافیہ: یہ فارسی میں ہے اس میں حضرت حماد اللہ نے آٹھ سوالات

میں حضرت مولانا یوسف بنوریؒ فرماتے تھے،

"سرزمین سندھ میں حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجویؒ ان اکابر امت میں سے تھے کہ ان کے کمالات کو یا تو کسی نے صحیح طور پر پہنچانا نہیں یا پھر صحیح فائدہ نہیں اٹھایا۔ وہ پیر مرشد تھے اور متبع سنت۔ وہ حکیم بھی تھے نہایت ماہر حاذق بھی۔ وہ عالم بھی تھے نہایت محقق۔ وہ زاہد تھے جن کے زہد کی نظیر میں نے اپنی زندگی میں نہ دیکھی نہ سنی وہ عارف تھے تصوف کے رموز و اسرار اور ان کے لطائف و اذکار کے دانا تھے ان کی یہ خصوصیات تو ایک مکمل مقالے کی محتاج ہیں دو چار ملاقاتوں میں ان کی زندگی کے ایسے گوشے نظر آئے کہ حیرت ہوئی۔ ان کی مختصر مجالس اور مختصر قیام میں چند باتیں سنی تھیں جن کی حلاوت و لذت سے اب بھی سرشار ہوں۔"(۱)

اس کے علاوہ حضرت مفتی صاحب شاہ عبدالعزیز رائے پوری(۲) کی روحانیت

کے مدلل جوابات دیے ہیں۔

(۵) تجلیات شیخ ہالیجوی: یہ حضرت کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اصل کتاب فارسی میں ہے مگر اب اس کا ترجمہ مکتبہ حمادیہ نے شائع کروایا ہے اس کے علاوہ بعض کتابیں اور بھی ہیں مگر وہ سب غیر مطبوعہ ہیں۔

وفات: بعمر حال ۹۲ ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ چہار شنبہ کے دن صبح کے وقت داعی اجل کو لبیک کہا اور واصل مجذوب حقیقی ہوئے اور ہالیجی شریف میں ہی مدفون ہوئے تھے۔

(۱) بینات کراچی شعبان ص ۲۳

(۲) حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ کے مختصر حالات

ولادت باسعادت: ولادت ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں ہوئی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد صالح خلیفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے

کے بھی بڑے مداح تھے ان کی خدمت میں بھی تشریف لے جاتے اور جب وہ کراچی تشریف لاتے تو اہتمام کے ساتھ ان کی مجالس میں بھی شرکت فرماتے۔

برکۃ العصر قطب العالم حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ سے بیعت اور خلافت:

جب ۱۳۸۱ میں حضرت حماد اللہ ہالیجویؒ کا انتقال ہو گیا تو آپ حضرت مفتی صاحب

مدرسہ رشیدیہ رائے پور گوجراں کے ماحول میں ہوئی۔ والد کے علاوہ مفتی فقیر اللہ مولانا فضل احمد وغیرہ ان کے استاذ رہے۔ مگر دورہ حدیث کے لئے دار العلوم دیو بند تشریف لے گئے جہاں پر اس وقت حضرت انور شاہ کشمیریؒ کی شہرت تھی۔ ساتھ میں دیگر اکابر دیو بند سے بھی استفادہ کیا۔

تدریس: دار العلوم دیو بند سے فراغت کے بعد اپنے علاقے میں واپس تشریف لے گئے اور مدرسہ رشیدیہ رائے پور گوجراں میں تدریس کا سلسلہ جاری فرمایا۔

پاکستان کی طرف ہجرت: پاکستان بننے کے بعد آپ نے چیچہ وطنی ضلع ساہیوال کے ایک گاؤں میں ہجرت فرمائی اور یہاں پر زمینداری کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کا ایک مکتب جاری فرمایا اور ساتھ میں اپنے متوسلین کے لئے ایک جھونپڑی بنائی۔

بیعت وسلوک: ابتداء بیعت حضرت شیخ الہند سے کی اس کے بعد حضرت مولانا عبد الرحیم رائے پوری سے تعلق قائم کیا اور پھر ان کے انتقال کے بعد ان کے خلیفہ قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری نور اللہ مرقدہ سے بیعت فرمائی اور بعد میں اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے۔ آپ سے باطنی استفادہ کرنے والوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ اہل قلب احباب آپ کو مادر زاد ولی لکھتے ہیں۔

وفات:

تاریک ہوئی ہے شبستان اولیاء   اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

آخری ایام آپ نے کوہ نور مصر الحاج نصر اللہ خانؒ جو آپ کے معتقد خاص تھے ان کا پورا ہی گھرانا حضرت سے بیعت تھا ان کے یہاں قیام فرمایا۔ وصال بھی اسی جگہ ہوا۔ نماز جنازہ حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ نے پڑھائی اور پھر جنازے کو چیچہ وطنی لایا گیا تو آپ کے برادر زادہ عزیز مولانا عبد العلیم نے یہاں پر نماز جنازہ پڑھائی۔

نے برکۃ العصر قطب العالم حضرت مولانا زکریاؒ صاحب [1] سے اپنا روحانی تعلق جوڑ لیا

---

(۱) شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کے مختصر حالات

وہ مرد جس کا فقر خزف کو کرے نگیں   ہوتا ہے کوہ و دشت میں پیدا کبھی کبھی

ولادت باسعادت: آپ ۱۱ رمضان ۱۳۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام مولانا یحییٰؒ اور چچا بانی تبلیغ مولانا الیاسؒ تھے۔

وطن: اصل وطن کاندھلہ ہے اسی وجہ سے آپ کو کاندھلوی بھی کہتے ہیں۔

تعلیم: آپ نے مکمل تعلیم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں حاصل کی۔

آپ کے مشہور اساتذہ میں سے مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا عبد اللطیف، مولانا الیاس وغیرہ ہیں۔

احادیث آپ نے اپنے والد ماجد مولانا یحییٰ صاحب اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے پڑھیں۔

تدریس: پوری زندگی تدریس اور اصلاح امت میں وقت گزارا۔ فراغت کے فوری بعد ۱۳۳۵ھ میں تدریس شروع کی۔ آپ کا درس حدیث عشق نبوی اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہوتا تھا۔ آپ کا درس حدیث انتہائی سوز و گداز اور قلبی توجہات کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔ اس کا پورا مجمع پر اثر ہوتا تھا اور اسی وجہ سے مجمع پر گریہ اور آہ و بکاء کی کیفیت بھی طاری ہو جاتی تھی۔ خاص کر کے جب آپ مرض وفات کا درس دیتے تو حضرت شیخ پر گریہ طاری ہو جاتا تھا لوگ سمجھتے تھے کہ یہ عظیم سانحہ آج ہی پیش آیا ہے اور یہ ہر سال کی کیفیت ہوتی تھی۔ آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں پوری دنیا میں کام کر رہے ہیں۔

بیعت وسلوک: ۱۳۳۳ھ میں آپ نے بیعت وتربیت کے لئے مولانا خلیل احمد سہارنپوری کا انتخاب کیا اور پھر چند سال کے ہی عرصہ میں ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ میں سفر حجاز کی واپسی پر مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے ان کو اپنا خلیفہ بنالیا اور وہ بھی اس شان کے ساتھ کہ مولانا خلیل احمد نے اپنا عمامہ سر سے اتار کر مولانا حسین احمد مدنی کے بڑے بھائی مولانا سید احمد فیض آبادی ثم مدنی کو عطاء فرمایا اور فرمایا کہ اس کو مولانا زکریا کے سر پر باندھ دو۔ جب مولانا زکریا کے سر پر عمامہ باندھا گیا تو مولانا زکریا پر ایسا گریہ طاری ہوا جس سے مولانا خلیل صاحب خود آبدیدہ ہو گئے۔ مولانا زکریا نے انتہائی تواضع سے مولانا عبد القادر رائے پوری جو اس وقت موجود تھے، ان کے پاؤں پکڑ لئے کہ اس خلافت کی ہندوستان والوں کو اطلاع نہ کریں۔

حاشیہ:

مگر بعد میں ایسی تشہیر ہوئی کہ آپ امام قطب بن گئے۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ جو آپ کو عشق اور محبت تھی وہ الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی اس کا تعلق دیکھنے کے ساتھ ہی تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہوتا تو آپ پر گریہ طاری ہو جاتا۔ اس سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علی میاں نے جو آپ کے عشق و محبت کا نقشہ کھینچا ہے ان کے الفاظ میں ہی بیان کر دیا جائے۔

شیخ کے علم، تصنیفی انہماک، وقار و سکینت اور ضبط و تحمل کے فانوس میں عشق و محبت کا ایسا مشعلہ تھا جو جاننے والوں کی نگاہوں سے مستور نہیں ان کا خمیر عشق و محبت کے اس جوہر سے گوندھا گیا تھا جو سودا نے اپنے شعر میں بیان کیا،

آدمی کا جسم جبکہ عناصر سے مل بنا کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

عشق و محبت کے اس جوہر کا اندازہ اس وقت ہوتا اور اس کے شرارے اس وقت نظر آتے جب عشق ایسی ذات رسالت پناہی اور واصلان بارگاہ الٰہی کا تذکرہ ہو۔

فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر ادائیں ہیں لاکھوں اور دل بے تاب ایک

تصانیف: تمام کاموں کے ساتھ آپ کی طبیعت میں تصنیفی ذوق بھی تھا آپ کے قلم فیض سے متعدد کتابیں وجود میں آئیں ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک۔ (۲) الکوکب الدری۔ (۳) لامع الداری علی جامع البخاری۔ (۴) شذرات الحدیث۔ (۵) خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی۔ (۶) فضائل نماز۔ (۷) فضائل قرآن۔ (۸) فضائل رمضان۔ (۹) فضائل ذکر۔ (۱۰) فضائل تبلیغ۔ (۱۱) فضائل حج۔ (۱۲) فضائل صدقات۔ (۱۳) حکایات صحابہ۔ (۱۴) فضائل درود شریف۔ (۱۵) الاعتدال فی مراتب الرجال۔ (۱۶) حجۃ الوداع والعمرات۔ (۱۷) تاریخ مشائخ چشت۔ (۱۸) مشائخ تصوف۔ (۱۹) اکابر کا رمضان۔ وغیرہ۔

وفات:

موت سے کس کو رستگاری ہے آج وہ کل ہماری باری ہے

زندگی بھر دیار رسول ﷺ میں دفن ہونے کی جو تمنا و تڑپ تھی وہ رنگ لائی چنانچہ مدینہ منورہ میں ۲۵ مئی

اور پھر ساؤتھ افریقہ کے شہر اٹینڈ میں جب حضرت مفتی صاحب اپنے پیر و مرشد قطب العالم مولانا زکریا صاحب کے ساتھ اعتکاف میں تھے تو اعتکاف کے دوران ہی حضرت مولانا زکریاؒ صاحب نے خلافت سے سرفراز فرمایا۔

مجالس مرشد و ہدایت:

دن و رات طالبین دین و تشنگان محبت حضرت مفتیؒ سے فائدہ اٹھاتے رہتے تھے آپ نے اپنی زندگی اشاعت دین کے لئے وقف کر رکھی تھی آخری عمر میں آپ کے یہاں بیعت و ارشاد کا بھی حلقہ قائم ہو گیا تھا جو بہت مشہور ہوا اس میں عوام کے علاوہ علماء اور طلباء کی ایک بڑی تعداد شریک ہوتی جو ہر بدھ کو عصر کے بعد ہوا کرتی تھی یہ مجلس بھی ایک کیمیائے اکسیر اور عجیب التاثیر تھی۔ اس میں شرکت کرنے والے کا دل چند ہی ہفتوں میں پلٹ جاتا اور ایک حیرت انگیز انقلاب آ جاتا تھا لوگ منکرات اور بدعات سے توبہ کر کے سنتوں پر آنے لگے۔ مگر افسوس کہ حضرت مفتی صاحب پر فالج کا اثر ہو گیا۔ کچھ عرصہ یہ سلسلہ چلتا رہا مگر پھر یہ موقوف ہو گیا۔

وسعت مطالعہ:

حضرت مفتی صاحب کو کتابوں سے عشق تھا اسی وجہ سے ہر قسم کی کتابوں کا مطالعہ فرماتے۔ عموماً لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنی متعلقہ کتابوں کو ہی مطالعہ میں رکھتے ہیں بخلاف حضرت مفتی صاحب کے کہ ان کے یہاں جو نئی کتاب ہاتھ آ گئی اس کا مطالعہ شروع فرما دیا اور کتاب جب تک ختم نہ ہو جائے نہیں چھوڑتے تھے۔ اسی وجہ سے جب بھی کوئی کسی قسم کا سوال کرتا تو اس کا جواب حضرت مفتی صاحب کے پاس

۱۹۸۲ء کو اس دار فانی سے کوچ فرمایا اور جنت البقیع میں اپنے استاد و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

موجود ہوتا۔ اور بار بار یہ بات ارشاد فرماتے تھے کہ لوگوں کو پلاؤ زردہ کھانے میں مزہ آتا ہے مجھ کو تو کوئی نئی بات مطالعہ میں آجائے تو اس میں مزہ آتا ہے اس بات کا اندازہ وہ احباب لگا سکتے ہیں جن کو حضرت مفتی صاحب سے پڑھنے کا موقع ملا ہے درس میں حضرت مفتی صاحب علوم و معارف کے سمندر تشنگان علوم کی پیاس بجھاتے تھے اور طلباء کی واقفیت کے دائرے کو انتہائی وسیع کر دیتے۔

تلامذہ

مشہور مقولہ ہے کہ پھل کا اچھا ہونا درخت کے اچھے ہونے کی علامت ہے۔ حضرت مفتی صاحب کے ہزاروں تلامذہ اس بات کی نشانی ہیں۔

چالیس سال سے زائد درس و تدریس کی مدت میں حضرت مفتی صاحب کے حلقہ درس سے علم و عمل اور فضل و کمال کے کیسے کیسے آفتاب و ماہتاب تیار ہوئے جو آج دنیا کے مختلف ممالک مثلاً ساؤتھ افریقہ، انگلینڈ، کینیڈا، امریکہ، آسٹریلیا، فرانس، ملائیشیا، رنگون، بنگلہ دیش، ایران، جرمنی، سعودی عرب، عرب امارات، عمان وغیرہ میں نمایاں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں جن کی فہرست بہت طویل ہے۔ ابتداء سن کے لحاظ سے تعداد لکھی جاتی ہے اور پھر چند مشہور شاگردوں کے اسماء ذکر کیے جائیں گے:

سن	تعداد طلباء	سن	تعداد طلباء
۱۳۷۶ھ	۱۲	۱۳۷۷ھ	۲۰
۱۳۷۸ھ	۱۰	۱۳۷۹ھ	۲۰
۱۳۸۰ھ	۲۸	۱۳۸۱ھ	۲۵
۱۳۸۲ھ	۱۸	۱۳۸۳ھ	۳۳
۱۳۸۴ھ	۱۹	۱۳۸۵ھ	۱۹

سن	تعداد طلباء	سن	تعداد طلباء
۱۳۸۶ھ	۲۶	۱۳۸۷ھ	۲۷
۱۳۸۸ھ	۳۶	۱۳۸۹ھ	۳۱
۱۳۹۰ھ	۳۳	۱۳۹۱ھ	۳۰
۱۳۹۲ھ	۱۸	۱۳۹۳ھ	۱۹
۱۳۹۴ھ	۳۹	۱۳۹۵ھ	۴۳
۱۳۹۶ھ	۲۸	۱۳۹۷ھ	۶۴
۱۳۹۸ھ	۴۵	۱۳۹۹ھ	۵۱
۱۴۰۰ھ	۴۳	۱۴۰۱ھ	۶۴
۱۴۰۲ھ	۹۱	۱۴۰۳ھ	۸۱
۱۴۰۴ھ	۸۱	۱۴۰۵ھ	۱۰۰
۱۴۰۶ھ	۹۶	۱۴۰۷ھ	۱۲۴
۱۴۰۸ھ	۱۱۴	۱۴۰۹ھ	۱۵۳

....

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

آپ کے تلامذہ کی تعداد تو فہرست سے معلوم ہو گئی ان میں سے چند مشہور کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ شیخ الحدیث و نائب مہتمم دار العلوم کورنگی۔ کراچی
(۲) حضرت مولانا رفیع عثمانی مدظلہ مہتمم دار العلوم کورنگی۔ کراچی
(۳) مفتی احمد الرحمٰنؒ سابق مہتمم بنوری ٹاؤن۔ کراچی
(۴) مولانا حبیب اللہ مختار شہید سابق مہتمم بنوری ٹاؤن، کراچی
(۵) مفتی محمد نعیم صاحب مہتمم جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی

(۶) مفتی زرولی خان مہتمم احسن العلوم کراچی

(۷) مولوی دین محمد افغانی ۱۳۷۷ھ

(۸) مولوی محمد قاسم ایرانی ۱۳۷۹ھ

(۹) مولوی محمد شاہد ولد امین، کراچی ۱۳۸۴ھ

(۱۰) مولوی محمد زبیر ولد محمد امین مکی مسجد ۱۳۸۴ھ

(۱۱) مولوی محمد مغیض الدین (بنگلہ دیش) ۱۳۸۶ھ

(۱۲) مولوی نور الدین (بنگلہ دیش) ۱۳۸۶ھ

(۱۳) محمد حبیب اللہ (بنگلہ دیش) ۱۳۸۷ھ

(۱۴) عبد المنان (بنگلہ دیش) ۱۳۸۷ھ

(۱۵) میر محمد (افغانستان) ۱۳۸۸ھ

(۱۶) سلطان محمد (افغانستان) ۱۳۸۸ھ

(۱۷) امین الدین بن ابراہیم (موزمبیق) ۱۳۹۰ھ

(۱۸) اسماعیل بن محمد شفیع وراجیا (جنوبی افریقہ) ۱۳۹۰ھ

(۱۹) فیض الحق بن احمد بن محمد (مغربی افریقہ) ۱۳۹۶ھ

(۲۰) عبد القادر مدنی بن خالد محمد (مدینہ منورہ) ۱۳۹۶ھ

(۲۱) ہارون بن اسماعیل (جنوبی افریقہ) ۱۳۹۶ھ

(۲۲) ابراہیم بن آدم (موزمبیق) ۱۳۹۶ھ

(۲۳) شعبان بن مردان (یوگنڈا) ۱۳۹۶ھ

(۲۴) عبد الحمید یوسف (امریکہ) ۱۳۷۱ھ

(۲۵) محمد ابراہیم غراطی (ملائشیا) ۱۳۹۲ھ

(۲۶) ابوبکر بن موسیٰ مانجری (افریقہ) ۱۳۹۲ھ

(۲۷) محمد حنف بن محمد عظیم (افغانستان) ۱۳۹۲ھ

(۲۸) محمد زاہد اللہ بن عبد اللہ (بنگلہ دیش) ۱۳۹۲ھ

(۲۹) شیر احمد بن یوسف سلوبی (افریقہ) ۱۳۸۹ھ

(۳۰) محمد سعید گارڈی (موزمبیق) ۱۳۹۸ھ

(۳۱) محمد رفیق بن احمد ہتھورائی (جنوبی افریقہ) ۱۳۹۸ھ

(۳۲) محمد اقبال بن احمد ہتوانی (جنوبی افریقہ) ۱۳۹۸ھ

(۳۳) عبد القادر عثمان بن یوسف عثمان (جنوبی افریقہ) ۱۳۹۹ھ

(۳۴) شفیع احمد منگا (موزمبیق) ۱۳۹۹ھ

(۳۵) علی بھائی فقیر (موزمبیق) ۱۳۹۹ھ

(۳۶) اسماعیل پٹیل (انگلینڈ) ۱۴۰۰ھ

(۳۷) عبد الغنی تھائی (تھائی لینڈ) ۱۴۰۰ھ

(۳۸) حبیب الرحمن مظہری (ایران) ۱۴۰۱ھ

(۳۹) عمران موسیٰ (جنوبی افریقہ) ۱۴۰۱ھ

(۴۰) محمد حسن ولد عربی ولی (ری یونین) ۱۴۰۱ھ

(۴۱) محمد ایرانی فدا حسین (ایران) ۱۴۰۱ھ

(۴۲) محمد تمیمی ولد تحوت محمد (سری لنکا) ۱۴۰۲ھ

(۴۳) حامد بی (سری لنکا) ۱۴۰۲ھ

(۴۴) محمد بشیر (سری لنکا) ۱۴۰۲ھ

(۴۵) عبد الجبار (سری لنکا) ۱۴۰۲ھ

(۴۶) یوسف عبد اللہ (جنوبی افریقہ) ۱۴۰۲ھ

(۴۷) ورش بشری کندم (انڈونیشیا) ۱۴۰۲ھ

(۴۸) محمد رولیس آدم تجی (سری لنکا) ۱۴۰۲ھ

(۴۹) محمد شمیم بن عبدالحمید (جنوبی افریقہ) ۱۴۰۲ھ

(۵۰) عبدالقادر (موزمبیق) ۱۴۰۳ھ

(۵۱) داؤد آدم (موزمبیق) ۱۴۰۳ھ

(۵۲) سلیم محمد کریم (جنوبی افریقہ) ۱۴۰۳ھ

(۵۳) حسن قاسم (موزمبیق) ۱۴۰۳ھ

(۵۴) محمد یونس (برطانیہ) ۱۴۰۳ھ

(۵۵) سلیم محمد کریم (جنوبی افریقہ) ۱۴۰۳ھ

(۵۶) عبدالصمد سلیمان مانگا (موزمبیق) ۱۴۰۳ھ

(۵۷) منصور راشد (مدینہ منورہ) ۱۴۰۳ھ

(۵۸) محمد خالد اللہ بخش (مدینہ منورہ) ۱۴۰۳ھ

(۵۹) عبدالبرہان بن مولانا عاشق الٰہی (مدینہ منورہ) ۱۴۰۳ھ

(۶۰) اسماعیل ملک (جنوبی افریقہ) ۱۴۰۴ھ

(۶۱) محمد منور ولد شیخ داؤد (سری لنکا) ۱۴۰۴ھ

(۶۲) عبدالحمید احمد بھٹی (سری لنکا) ۱۴۰۴ھ

(۶۳) محمد فردوس محمد امیر الدین (سری لنکا) ۱۴۰۴ھ

(۶۴) محمد عصری ولد یوسف (ملیشیا) ۱۴۰۴ھ

(۶۵) ظہیر احمد راجی (جنوبی افریقہ) ۱۴۰۵ھ

(۶۶) نذیر ولد یعقوب (موزمبیق) ۱۴۰۵ھ

(۶۷) احمد افریقی محمد کردار (جنوبی افریقہ) ۱۴۰۵ھ

(۶۸) ابراہیم بھانجی (جنوبی افریقہ) ۱۴۰۵ھ

(۶۹) محمد اقبال بن محمد قاسم (سری لنکا) ۱۴۰۵ھ

(۷۰) ہارون بن میراجی (سری لنکا) ۱۴۰۶ھ

(۷۱) شفیق احمد حاجی (جنوبی افریقہ) ۱۴۰۶ھ

(۷۲) محمد رفائی بن محمد خالد (سری لنکا) ۱۴۰۶ھ

(۷۳) محمد روح اللہ بن مفتی نور الحق (بنگلہ دیش) ۱۴۰۶ھ

(۷۴) محمد ابوالکلام بن عتیق الرحمٰن (بنگلہ دیش) ۱۴۰۶ھ

(۷۵) بلال احمد بن کلام احمد (بنگلہ دیش) ۱۴۰۶ھ

(۷۶) محمد شمس الاسلام میاں حسن (بنگلہ دیش) ۱۴۰۶ھ

(۷۷) محمد الیاس محمد یوسف (برطانیہ) ۱۴۰۶ھ

(۷۸) محمد رضوی محمد ابراہیم (سری لنکا) ۱۴۰۶ھ

(۷۹) عبدالخالق ابراہیم (جنوبی افریقہ)

(۸۰) شہید الاسلام محمد شمس الحق (بنگلہ دیش) ۱۴۰۷ھ

(۸۱) محمد عبدالغفار محمد عبدالباری (بنگلہ دیش) ۱۴۰۷ھ

(۸۲) محمد فازی نور الدین (سری لنکا) ۱۴۰۷ھ

(۸۳) محمد اسحاق قطب الدین (بنگلہ دیش) ۱۴۰۷ھ

(۸۴) محمد الیاس محمد فضیل (سری لنکا) ۱۴۰۷ھ

(۸۵) محمد نظام الدین جلال الدین (سری لنکا) ۱۴۰۷ھ

(۸۶) عبدالرحمٰن بن علی (ایران) ۱۴۰۷ھ

(۸۷) محمد سفیر الدین محمد سکندر خان (بنگلہ دیش) ۱۴۰۸ھ

(۸۸) محمد کمال الدین احسان خان (بنگلہ دیش) ۱۴۰۸ھ

(۸۹) محمد روح الامین ولد نور محمد (بنگلہ دیش) ۱۴۰۸ھ

(۹۰) محمد نصار بن سلیمان بسیہ (سری لنکا) ۱۴۰۸ھ

(۹۱) محمد معاذ ٹی کے مہات (سری لنکا) ۱۴۰۸ھ

(۹۲) ابراہیم (جنوبی افریقہ) ۱۴۰۹ھ

(۹۳) محبوب الرحمٰن (بنگلہ دیش) ۱۴۰۹ھ

(۹۴) اختر اللہ خان (بنگلہ دیش) ۱۴۰۹ھ

(۹۵) محمد سلیمان (بنگلہ دیش) ۱۴۰۹ھ

(۹۶) یونس اسماعیل (جنوبی افریقہ) ۱۴۰۹ھ

(۹۷) عبدالحفیظ (کینیا) ۱۴۰۹ھ

سادگی

حضرت مفتی صاحب مزاجاً بے حد سادہ واقع ہوئے تھے اس کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں تھا۔ تکلف سے کوسوں دور رہتے تھے۔ ناواقف احباب دیکھ کر یہ سمجھ نہیں سکتے تھے کہ یہ اتنے بڑے مفتی ہیں۔ تکرار ہے یہ سادگی ان کے لباس سے بھی نمایاں تھی معمولی سا کرتا اور پائجامہ، سر پر لمبی ٹوپی، پاؤں میں نہایت معمولی قیمت کا جوتا۔

کبھی بھی حضرت مفتی صاحب کے جسم پر زرق و برق پوشاک قیمتی ملبوس نہیں دیکھا گیا جسم کی آرائش وزیبائش ان کے نزدیک پسندیدہ نہیں تھی اس سے ان کو بے حد نفرت تھی۔ بقول شاعر ؎

شاید معنی کو آرائش کی کچھ حاجت نہیں
سبحہ و سجادہ ہیچ اور جبہ دستار ہیچ

کہیں آنے جانے میں کسی کو اپنے ساتھ لے جانا پسند نہیں فرماتے تھے کسی سے

پاؤں یا جسم دبوانے سے بہت زیادہ احتراز فرماتے۔ غرض یہ کہ امتیازی شان بالکل آپ کو پسند نہیں تھی۔ ؎

ذرا پی کر بہک جانا یہ کم ظرفوں کا شیوہ ہے
جو عالی ظرف ہیں جتنی پئیں وہ کب بہکتے ہیں

اس سادگی کے سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحبؒ کو جن صفات اور خصوصیات سے نوازا تھا وہ بمشکل ہی کسی ایک شخصیت میں جمع ہوتی ہیں۔ علم وفضل کے مقام بلند کے ساتھ ساتھ ان کی سادگی اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ کوئی اجنبی دیکھنے والا پتہ ہی نہیں لگا سکتا تھا کہ اس سادہ سے پیکر میں علم وفضل کے کیسے خزانے جمع ہیں۔ ان کے حسین چہرے پر بلا کی معصومیت تھی جو دیکھنے والے کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی تھی۔ لیکن اس علم وفضل اور اس معصومیت کے ساتھ ان کے مزاج میں ظرافت اس قدر تھی کہ وہ جس بے تکلف مجلس میں بیٹھ جاتے، اس کو باغ و بہار بنا کر چھوڑتے۔ ایسی مجلسوں میں ان کے منہ سے بے ساختہ ایسے ظریفانہ جملے برآمد ہوتے، جنھیں ظریفانہ ادب کا شاہکار کہنا چاہیے اور ان جملوں میں اکثر اوقات علمی تلمیحات کی ایسی چاشنی ہوتی جو ان کی معنویت میں چار چاند لگا دیتی، وہ اپنے شاگردوں اور چھوٹوں سے بھی بہت بے تکلف تھے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے عبادات وطاعات کا بھی خاص ذوق عطا فرمایا تھا۔ اوران کی ظرافت کو غور سے دیکھو تو ایسا لگتا تھا کہ انھوں نے اپنی بزرگی کو

طنز و مزاح کے پردے میں چھپایا ہوا ہے، اور اس حقیقت کے ادراک کے
بعد حضرت مفتی صاحب کے طرز عمل میں حضرت محمد بن سیرینؒ کی
شباہت آنے لگتی تھی کہ جن کے بارے میں ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ:

کُنَّا نَسْمَعُ ضحکه بالنهار و بکائه باللیل.

(یعنی ہم دن کے وقت ان کے ہنسنے کی آواز سنتے تھے اور رات کے وقت
ان کے رونے کی)"(۱)

آپ کی سادگی کے بارے میں حضرت مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ فرماتے ہیں،

"حضرت مفتی صاحب شروع ہی سے نہایت سادہ مزاج اور صوفی
منش تھے، دیکھنے والا ان کی وضع قطع کو دیکھ کر یہ اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ
اتنے بڑے عالم، ایسے عظیم فقیہ، اتنے جلیل القدر محدث اور ایسے بلند پایہ
صاحب نسبت ہیں اللہ والوں کی یہی شان ہوتی ہیں، جو جتنا بڑا اور اونچا
مرتبہ رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو اسی قدر بچھاتا چھپاتا اور سادہ رکھتا ہے۔"

ایک مرتبہ رائے ونڈ کے مدرسہ میں امتحان کے لئے تشریف لے گئے واپسی پر
لاہور جانا تھا ریل گاڑی میں کافی رش تھا کچھ دیر کے بعد ایک مال گاڑی آئی اس میں
وہ ڈبہ جس میں جانور کو لے جاتے ہیں اس میں آپ بے تکلف سوار ہو گئے اور ایک
کونے پر اپنا رومال بچھا کر بیٹھ گئے کسی نے کہا حضرت یہ تو حیوانات کا ڈبہ ہے فرماتے
ہیں چھوڑ یار ہم بھی تو حیوان ناطق ہیں۔ (فن منطق کی اصطلاح میں انسان کو حیوان
ناطق کہتے ہیں یعنی بولنے والا حیوان)۔

(۱) نقوش رفتگان

حکام سے اجتناب

حضرت مفتی صاحب حکام سے ملنے ملانے سے، بہت زیادہ احتراز فرماتے تھے۔
خود کسی سرکاری حاکم سے ملنا تو در کنار اگر وہ ملاقات کرنا چاہتا تو اس سے بھی کنارہ کشی
فرماتے تھے۔ سرکاری لوگوں سے اجتناب حضرت مفتی صاحب کے بارے میں اتنا
معروف و مشہور ہے کہ اس کا انکار کوئی معاند بھی نہیں کر سکے گا۔

اخلاق سیرت و عادات

انسان میں کمال اس کی صفات سے آتا ہے۔ ظاہری صورت کے بجائے شریعت
مطہرہ نے انسان کی باطنی کیفیت پر زور دیا ہے اور اسی پر دین و دنیا کی کامیابی کا دارو
مدار بتایا ہے۔ اسلام نے مکارم اخلاق پر جتنا زور دیا ہے وہ سب پر عیاں ہیں یہاں
تک کہ آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ ان کی بعثت بھی حسن سیرت اور مکارم
اخلاق کی تکمیل کے لئے ہے۔

دیکھنے والے سب جانتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب کو اللہ نے کن پسندیدہ
اخلاق سے مزین فرمایا تھا۔

کبھی بھی کسی سے اپنی ذات کے لئے زندگی بھر بدلہ نہیں لیا بعض لوگوں نے آپ
کو بہت تکلیف بھی دی ان کے نام بھی کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیئے اگر کسی کو معلوم بھی
ہوا تب بھی فرمایا کہ چھوڑ یار ناراض ہوتا ہے تو ہونے دو میں کیا کروں......؟

حضرت مفتی صاحب کے شاگرد خاص رئیس دارالافتاء بنوری ٹاؤن مفتی
عبدالسلام چاٹگامی فرماتے ہیں۔

"حضرت الاستاذ مفتی صاحب جیسا کہ ان کا نام ولی حسن ہے، حقیقت میں ان کے اندر شان ولایت بھی تھی بندہ کے ساتھ ۲۶ سال کے عرصہ میں ان سے کوئی جھوٹ، فریب، خیانت، حسد، بغض، عداوت، حرص، لالچ، کبر ونخوت، وغیرہ جیسے امراض باطنیہ کے آثار نہیں دیکھے ورنہ آج کل اہل علم میں ظاہری گناہ زنا، چوری، سود خوری، رشوت خوری کے معاصی تو نہیں ہوتے لیکن دوسرے امراض باطنیہ کے آثار بہت پائے جاتے ہیں، الا ماشاء اللہ۔"

آپ کی زندگی میں اس قسم کے بے شمار واقعات ملتے ہیں ایک واقعہ مفتی عبدالسلام چاٹگامی لکھتے ہیں،

"ایک صاحب گھنگریالے بال والے توانا وتندرست ادھیڑ عمر کے آئے وہ پہلے بھی اکثر دفعہ حضرت مفتی صاحب کے پاس آجاتے اور پرچی لکھا کر لے جاتے تھے اس مرتبہ آئے تو بڑی لجاجت اور عاجزی کے ساتھ اپنی حاجت ظاہر کی ایک بڑی رقم کا مطالبہ تھا، آپ سے کہا فلاں متمول شخص کے نام رقعہ لکھ کر دے دیں تاکہ وہ مجھے مطلوبہ رقم دے دے، حضرت مفتی صاحب ٹالتے تھے وہ اصرار کرتے تھے آخر آپ نے ایک عام خط لکھ دیا اور کہا کسی کے پاس خاص طور پر نہیں لکھتا یہ بری بات ہے میں نے تمہاری ضرورت کے سلسلہ میں لکھ دیا ہے اس میں عام سفارش ہے اگر کام بن جائے تو بہتر ہے۔ وہ صاحب خط لے کر اپنے نامزد شخص کے پاس چلے گئے، گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد پھر آئے اور بڑے

ناراض تھے کہ اس نے صرف پانچ سو روپے دیئے ہیں۔ میری ضرورت تو زیادہ کی تھی، مگر یہ کہہ کر اس نے واپس کر دیا کہ تم لوگ مفتی صاحب کو تنگ کرتے ہو، انہوں نے رقعہ لکھ دیا میں نے ان کے رقعہ کی وجہ سے پانچ سو روپے دیئے ہیں ورنہ نہ دیتا۔ اس شخص نے پھر دو چار لوگوں کے نام رقعہ لکھنے کو کہا۔ ایک گھنٹے تک بیٹھا رہا لیکن حضرت مفتی صاحب اس سے معذرت کرتے رہے اور ہاتھ جوڑ کر فرمایا معاف کر دو میں اور نہیں لکھ سکتا۔ پھر وہ آدمی چلا گیا۔ مہینہ پندرہ روز کے بعد اس نے حضرت مفتی صاحب کے نام ایک خط لکھا اور اس میں غلیظ اور فحش گالیاں لکھ دیں۔ مفتی صاحب نے وہ خط ہمیں دیا کہ دیکھو اس دن کے چندہ مانگنے والے نے کیا لکھا ہے؟ میں نے اس کو پڑھا اور حیران تھا کہ اس شخص نے حضرت مفتی صاحب کو کیسی غلیظ گالیاں لکھی ہیں مفتی صاحب نے صرف اتنا فرمایا کہ چھوڑو ناراض ہوتا ہے ہونے دو میں کیا کروں۔"[1]

نیز حضرت مفتی صاحب کو پان کھانے کی عادت تھی جس کی وجہ سے آپ کے کپڑے پر عموماً پان کے نشان رہتے تھے اور پان کا ذوق آپ کو اتنا تھا کہ جب حضرت مفتی صاحب لیاقت آباد میں والدہ محترمہ کے ساتھ رہتے تھے تو والدہ محترمہ جو پیسہ کرائے کے لئے دیتی اس سے تو حضرت مفتی صاحب پان کھا لیتے اور لیاقت آباد سے بنوری ٹاؤن تک کا سفر پیدل طے فرماتے۔

---

(۱) رسالہ بینات

حضرت مفتی صاحب کا تبلیغی کام سے تعلق حمایت

اسی طرح حضرت مفتی صاحب تبلیغی کام سے بھی بے انتہا محبت فرماتے تھے اور اس کو جماعت حقانی فرماتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع میں بڑے اہتمام کے ساتھ تشریف لے جاتے اور دوسروں کو بھی جانے کی ترغیب دیتے تھے۔ اسی طرح تبلیغی مرکز (کراچی) میں بھی حضرت مفتی صاحب کے بیانات ہوئے جس میں لوگوں کو خوب ترغیب دیتے کہ اللہ کے راستے میں نکلو۔ اور دین سیکھو اسی میں نجات ہے۔ رائے ونڈ کے مدرسہ کے امتحان لینے کے لئے بڑے اہتمام کے ساتھ تشریف لے جاتے تھے علماء کے مجمع میں عموماً ارشاد فرماتے کہ تبلیغ میں نکلو اس میں خیر غالب ہے۔

نیز علماء سے ارشاد فرماتے ہیں کہ تبلیغ میں لگنے کے تین درجات ہیں۔

(۱) سب سے اعلیٰ تو یہ ہے کہ آدمی خود نکلے۔

(۲) اس سے کم یہ کہ دوسرے کو نکلنے کی ترغیب دیتا رہے۔

(۳) کم از کم اس کی مخالفت نہیں کرنا چاہیے یہ بہت ہی خطرے کی چیز ہے۔

وقتاً فوقتاً آپ مدرسہ میں بھی تبلیغی بیان فرماتے اور طلباء کو ترغیب دیتے کہ تبلیغ میں وقت لگاؤ دورہ حدیث والوں کو سال لگانے کو فرماتے متعدد علماء نے آپ کے ہی فرمانے پر تبلیغ میں سال لگایا۔ دورہ حدیث سے فارغ ہونے والے جب حضرت مفتی صاحب سے مشورہ کرتے کہ ہم فراغت کے بعد کیا کریں؟ تو ارشاد فرماتے کہ پہلے سال لگاؤ پھر مشورہ کرنا۔

کبھی ارشاد فرماتے کہ مدرسہ میں پڑھنے والوں کی تعداد عوام کے مقابل سو

میں سے ایک فیصد بھی نہیں۔ باقی جو دین سے دور ہیں جن میں دین کی طلب نہیں ان میں دین کیسے آئے؟ اس کے لئے صرف تبلیغ ہی کا کام ہے کہ ان لوگوں میں محنت کریں ان میں دین داری پیدا ہو۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ علیہ جو مدرسہ کہ بانی تھے وہ بھی طلبہ کو وقتاً فوقتاً تبلیغ میں نکلنے کی ترغیب دیا کرتے تھے مولانا کا ایک مضمون جو بینات میں شائع ہوا اس سے بھی حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ علیہ کہ تبلیغی جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی رائے:

فریضہ دعوت و تبلیغ میں کوتاہی

عرصہ دراز سے امت محمدیہ ﷺ سے ایک اہم تقصیر ہو رہی ہے اور خیر القرون کے بعد سے ہی اس تقصیر کی بنیاد پڑ گئی تھی یعنی ''تبلیغ دین'' اور 'دعوت الی اللہ'' میں قابل حسرت کوتاہی ہو رہی ہے، دعوت و ہدایت دین اسلام کا اساسی اصول ہے، جب دعوت ناکام ہو اور اس کی اشاعت کے راستے میں روڑے اٹکائے جائیں تو ''جہاد و قتال'' کی نوبت آتی ہے، قرون اولی کے سلف صالحین گفتار سے زیادہ اپنے کردار سے یہ دعوت پیش کرتے رہے، قوت بیانی سے پہلے اخلاقی و ایمانی قوت نے دعوت دیتے رہے، ہر ایک صحابی سر سے پیر تک اسلامی اخوت، اسلامی مواسات اور اسلامی اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھا، دنیا میں اسلام آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے دینی حسن و

جمال اور حسن اخلاق کے کمال سے پھیلا، تلوار کے زور سے نہیں پھیلا، صاحب انصاف وصاحب عقل وبصیرت مورخ اس سے بے خبر نہیں، اگر مسلمان اس اہم فریضہ میں کوتاہی نہ کرتے تو شاید تمام عالم مسلمان ہوتا، تکوینی مصالح تو حق تعالی ہی جانتا ہے تاہم دنیا کے مزاج میں کفر واسلام کے امتزاج سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن جہاں تک عقل اور اسلامی اصولوں کا تقاضا ہے وہ یہی ہے جو کچھ عرض کیا جارہا ہے، چنانچہ اپنے اثرات کے اعتبار سے دیرپا اسلام وہی رہا جو دعوت وارشاد کے راستوں سے پھیلا ہے، اسلامی فتوحات کے ادوار میں یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ حضرات صحابہ کے عہد میمون میں جو ممالک اسلام کے زیر نگین آئے وہ آج تک اسلام پر قائم ہیں اور بعد میں سلاطین اسلام کی تلوار سے جو مسلمان ہوئے وہ یکے بعد دیگرے اسلام سے نکلتے جارہے ہیں، نیز یہ فرق بھی واضح ہے کہ قرون اولی کے مفتوحہ ممالک میں عقائد کی پختگی آج بھی باقی ہے، اگرچہ اعمال واخلاق میں یورپ کی نقالی کا رنگ غالب ہے، اس کے برخلاف جو ممالک بعد میں سلاطین اسلام اور ملوک اسلام کے زور تلوار سے فتح ہوئے ان میں عقائد کی خامی واضح ہے اگر کہیں اعمال ظاہری میں بظاہر پختگی بھی نظر آئے تو کریدنے کے بعد معلوم ہوگا کہ قلبی عقیدہ اتنا کھوکھلا ہو چکا ہے کہ ایک دھکے سے ختم ہو جاتا ہے، دراصل ابتدائی دور کی فتوحات میں اخلاص نمایاں تھا، انھوں نے اگر جہاد بھی کیا تو وہ بھی صرف اس غرض سے تھا ''لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا '' تاکہ صرف حق تعالی کا دین غالب ہو اس لئے ان فتوحات

کی برکات سے مسلمانوں کے عقائد میں پختگی پائی جاتی ہے اور جو ملک بعد میں فتح ہوئے ان میں اخلاص کا وہ درجہ نہ تھا، بلکہ ملوکیت اور شان وشوکت کی آمیزش تھی اس لئے وہ دینی تصلب حاصل نہ ہوسکا، کہنا یہ تھا کہ دعوت وارشاد میں امت مقصر رہی ہے اور آج جو نقشہ اسلام اور مسلمانوں کا ہے اسی تقصیر کے نتیجے میں ہے۔

حق تعالی کی ہزاروں رحمتیں ہوں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی روح پہ جنھوں نے مسلمانوں کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور اس سبق یاد دلانے میں ہی فنا ہو گئے اگر کوئی فنا فی اللہ فنا فی الرسول ﷺ فنا فی الشیخ کے مظاہر کو سمجھنا چاہتا ہے تو حضرت مرحوم کو دیکھ لے کہ کس طرح فنا فی التبلیغ ہو گئے تھے کہ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ایک ہی فکر دامن گیر تھی تمام زندگی اور تمام افکار انفاس اسی مقصد کے لئے وقف تھے۔ حق تعالی نے ان کی جانفشانی وایثار واخلاص وجدوجہد کو قبول فرمایا اور چاردانگ عالم میں اس کے ثمرات وبرکات پھیل گئے۔ (۱)

سراپا شفقت ہی شفقت

جس طرح نبی کریم ﷺ کے بارے میں حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں دس سال رہا مگر کبھی بھی مجھے آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام کیوں کیا؟ اور یہ کام کیوں نہیں کیا؟

اسی طرح حضرت مفتی کے ساتھ رہنے والے کہتے ہیں کبھی آپ اپنے ماتحتوں کو ڈانٹتے نہیں تھے۔ ہمیشہ درگزر کا ہی معاملہ فرماتے تھے۔

ایسے معمولی قسم کے لوگ جن کی طرف لوگ توجہ بھی نہیں کرتے تھے حضرت مفتی

(۱) بینات ماہ شوال ۱۳۹۲ھ

صاحب ان سے بھی بہت ہی زیادہ شفقت سے پیش آتے تھے اور ایسے لوگوں کے لئے بھی حضرت مفتی صاحب چائے وغیرہ منگواتے اور ان کا اکرام فرماتے تھے۔
حضرت مفتی صاحب کا ایک تکیہ کلام تھا جو ٹونک زبان میں بیوقوف کو کہتے ہیں یہ اردو میں اگرچہ گالی ہے اس لئے ہمارے لئے کہنا یہ اچھا نہیں ہے حضرت مفتی صاحب تو اپنی ٹونک زبان میں بطور مذاق فرماتے کہ میں بھی چوتیہ ہوں اور میرے ملنے والے بھی سارے چوتیہ ہیں۔اس سلسلہ میں مفتی عبدالسلام چاٹگامی فرماتے ہیں،

''حضرت مفتی صاحب تمام اساتذہ اور طلباء کے لئے یکساں خیر خواہ استاد تھے اور سب کے لئے بڑے مشفق باپ کی طرح تھے، ہر استاد کے رنج سے رنجیدہ اور ہر طالب علم کے غم سے غمگین ہوتے تھے صرف یہی نہیں کہ کسی کے غم اور پریشانی سے وہ پریشان ہوتے بلکہ اپنے بس کی بات ہوتی تو استاد یا طالب علم کی پریشانی کو دور فرمانے کی کوشش بھی کرتے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ جامعہ کے ایک استاد شدید ضرورت مند تھے، حضرت الاستاد مفتی صاحب رحمہ اللہ سے آکر دارالافتاء میں ذکر کیا، آپ ان کی بات سن کر پہلے بہت متاثر ہوئے پھر فرمایا دیکھتا ہوں، ایک آدمی سے قرض لے کر آپ کو دیتے ہیں واپس کب کریں گے؟ ان استاد صاحب نے کہا مہینہ کے اندر اندر دینے کا ارادہ ہے۔ اگر نہ ہوسکا تو انشاء اللہ دو مہینہ کے اندر تو ضرور ادا کردوں گا۔ پھر حضرت مفتی صاحب نے ان استاد سے فرمایا چلیں میرے ساتھ میں نے عرض کیا حضرت ابھی

تو سبق کا وقت ہے اگر کہیں جانا ہے تو سبق کے بعد جائیں گے بہتر رہے گا، آپ نے فرمایا دور نہیں جانا ہے سبق کا حرج نہ ہوگا۔ چنانچہ اپنے متعلق متمول شخص کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے ذکر کیا مجھے کچھ روز کے لئے کچھ رقم قرض چاہیے،، چونکہ ضرورت مند استاد صاحب بھی حضرت مفتی صاحب کے ساتھ تھے وہ متمول شخص ان کو بھی جانتے تھے اس لئے ان صاحب نے مفتی صاحب سے کہا آپ بھی عجیب شخصیت ہیں ہر کسی کے کام میں آتے ہیں۔ یہ فرما کر مطلوبہ رقم دیدی اور فرمایا اس کو واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے پھر وہ رقم لے کر ان استاد کو دیدی۔ پھر آپ سبق پڑھانے تشریف لے گئے۔ سبق کے بعد جب واپس دارالافتاء میں تشریف لائے، چہرہ پر بشاشت تھی، بہت خوش نظر آرہے تھے، میں نے عرض کیا حضرت آج بہت خوش نظر آرہے ہیں، کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس استاد صاحب کی ضرورت پوری ہوگئی۔اس کی حالت دیکھ کر میں بہت پریشان تھا اللہ نے آسانی کردی، کام بن گیا۔

یہ تھی آپ کی طبیعت کہ دوسروں کے غم سے غمگین ہوتے پھر اس کو دور کرنے کی کوشش میں لگ جاتے تھے۔ بقول شاعر ؎

کہاں سے آئیں گے ایسے خلوص کے پیکر
زبان میں جن کے محبت کی چاشنی دیکھیں

بے شمار حضرات کے لئے آپ نے ایسی ہی سفارش کی، ان کا تعلق خواہ علماء سے

ہو طلباء سے یا عوام سے۔ کتنے ہی لوگوں نے آپ سے سفارشیں کروائی ہیں۔ کسی نے ملازمت کے لئے، کسی نے چندے کے لئے، کسی نے دوسرے امور کے لئے ان کا شمار بھی مشکل ہے۔ ممکن ہے بہت سے غلط آدمی بھی اس میں آجاتے ہوں، لیکن آپ کی ہمدردی ہر پریشان آدمی کے ساتھ ہوتی تھی۔ (۱)

ایک مرتبہ حج کے موقعہ پر حضرت مفتی صاحب بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور جب سجدے میں تشریف لے گئے تو کسی نے ازدحام کی وجہ سے اپ کے سر پر پاؤں رکھ دیا۔ اس کی وجہ سے کافی تکلیف ہوئی کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا ہوا کسی کی شکایت کرنے کے بجائے اپنی طرف منسوب کر کے فرمانے لگے کہ میرے سر کی خناسیت نکلی ہے۔

زہد وقناعت اور استغناء نفس:

حضرت مفتی صاحب کی زندگی میں قناعت اور استغناء تکلفاً نہیں بلکہ فطری تھا۔ کبھی دنیا کی طرف نظر نہیں کی۔ لوگ آپ کو ہدایہ دیتے تو آپ قبول نہ فرماتے اگر قبول بھی فرماتے تو اس کو دوسرے کو مرحمت فرمادیتے اپنے پاس نہیں رکھتے تھے۔

آپ کو بہت سی جگہوں سے بڑے بڑے مشاہرہ کی پیش کش آتی مگر آپ نے ان سب کو ٹھکرا کر معمولی مشاہرے پر اپنی زندگی گزار دی۔

شروع میں جب جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن تشریف لائے تو ایک موقعہ پر مدرسہ کے خزانے میں پیسے نہیں تھے حضرت مولانا علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے صاف صاف فرمایا کہ مدرسہ میں پیسے نہیں جو جانا چاہتا ہے چلا جائے میری طرف سے خوشی

(۱) بینات جمادی الاولی ۱۳۹۶ھ

سے اجازت ہے۔ حضرت مفتی صاحب وہاں ہی رہے جب کہیں سے دو ماہ کے بعد پیسے آئے اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے ان میں گذشتہ مہینوں کا مشاہرہ دینا چاہا اس پر حضرت مفتی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں یہاں مشاہرہ لینے کے لئے نہیں آیا میں تو چنے چباؤں گا اور پڑھاؤں گا حضرت مولانا بنوری صاحب نے بہت دینا چاہا مگر حضرت مفتی صاحب نے نہیں لیا اور کہا کہ وقت تو گزر گیا۔

دل فقر کی دولت سے مرا اتنا غنی ہے
دنیا کے زر و حال پہ میں کفر نہیں کرتا

دنیا سے بے رغبتی کے بارے میں مفتی عبدالسلام فرماتے ہیں،

''۱۹۷۳ء کا واقعہ ہے ایک دفعہ ایک صاحب ہاتھ کی گھڑی اور ایک شیروانی حضرت مفتی صاحب کے لئے لائے۔ اس کے بعد وہ شخص تھوڑی دیر بیٹھے، آپ نے ان کو چائے پلائی پھر وہ آدمی چلے گئے۔ دارالافتاء میں میرے علاوہ اور دو آدمی تھے۔ (اب ان میں سے دنیا میں کوئی نہیں ہے،) مجھے فرمایا تمھارے پاس گھڑی ہے میں نے عرض کیا گھڑی ابھی تک لی نہیں۔ ہمارے علاقے میں طلباء میں گھڑی استعمال کرنے کی عادت کم ہے۔ کیوں کہ وہ اچھی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے اس لئے نہیں خریدی۔ یہاں پر اب تک خریدی نہیں ہے، فرمایا یہ گھڑی تم پہن کر دیکھو میں نے عرض کیا حضرت یہ چیزیں تو آپ کے لئے آئی ہیں، لہٰذا آپ ہی پہن لیں، آپ نے فرمایا پہنو تو سہی، میں نے وہ گھڑی لے کر ہاتھ پر باندھ لی، آپ نے فرمایا تمھیں اچھی لگتی ہے۔ یہ گھڑی تم لے

لو بہر حال استاد تھے۔ جب آپ نے زور دے کر فرمایا تو میں نے گھڑی تو لے لی البتہ شیروانی وہیں پڑی رہی۔ آپ سبق پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے جب واپس تشریف لائے تو مجھ سے فرمایا شیروانی کس کو دوں؟ اٹھائی اور فرمایا یہ بھی تم لے لو اور کہا کہ پہن کر دیکھو میں نے پہن کر دیکھا سائز میں بڑی تھی۔ میں نے عرض کیا یہ تو بڑی ہے۔ آپ نے فرمایا بعد میں پہن لینا۔ بہر حال دونوں چیزیں آپ نے مجھے عنایت فرمادیں۔"

ایک مرتبہ ایک آدمی نے حضرت مفتی صاحب اور ایک استاد کو رومال ہدیے میں دیے۔ حضرت مفتی صاحب کو جو رومال دیا وہ زیادہ قیمت کا تھا اور خوبصورت تھا اور دوسرا رومال کم قیمت تھا۔ ہدیہ دینے والے صاحب جب اٹھ کر چلے گئے تو کم قیمت رومال والے استاد صاحب نے کہا مفتی صاحب! آپ کا رومال بہت خوبصورت ہے، آپ نے ہنس کر فرمایا اگر آپ کو پسند ہے تو آپ لے لیں، استاد صاحب نے ادبا انکار فرمایا مگر حضرت مفتی صاحب کے ذہن میں بات رہی اپنے صاحبزادے مولوی سجاد صاحب سے فرمایا فلاں استاذ کو میرا یہ رومال دیدینا، انھوں نے وہی رومال ان استاد صاحب کو پہنچادیا۔

ایک مرتبہ ختم بخاری کے موقع پر مولانا سعید احمد اکبر آبادی اور دوسرے بڑے بڑے علماء بھی شریک تھے۔ ایک استاذ نے حضرت مفتی صاحب سے کہا کہ میرے پاس ایک قیمتی جبہ ہے۔ آج کے روز اگر آپ پہنیں گے تو میری طرف سے ہدیہ ہے، آپ نے فرمایا مجھے ان چیزوں سے دلچسپی نہیں۔ استاد صاحب نے اصرار کیا کہ حضرت ایسی علمی مجلس ہے جس میں بہت سے علماء باہر سے شریک ہیں، حضرت مولانا

بنوریؒ صاحب رحمہ اللہ بھی پہنتے تھے کیسے خوبصورت معلوم ہوتے تھے۔ آپ نے فرمایا وہ بڑے لوگ تھے۔ پھر مذاقاً فرمایا بھائی جبہ میں کیا رکھا ہے ان چیزوں کو چھوڑو، پھر ان استاذ صاحب نے عاجزی وانکساری سے درخواست کی کہ آپ جبہ قبول کر لیں۔ اور کم از کم ختم بخاری کی اس تقریب میں پہن لیں آپ کے ہاتھ میں وہ جبہ دیدیا اور کہا یہ آپ کو ہدیہ ہے۔ ابھی آپ جامعہ کے دفتر میں بیٹھے تھے، جبہ آپ کے کندھے پر تھا، جامعہ کے ایک دوسرے بڑے استاذ آئے اور حضرت مفتی صاحب سے کہا یہ جبہ کیسا؟، حضرت مفتی صاب تو جبہ پہنتے نہیں، حضرت مفتی صاحب نے فرمایا آپ کو پسند ہے تو آپ لے لیں۔ آپ جبہ پہنتے ہیں آپ کو اچھا لگتا ہے۔ آپ ہی لے لیں، چنانچہ آپ نے وہی قیمتی جبہ ان دوسرے استاد صاحب کو دے دیا۔

حضرت مفتی ولی حسنؒ علماء کی نظر میں

تمام علماء اور عوام کی طرف سے ۱۹۸۳ء میں مفتی اعظم پاکستان کا لقب دیا گیا۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں کہ، مفتی ولی حسن فقہی نظر اور فضیلت کی وجہ سے خاص اعتبار اور شہرت رکھتے ہیں۔[1]

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں،

"فقیہ العصر ہیں۔"[2]

نیز کبھی علامہ بنوریؒ فرماتے،

"مفتی ولی حسن صاحب علم، صاحب بصیرت، صاحب فہم مفتی ہیں۔"

---

(۱) پرانے چراغ ج ا ص ۲۰۰

(۲) اشاعت خاص علامہ بنوری نمبر ص ۲۳۳

نیز یہ بھی فرماتے کہ،

''میرا دل چاہتا ہے کہ مفتی صاحب سے ترمذی پڑھوں۔''

مفتی احمد الرحمٰن (۱) سابق مہتمم بنوری ٹاؤن فرماتے ہیں۔

---

(۱) مفتی احمد الرحمٰن (مہتمم دوم بنوری ٹاؤن) کے مختصر حالات

ولادت باسعادت: ۶ رجب ۱۳۵۸ھ بمطابق ۲۲ اگست ۱۹۳۹ء کو پیدا ہوئے۔

والد کا نام مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری تھا جو اپنے وقت کے عظیم محدث اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے اجل خلفاء میں سے تھے نیز ان کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ حضرت تھانوی نے ان کو بیعت ہونے سے پہلے ہی خلافت عطا فرمائی تھی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم والد صاحب کے زیر سایہ رہ کر پاکستان کے مختلف مدارس میں حاصل کی آخر میں دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی اور پھر جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں حاصل کی۔

اور پھر حضرت مفتی ولی حسنؒ سے افتاء کی تربیت حاصل کی اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں مفتی اور مدرس بنے۔

شادی: ان کی شخصیت کو مولانا یوسف بنوریؒ نے پرکھ لیا کہ عنقریب یہ جمیع جمال وجلال اور مرقع محبوبیت بننے والا ہے۔ انہوں نے ان کو اپنی بیٹی نکاح میں دے کر اپنا داماد بنالیا۔

کہاں سے ابتداء کیجئے بڑی مشکل ہے درویشو　　　کہانی عمر بھر کی اور جلسہ رات بھر کا ہے

کارنامے: مولانا یوسف بنوریؒ ان کے علمی کمالات کے بے حد معترف اور قدر دان تھے اور انہوں نے اپنی زندگی میں اپنا جانشین مقرر فرمادیا۔

مدرسہ کے مہتمم بنتے ہی جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں چار چاند لگ گئے اور اس کی نئی نئی شاخیں قائم ہونے لگیں۔ مثلاً گلشن عمر سہراب گوٹھ، مدرسہ عربیہ اسلامیہ (ملیر)، بلال کالونی کورنگی میں، مدرسہ رحمانیہ پاپوش نگر، بھمد میں بھی ایک شاخ قائم فرمائی جس میں طلباء کا خوب رجوع ہوا۔ آپ متعدد مدارس کے سرپرست بھی تھے۔ نیز اس مدرسہ کی مصروفیات کے علاوہ ختم نبوت کے نائب امیر بھی تھے اور وفاق المدارس میں پہلے نائب صدر اور پھر ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔

''حضرت مفتی صاحب بڑے پائے کے محقق عالم اور فقیہانہ ذوق رکھتے تھے۔''

مولانا یوسف لدھیانویؒ شہید فرماتے ہیں،

''حضرت مفتی صاحب ہمارے مخدوم ومحترم الشیخ الفاضل العلامہ الفقیہ القاضی المفتی تھے۔''

کبھی فرماتے کہ،

''مفتی صاحب کے علم وفضل اور فقہ اور علوم نبویہ ﷺ میں ان کی مہارت

اسی طرح سواد اعظم اہل سنت کے نائب صدر بھی تھے اور متحدہ سنی محاذ کے امیر بھی منتخب ہوئے۔

الغرض مفتی صاحب اپنی ذات کے لحاظ سے ایک انجمن تھے۔

بیعت وخلافت: ان تمام مشاغل کے ساتھ ساتھ اصلاح وارشاد کا سلسلہ بھی قائم تھا حضرت اقدس مولانا فقیر محمد پشاوری خلیفہ حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانوی نے خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ مفتی صاحب سوموار کی شام کو عصر کی نماز کے بعد مدرسہ کے مہمان خانہ میں حلقہ ارشاد وتلقین فرماتے تھے جس سے لوگوں کو خوب فائدہ ہوا۔

وفات: ۱۳ رجب ۱۴۲۱ھ کو دوپہر کے وقت دارالعلوم کورنگی تشریف لے گئے اور وفاق کے سلسلہ میں مفتی محمد رفیع عثمانی سے کافی دیر تک گفتگو فرمائی اور پھر رات مغرب کے بعد جامعہ بنوریہ عالمیہ (مہتمم مفتی نعیم صاحب) میں مشکوۃ شریف کے ختم کی تقریب میں آخری حدیث کا درس دیا اور پھر دعا میں خوب رو رو کر دعا کی کہ پورا مجمع بھی روتا رہا اس دن خاص کر حسن خاتمہ کی خوب دعا مانگی۔ ساڑھے نو بجے اپنے گھر میں واپسی ہوئی۔ رات بارہ بجے سینے میں درد محسوس ہوا۔ وہ درد تیز ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ رات تین بجے ایمبولینس کے ذریعہ امراض قلب کے ہسپتال میں لے جایا گیا مگر سانس ختم ہوچکی تھی اور وقت موعود آچکا تھا اور آپ اس دنیا فانی سے رخصت ہوگئے۔

نماز جنازہ: مفتی احمد الرحمٰن کے بڑے بھائی مولانا قاری سعید الرحمٰن نے پڑھائی جنازے میں بہت زیادہ ہجوم دیکھنے میں آیا اور اپنے جانشین مولانا یوسف بنوری کے پہلو میں ہی مدفون ہوئے۔

وصداقت کا ایک زمانہ قائل تھا۔"(۱)

حضرت مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ فرماتے ہیں،

"حضرت مفتی صاحب فقہ وحدیث کے پہاڑ اور ادب عربی اور دیگر علوم کے بحر ذخار تھے۔"(۲)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب اپنے زمانے میں علماء کے قائد تھے جو بات بھی حضرت مفتی صاحب فرماتے سب کے نزدیک وہ قابل قبول ہوتی تھی۔

حلیہ مبارکہ

قدرت نے حضرت مفتی صاحب کو حسن صورت سے بھی نوازا تھا۔ متوسط قد، سینہ کشادہ، رنگ گورا چٹا، گھنی ڈاڑھی، ناک ستواں، خوبصورت چہرہ کسی قدر گولائی لیے ہوئے تھا۔ چہرے میں ایک خاص قسم کی چمک تھی نیز چہرے سے عظمت وجلال کے آثار نمایاں تھے، آواز بلند اور رعب دار تھی۔ بیان نہایت فصیح وبلیغ ہوتا تھا البتہ زبان میں معمولی سی لکنت تھی مگر یہ لکنت بیان کی فصاحت میں کمی پیدا کرنے کے بجائے مزید حسن پیدا کرتی تھی۔

---

(۱) شخصیات وتاثرات ۱۰۶

(۲) رسالہ بینات

تصانیف

حضرت مفتی صاحب کو اللہ نے جہاں پر دوسرے بہت سے بے شمار کمالات سے نوازا تھا وہاں ان میں تصنیف وتالیف کا شغف بھی تھا اگرچہ آپ کی تصانیف کم ہیں مگر انتہائی اہم اور ضروری موضوعات پر ہیں آپ اس فن کے بھی شہسوار تھے حضرت شیخ الحدیث مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ مجھ کو تحریر لکھنے کا سلیقہ حضرت مفتی صاحب نے ہی سکھایا تھا چنانچہ وہ فرماتے ہیں،

"حضرت مفتی صاحبؒ ہی کے حکم پر احقر نے اپنا سب سے پہلا مقالہ تحریر کیا جس کا عنوان تھا "رسول کریم ﷺ سب سے بڑے شارح تھے" یہ ناظم آباد میں ہونے والے ایک مذاکرہ کے لئے لکھا گیا تھا۔ اس مذاکرے میں شہر کے مختلف تعلیمی اداروں کے طلبہ کو اسی موضوع پر تقریر اور مقالہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ تم اس موضوع پر لکھو۔ لکھنے کا طریقہ بھی خود ہی تلقین فرمایا۔ مواد بھی بتایا اور لکھنے کے بعد اس کی اصلاح بھی فرمائی۔ یہ مقالہ مذاکرے میں پیش ہوا اور اسے پہلے انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ میں نے حضرت مفتی صاحبؒ سے دریافت کیا کہ قرآن کریم کی آیت:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

میں آنحضرت ﷺ کے وجود پاک کو صرف انسانوں کے لئے نہیں بلکہ پوری کائنات کے لئے رحمت قرار دیا گیا ہے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا

کہ کائنات کے بے شعور موجودات مثلاً چاند، ستاروں، دریا، پہاڑ، سمندر کے لئے آپ کے رحمت ہونے کا کیا مطلب ہے؟ حضرت مفتی صاحبؒ نے جواب دیا کہ جن موجودات کو ہم بے شعور سمجھتے ہیں وہ بھی اپنے وجود کی مناسبت سے کچھ نہ کچھ شعور ضرور رکھتی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے ارشاد فرمایا۔

وان من شی الا یسبّح بحمدہ ولکن لا تفقهون تسبیحهم

دوسری طرف کائنات کی تمام موجودات کے لئے باعث رحمت یہ امر ہے کہ دنیا دین فطرت کے مطابق چلے، آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے یہ مقصد حاصل ہوا اور زمانہ اپنی فطرت پر لوٹ آیا۔ پھر حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے جو ارشاد فرمایا،

الزمان قد استدار کهیئة یوم خلق السموت و الارض

اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ زمانہ اپنی فطری تخلیق کی حالت پر لوٹ آیا ہے۔ یہ تشریح بڑی دل نشین انداز میں فرمانے کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے احقر سے فرمایا یہ بات تم ایک مضمون کی شکل میں کیوں نہیں لکھ دیتے؟ چنانچہ حضرت ہی کے ایماء پر میں نے اپنا دوسرا مضمون لکھا جن کا عنوان تھا ''جو سب کے لئے رحمت ہیں'' یہ مضمون ایک ادبی ماہنامے ''فکرِ نو'' میں تین قسطوں میں شائع ہوا۔ اس طرح تحریر و تصنیف کے میدان میں مجھ ناکارہ کو حضرت مفتی صاحبؒ نے ہاتھ پکڑ کر چلنا سکھایا۔

حضرت مفتی ولی حسنؒ کی تصانیف کا مختصر تعارف:

حضرت مفتی صاحب نے مستقل تو پانچ کتابیں لکھیں اور اس کے علاوہ متعدد رسالوں میں مقالے اور متعدد کتابوں پر تقاریظ لکھیں ہیں۔ آپ کی تصانیف کے اسماء گرامی:

(۱) تذکرہ اولیائے پاک و ہند۔ (۲) بیمہ کی حقیقت۔ (۳) فتنہ انکار حدیث۔
(۴) قربانی کے مسائل۔ (۵) عائلی قوانین شریعت کی روشنی میں۔

(۱) تذکرہ اولیائے پاک و ہند:

اس کتاب میں پاکستان اور ہندوستان کے ۱۹ اولیاء اللہ کے حالات بڑے بہترین انداز میں جمع کئے گئے ہیں کتاب کے صفحات ۱۷۶ ہیں اور یہ ادارۃ الاسلامیات لاہور سے شائع ہوئی ہے عام مل جاتی ہے۔ جس کے سرورق پہ یہ لکھا ہوا ہے،

''جس میں اولیاء کرام و صوفیائے عظام کے حالات زندگی نہایت تحقیق و جستجو کے بعد مستند تاریخ کی روشنی میں تحریر کئے گئے ہیں اور ان قابل احترام حضرات کے روحانی کمالات اور علمی و عملی خصوصیات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ ان حضرات کے وجود گراں مایہ نے عالم انسانیت اور خصوصاً براعظم پاکستان و ہندوستان کے رہنے والوں کو کیا فیض پہنچایا اور مختلف حیثیتوں سے کیسی جلیل القدر خدمات انجام دی ہیں۔''

(۲) بیمہ کی حقیقت:

حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ کے مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کے ممبر ہونے کی

حیثیت سے جدید پیش آمدہ مسائل کے حل کے حوالہ سے بھی مسائل کا ایک بڑا حصہ حضرت کا ایک عظیم علمی کارنامہ ہے منجملہ ان جدید مسائل میں سے ایک ''بیمہ زندگی'' نامی رسالہ ہے اس رسالے میں سوالنامہ کے حضرت ؒ نے بیمہ کی حقیقت، اس کا شرعی حل، اس کی ابتداء و آغاز اور انجام کو واضح فرمایا ہے۔ اس رسالہ میں حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کی عبارات سے یہ واضح کر دیا ہے کہ بیمہ (یعنی یقین دہانی کروانا) خواہ وہ کسی کا بھی ہو زندگی کا بیمہ ہو، املاک کا بیمہ ہو، ذمہ داری کا بیمہ ہو یا دوسری کسی چیز کا بیمہ ہو بہرحال یہ ایک سودی معاملہ ہونے کے ساتھ ساتھ دھوکہ بھی ہے جو کہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے البتہ اس کو حضرت ؒ کے بیان کردہ اصولوں کے تحت کیا جائے تو وہ جائز اور درست بھی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ شرائط اور اصول قرآن وحدیث سے ہی ماخوذ ہیں۔ یہ رسالہ بھی بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔

(۳) فتنہ منکر حدیث:

جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی صدارت کے لئے غلام احمد پرویز کا نام لیا جا رہا ہے اس سے علماء حق کو بہت افسوس ہوا۔ خود غلام احمد پرویز ایک بہت بڑا فتنہ تھا جج صاحبان کی ایک بڑی تعداد اور پڑھے لکھے لوگوں میں اس کا بہت ہی زیادہ اثر ہو رہا تھا کیونکہ لوگ یہ چاہتے تھے کہ ہم بھی پرویز کی طرح عربی زبان سے ناواقفیت بلکہ جہالت کے باوجود اجتہاد کے منصب جلیل پر فائز ہوں اور کہیں کہ اجتہاد کے لے عربی زبان جاننے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

ان حالات کے پیش نظر مولانا محمد یوسف بنوری ؒ نے حضرت مفتی ولی حسن کو مقرر کیا کہ پرویز کی لکھی ہوئی کتابوں کو دیکھ کر تنقیحات قائم کریں اور پھر قرآن مجید اور ادلہ

شرعیہ سے اس کا جواب لکھ کر ایک متفقہ فتوی تحریر کریں اور پھر اس فتوی پر علماء کرام سے دستخط لیے جائیں تو حضرت مفتی صاحب ؒ نے بہت ہی محنت سے پرویز ہی کی کتابوں سے فتوی تیار کیا اور پھر پاکستان ہندوستان بنگلہ دیش اور علماء عرب سے اس پر دستخط کروائے۔ جس کے نتیجے میں الحمدللہ یہ ابھرتا ہوا فتنہ زیر زمین دفن ہو گیا۔

(۴) قربانی کے احکام ومسائل:

اس کتابچہ میں حضرت مفتی صاحب نے قربانی کے اہم مسائل کو حوالوں کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ اس میں قربانی کے مسائل جانور کو ذبح کرنے کا طریقہ قربانی کے گوشت کو تقسیم کرنے کے مسائل اور آخر میں قربانی کے جانور کی کھالوں کے مسائل کو بہت ہی آسان انداز میں تحریر فرمایا ہے۔

(۵) عائلی قوانین شریعت کی روشنی میں:

کتاب کے صفحات 400 ہیں اور مجلس دعوت وتحقیق اسلامی علامہ بنوری ٹاؤن سے چھپی ہے اس کتاب کے لکھے جانے کا سبب یہ بنا کہ جب جنرل ایوب خان جو مارشل لاء لگا کر پاکستان کے صدر بنے تو اس دور میں انھوں نے عائلی قوانین ایکٹ جو قرآن وحدیث کے بالکل خلاف تھے جاری کروایا اور اس کو نافذ کروایا اس وقت پاکستان بھر میں اس کے خلاف علماء نے آواز بلند کی اور ہر ایک نے اس کے خلاف جو کچھ ہو سکتا تھا وہ کیا اسی موقعہ پر حضرت علامہ محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری نے حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی کو حکم دیا کہ عائلی قوانین پر قرآن وحدیث اور شریعت کی روشنی میں غور کریں اس پر حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی نے اس عائلی قوانین پر تفصیل

سے بحث فرمائی جو ماہانہ رسالہ بینات میں چھپتا رہا۔ اور پھر اس کو بعد میں الگ کتاب کی شکل میں بنام "عائلی قوانین شریعت کی روشنی میں" چھپی اور یہ حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی کا ہی حق تھا جو انھوں نے ادا کیا کتاب ہر ایک کے لئے اہمیت کی حامل ہے۔

مفتی صاحب کے چند اہم مضامین

(۱) حضرت مفتی صاحب کا ایک اہم مضمون جو حضرت مفتی صاحب نے البلاغ رسالہ کے اجراء پر وہاں کی انتظامیہ کے اصرار پر لکھا تھا جو البلاغ رسالہ میں محرم ۱۳۸۷ھ میں چھپا تھا۔

سلف کا خوف آخرت

خوف آخرت ہی در حقیقت گناہوں سے بچانے کا ذریعہ ہے، دلوں میں خوف آخرت کی روح جب تازہ تھی اور آخرت کی جواب دہی کا جذبہ غالب تھا، تو مسلمان کے اخلاق و اعمال آج سے مختلف تھے، ان کی زندگی ایمان و عمل کی ضیاء پاشیوں سے منور تھی۔

لیکن آج یہ جذبہ سرد پڑ چکا ہے، اسی لئے ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوب چکی ہے، ہمارے سلف خوف آخرت جذبہ سے سرشار تھے، اس مختصر مضمون میں اس سلسلہ کے چند واقعات کی نشاندہی کی کوشش کی گئی ہے شاید ہمارے دل بھی اس متاع گمشدہ سے دوبارہ بہرور ہو جائیں اور ہماری زندگیاں پھر سے حیات نو حاصل کرلیں۔

ہمارے اسلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہ، تابعین، ائمہ کی صفات کا سرچشمہ حضور کریم ﷺ کی ذات اقدس تھی بلکہ ان نفوس قدسیہ پر آپ ﷺ ہی کی صفات کا عکس تھا اس لئے ہم اس سلسلہ کی ابتداء آپ ﷺ ہی کے ذکر جمیل سے کرتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خاتم الانبیاء، افضل رسل محبوب خاص تھے، تاہم خوف آخرت کا عالم یہ تھا کہ فرمایا کرتے کہ مجھ کو کچھ نہیں معلوم کہ میرے اوپر کیا گزرے گی۔" آپ ﷺ کے رضاعی بھائی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے جب وفات پائی تو آپ ﷺ تعزیت کو تشریف لے گئے، نعش رکھی تھی، ایک عورت نے نعش کی طرف مخاطب ہو کر کہا، خدا گواہ ہے کہ خدا نے ان کو نوازا، آپ ﷺ نے فرمایا تم کو کیونکر معلوم ہوا بولیں، خدا نے ان کو نہیں نوازا تو اور کس کو نوازے گا؟ ارشاد ہوا کہ مجھ کو بھی ان کی نسبت بھلائی کی توقع ہے، لیکن پیغمبر ہو کر بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔(۱)

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے بال پکنے (سفید ہونے) لگے، فرمایا: مجھے سورہ ہود، واقعہ، المرسلات اور عم یتساءلون نے بوڑھا کر دیا(۲) (ان سورتوں میں قیامت، حشر، نشر کے واقعات مذکور ہیں)

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ جب دو تہائی رات گذر جاتی تو یہ الفاظ ادا فرماتے: "لوگو! خدا کو یاد کرو، خدا کو یاد کرو، زلزلہ آ رہا ہے، اس کے پیچھے پیچھے آنے والا آ رہا ہے، موت اپنے سامان کے ساتھ آ پہنچی، موت اپنے سامان کے ساتھ آ پہنچی۔"(۳)

آپ ﷺ فرمایا کرتے: "لوگو! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے ہوتے تو تم کو ہنسی کم اور رونا زیادہ آتا۔"(۴)

---

(۱) صحیح بخاری باب الجنائز

(۲) شمائل ترمذی باب ما جاء فی شیبہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۳) مشکوٰۃ المصابیح باب البکاء والخوف

(۴) صحیح بخاری بروایت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

ایک دوسری روایت میں زیادہ تفصیل ہے کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے:

"میں ایسی چیزوں کو دیکھتا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے، اور ایسی باتوں کو سنتا ہوں جن کو تم نہیں سنتے، آسمان چرچرا رہا ہے، اور اس کو چرچرانا چاہیے، چار انگل جگہ بھی ایسی نہیں ہے کہ جہاں کوئی فرشتہ اپنی پیشانی رکھے ہوئے سجدہ میں نہ ہو بخدا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے ہوتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ عورتوں سے لذت کوشی نہیں کرتے اور جنگلوں کی طرف اللہ کا نام لیتے ہوئے نکل کھڑے ہوتے۔"

اس حدیث کے راوی حضرت ابوذر غفاریؓ ہیں انھوں جب اس کو سنا تو فرمانے لگے: کاش میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ کر پھینک دیا جاتا۔ (۱)

ایک دفعہ آپ ﷺ نے نہایت موثر خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا:

"اے جماعت قریش! اپنی آپ خبر لو، میں تم کو خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، اے بنی عبد مناف! میں تم کو بھی خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، اے عباس بن عبد المطلب! میں تم کو بھی خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، اے صفیہؓ رسول خدا ﷺ کی پھوپھی میں تجھ کو بھی خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، اے محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ میں تجھ کو بھی خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔"

ایک مرتبہ آپ ﷺ نماز کے لئے تشریف لائے، آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہنس رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اگر موت کو یاد رکھو تو اس طرح سے نہ ہنسو، موت کو یاد رکھو، قبر ہر روز کہتی ہے، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں اور جب کوئی بندہ مومن دفن ہوتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے: خوش آمدید! میری پشت پر چلنے والوں میں تو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا، اب جب کہ تو

(۱) شرح شفاء بحوالہ ترمذی

میرے قبضہ میں آیا ہے تو دیکھے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا معاملہ کرتی ہوں اس کے بعد زمین تا حد نگاہ وسیع وفراخ ہو جاتی ہے اور اس کے لئے جنت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

اور جب کوئی گناہگار یا کافر بندہ دفن ہوتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے تیرا آنا مبارک تو میری پشت پر چلنے والوں میں سب سے زیادہ ناپسند تھا، اب جب کہ تو میرے قبضہ میں آیا ہے تو دیکھے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا معاملہ کرتی ہوں؟ اس کے بعد قبر اس کو دبا لیتی ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں اور اس کو ڈسنے کے لئے ستر سانپ مقرر کر دیئے جاتے ہیں اگر ان میں سے ایک سانپ بھی زمین پر اپنی پھنکار مار دے تو قیامت تک زمین میں کچھ نہیں اُگے، یہ ستر سانپ اس کو ڈستے رہتے ہیں اور نوچتے رہتے ہیں تا آنکہ حساب وکتاب کا وقت آجائے، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

"قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔" (۱)

ایک دفعہ اعراب بادیہ کا مسجد نبوی ﷺ میں اتنا ہجوم ہوا کہ آپ پسینے کے قریب ہو گئے، مہاجرین نے اٹھ کر لوگوں کو ہٹایا، آپ ﷺ نکل کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لائے اور تقاضائے بشری سے بددعا وزبان سے نکل گئی فوراً قبلہ رخ ہو کر دونوں ہاتھ خدا کی بارگاہ میں اٹھائے اور دعاء کی خدایا میں انسان ہوں، اگر تیرے بندوں کو مجھ سے تکلیف پہنچے تو آخرت میں سزا نہ دینا۔ (۲)

(۱) مشکوۃ المصابیح بحوالہ ترمذی

(۲) سیرۃ النبی جلد دوم بحوالہ مسند احمد بن حنبل

خوف آخرت اور خشیت الٰہی سے آپ ﷺ پر اکثر رقت طاری رہتی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ کے سامنے یہ آیت پڑھی: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا، تو بے اختیار چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے۔ (۱)

نماز میں بھی رقت طاری رہتی اور آنسو جاری ہو جاتے عبداللہ بن شخیرؓ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا دیکھا تو آپ ﷺ نماز میں مشغول ہیں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور قلب مبارک سے ہانڈی کے ابلنے کی طرح آواز رہی ہے۔ (۲)

ایک بار آپ ﷺ ایک جنازہ میں شریک تھے، قبر کھودی جا رہی تھی، آپ ﷺ قبر کے کنارے بیٹھ گئے، یہ منظر دیکھ کر آپ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی، پھر فرمایا! بھائیو اس دن کے لئے سامان کر رکھو۔ (۳)

ایک دفعہ کسی غزوہ سے تشریف لا رہے تھے، راہ میں ایک پڑاؤ ملا، کچھ لوگ بیٹھے تھے آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ بولے ہم مسلمان ہیں، ایک عورت بیٹھی چولہا سلگا رہی تھی، پاس ہی اس کا لڑکا تھا، آگ خوب روشن ہو گئی، اور بھڑک گئی تو وہ بچہ کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں آئی اور بولی، آپ رسول اللہ ہیں؟ ارشاد ہوا، ہاں بے شک پھر اس نے کہا کیا ایک ماں اپنے بچہ پر جس قدر مہربان ہے کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں بے شک،

(۱) صحیح بخاری

(۲) شرح شفاء، بحوالہ ترمذی وابی داؤد

(۳) سیرۃ النبی جلد دوم بحوالہ سنن ابن ماجہ باب البکاء والخوف

اس نے کہا، ماں تو اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈالتی، آپ ﷺ پر گریہ طاری ہو گیا، پھر سر مبارک اٹھا کر فرمایا، خدا اس بندہ کو عذاب دے گا جو سرکش اور متمرد ہے خدا سے سرکشی کرتا ہے اور اس کو ایک نہیں کہتا۔ (۱)

حضرت ابن ابی ہالہ کی ایک طویل حدیث میں آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ (آخرت) کے غم میں متواتر مشغول رہتے (ذات وصفات باری تعالیٰ یا امت کی بہبود کے لئے) ہر وقت سوچ میں رہتے، ان امور کی وجہ سے کسی وقت بھی آپ ﷺ کو بے فکری اور راحت نہیں ہوتی تھی۔

حضرت صدیق اکبرؓ:

حضرت ابوبکر الصدیقؓ جو جماعت صحابہ میں سب سے زیادہ اسرار شریعت کے محرم اور روح اسلامی کے دانائے راز تھے، ان پر خوف آخرت اور خشیت الٰہی کا اتنا غلبہ رہتا تھا کہ نماز کی حالت میں چوب خشک نظر آتے تھے، صدیق اکبرؓ کے نواسے عبداللہ بن الزبیرؓ نماز میں اس طرح کھڑے رہتے تھے کہ وہ ایک خشک لکڑی معلوم ہوتے تھے، کسی نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے یہ نماز کہاں سے سیکھی، کہا حضرت ابوبکرؓ سے۔ (۲)

حضرت ابوبکر صدیقؓ سرسبز درخت دیکھتے تو فرماتے، کاش میں درخت ہوتا کہ آخرت کے خطروں سے محفوظ رہتا۔ چڑیوں کو چہچہاتے دیکھتے تو فرماتے۔ "پرندو! تم خوش نصیب ہو، کہ دنیا میں چرتے، چہکتے اور درختوں کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت کے محاسبہ کا کوئی خطرہ نہیں، کاش ابوبکرؓ تمہاری طرح ہوتا۔" (۳)

(۱) سیرۃ النبی بحوالہ ابن ماجہ باب ما یرجی من رحمۃ اللہ

(۲) کنز العمال ج ۶

(۳) کنز العمال ج ۶

حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ کی ہجرت کا ارادہ کیا، برک الغماد، جو مکہ معظمہ سے یمن کی سمت پانچ دن کی راہ ہے وہاں تک پہنچے تھے کہ ابن الدغنہ سے ملاقات ہوگئی، جو قبیلہ قارہ کا رئیس تھا، اس نے پوچھا کہاں؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میری قوم مجھ کو رہنے نہیں دیتی، چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جا کر خدا کی عبادت کروں۔ ابن الدغنہ نے کہا یہ نہیں ہوسکتا کہ تم جیسا شخص یہاں سے نکل جائے میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ اس کے ساتھ واپس آئے۔ ابن الدغنہ مکہ پہنچ کر تمام مردانِ قریش سے ملا اور کہا کہ ایسے شخص کو نکالتے ہو جو مہمان نواز ہے مفلسوں کا مددگار ہے رشتہ داروں کو پالتا ہے مصیبتوں میں کام آتا ہے[۱] قریش نے کہا لیکن شرط یہ ہے کہ ابوبکرؓ نمازوں میں چپکے سے جو چاہیں پڑھیں، آواز سے قرآن پڑھتے ہیں تو ہماری عورتوں اور بچوں پر اثر پڑتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے چند روز یہ پابندی اختیار کی لیکن آخر انہوں نے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی اور اس میں خشوع وخضوع کے ساتھ بآوازِ قرآن پڑھتے تھے۔ چونکہ آپ نہایت رقیق القلب سے قرآن پڑھتے تھے تو پھر قریش نے ابن الدغنہ سے شکایت کی۔ اس نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اب میں تمہاری حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، مجھے خدا کی حفاظت کافی ہے میں تمہارے جواز سے استعفاء دیتا ہوں۔[۲]

ایک دفعہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے پانی مانگا، خادم شہد ملا ہوا پانی

(۱) حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جو تاریخی الفاظ کہے تھے ابن الدغنہ کے یہ الفاظ اس سے ملتے جلتے ہیں۔ اس سے نبوت اور صدیقیت کے تعلق کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

(۲) صحیح بخاری باب الھجرۃ الی المدینۃ

لے کر حاضر ہوا، آپ نے ابھی منہ سے قریب بھی نہیں کیا تھا کہ رونے لگے اور اتنے روئے کہ پاس بیٹھنے والوں کو بھی رلا دیا، جب رونا کم ہوا تو پھر گلاس منہ سے لگایا، پھر رونے لگے اور اس قدر روئے کہ لوگ سمجھے جان جانِ آفریں کے سپرد کردیں گے دیر تک روتے رہے افاقہ ہوا تو لوگوں نے رونے کا سبب دریافت کیا، آپ نے فرمایا:

''میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا جا رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کو اپنے سے دور کررہے ہیں، حالانکہ اس وقت بظاہر کوئی چیز سامنے نظر نہیں آرہی تھی میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کس چیز کو دور کررہے ہیں بظاہر تو کوئی چیز نظر نہیں آرہی ہے؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ دنیا آراستہ و پیراستہ ہوکر میرے سامنے آئی ہے اس کو اپنے سے دور کررہا ہوں۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا میرے پاس سے یہ کہتی ہوئی چلی گئی کہ آپ ﷺ تو مجھ سے محفوظ رہے، لیکن آپ ﷺ کے بعد آنے والے مجھ سے محفوظ نہیں رہیں گے۔''

حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا میں اس بات سے روتا ہوں کہ کہیں دنیا میرے پاس تو نہیں آگئی۔[۱]

حضرت صدیق اکبرؓ کے خطبات دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی طرف میلان سے پر ہوتے تھے، ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

''کہاں ہیں وہ خوبصورت چہرہ والے جن کو اپنی جوانی و شباب پر ناز تھا؟ کہاں ہیں وہ عظیم بادشاہ، جنھوں نے شہر بسائے اور ان کو ناقابل تسخیر دیواروں سے محفوظ

(۱) حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج۱

کیا؟ کہاں ہیں وہ لوگ جو میدان جنگ میں دادشجاعت دیتے تھے؟ آج زمانہ نے ان کو پیس کر رکھ دیا ہے اور پستی کے اندھیروں میں ڈال دیا ہے۔ (۱)

حضرت فاروق اعظمؓ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق میں حافظ ذہبیؒ نے کہا ہے: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی بدولت اسلام کو قوت وشوکت عطا فرمائی، شہروں اور ملکوں کو ان کے ذریعہ فتح کیا، وہ صدق کا پیکر تھے، ان کی زبان پر حق جاری کیا گیا، اور انھیں فراست عطا کی گئی، جن کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر (رضی اللہ عنہ) ہوتے، یہی ہیں جن سے شیطان نے راہ فرار اختیار کی اور ایمان واسلام نے بلندی پائی، اور اذان کا اعلان ہوا۔'' (۲)

حضرت فاروق اعظمؓ کے رگ وپے میں خوف آخرت اور خشیت الٰہی جاری، ساری تھی اس کے مواخذہ کے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے فرمایا کہ اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا جنتی ہے تب بھی مواخذہ کا خوف دل سے زائل نہیں ہوگا کہ شاید وہ ایک بدقسمت انسان میں ہی ہوں۔

ایک مرتبہ راہ سے تنکا اٹھا کر فرمایا: کاش: میں بھی خس وخاشاک ہوتا کاش! میں پیدا ہی نہیں ہوتا کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیوں ابوموسیٰ اس پر

(۱) حلیۃ الاولیاء
(۲) تذکرۃ الحفاظ ج۱

راضی ہو کہ ہم لوگ اسلام اور ہجرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے طفیل میں برابر سرابر چھوٹ جائیں، نہ عذاب ملے نہ ثواب؟ ابوموسیٰؓ نے کہا میں تو اس پر راضی نہیں ہوں، ہم لوگوں نے نیکیاں کی ہیں، اس کے صلہ میں امید رکھتے ہیں فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے میں تو صرف اس قدر چاہتا ہوں کہ بے مواخذہ چھوٹ جاؤں۔

نماز میں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے تھے جن میں قیامت کی ہولناکی اور خدا کی عظمت وجلال کا ذکر ہوتا، انھیں پڑھ کر زار زار روتے تھے۔

ایک مرتبہ جمعہ کے خطبہ میں اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ پڑھی جب عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا اَحْضَرَتْ پر پہنچے تو اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عیسیٰؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے چہرے پر کثرت گریہ وبکاء سے دو لکیریں پڑ گئی تھیں (۲) تلاوت قرآن کے وقت اس قدر روتے تھے کہ ہچکی بندھ جاتی تھی اور گر پڑتے تھے اور بیمار ہو جاتے تھے حتیٰ کہ لوگ عیادت کو آتے تھے۔ (۳)

آپ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی، میں تین صف پیچھے تھا، لیکن آپ کے رونے کی آواز مجھے آرہی تھی۔

آخرت کی جوابدہی کا اس قدر خوف غالب تھا کہ فرمایا کرتے:

''اگر فرات کے کنارے کوئی بکری بلاوجہ بیکار مر جائے، تو مجھے ڈر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں مجھ سے آخرت میں سوال کرے گا۔''

(۱) کنز العمال ج۶
(۲) حلیۃ الاولیاء
(۳) حوالہ مذکورہ

(۲) دوسرا مضمون

مفتی صاحب کا ایک اور اہم مضمون جو رسالہ البلاغ میں شائع ہوا۔

روزہ قرآن کریم کی روشنی میں

(۱) یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ایاماً معدودات فمن کان منکم مریضاً او علیٰ سفر فعدة من ایام اخرو علی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین فمن تطوع فھو خیر له وان تصوموا خیرلکم ان کنتم تعلمون۔ [1]

(ترجمہ) اے ایمان والوتم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس توقع پر کہ تم متقی بن جاؤ، تھوڑے دن روزہ رکھ لیا کرو۔ پھر جو شخص تم میں بیمار یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار رکھنا ہے اور جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ فدیہ یہ ہے کہ وہ ایک غریب کو کھانا کھلائیں اور جو شخص خوشی سے خیر کرے تو یہ اس شخص کے لئے اور بھی بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے اگر تم خبر رکھتے ہو۔

(۲) شھر رمضان الذین انزل فیه القران ھدی للناس و بینات من الھدیٰ والفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمه و من کان مریضا او علیٰ سفر فعدة من ایام اخریرید الله بکم الیسروہ ولا یرید بکم العسر و لتکلملوا العدة والتبکرو الله علی ما ھداکم و لعلکم تشکرون۔ [2]

(۱) البقرۃ آیت ۱۸۳
(۲) البقرۃ آیت ۱۸۵

(ترجمہ) ماہ رمضان ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے جس کا وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ لہٰذا جو شخص اس مہینے کو پائے اس کو لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا اس لئے یہ طریقہ تمہیں بتایا جارہا ہے کہ تم روزوں کی تعداد پوری کرسکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔

(۳) واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذادعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون۔ [1]

(ترجمہ) اور اے نبی (ﷺ) میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انھیں بتادو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں، جب بندہ مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں لہٰذا انھیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں یہ بات تم انھیں سنادو شاید کہ وہ راہ راست پالیں۔

یہ آیت کریمہ سورہ بقرہ کی ہیں جو بالاتفاق مدنی سورت ہے۔ اس سورہ مبارکہ کے پہلے حصہ میں روئے سخن منکرین قرآن کی طرف ہے۔ اس لئے سب سے پہلے قران کریم کی حقانیت ثابت کی اسی کے ساتھ اس کے ماننے والے اور نہ ماننے والے فرقوں کا ذکر کیا، پھر توحید و رسالت کو ثابت کیا، بعد ازاں بنی اسرائیل پر انعامات

(۱) البقرۃ آیت ۱۸۶

خداوندی کو بیان فرمایا وہاں سے قبلہ کی بحث چلی اس کو بیان کر کے صفا و مروہ کے ذکر پر ختم کیا، اس حصے کے آخر میں شرک کے اصول و فروع کا ابطال کیا۔

دوسرے حصے میں زیادہ تر خطاب مسلمانوں اور قرآن کریم کے ماننے والوں سے ہے، قرآن کریم کے ماننے والوں کو تعلیم و ہدایت سے آراستہ کیا جا رہا ہے۔ اس تعلیم و ہدایت کا عنوان "بر" ہے، اس کے اہم اصول بیان فرمائے اس کے بعد "بر" کے فروع و جزئیات کو بیان فرما کر اس حصے کو بشارت وعدہ رحمت و مغفرت پر ختم فرمایا۔

فروع و جزئیات بر میں سے پہلے حکم قصاص کا ہے دوسرا وصیت کا تیسرا روزہ کا۔ روزہ کی فرضیت کے سلسلہ میں سب سے پہلی آیت یہی ہے، ارشاد فرمایا۔

یا ایھا الذین امنوا (اے ایمان والو) اس طرح خطاب کر کے امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیہ کے جذبہ ایمان کو بیدار کیا جا رہا ہے کہ تم پر ایک اہم ترین عبادت فرض کی جا رہی ہے اس لئے تم اس عبادت کو جذبہ ایمان و تسلیم سے ادا کرنا اور اس عبادت کے حقوق کو جذبہ ایمان و تسلیم سے ادا کرنا اور اس عبادت کے حقوق و آداب کی پوری پوری نگہداشت رکھنا۔ کُتِبَ عَلَیْکُمْ (تم پر فرض کیا گیا، لازم کیا گیا، لکھ دیا گیا) کُتب کتابت سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے کتابۃ معنی جمع کرنے، جوڑنے اور لکھنے کے ہیں، پھر کبھی اس لفظ کو بول کر اس سے کسی چیز کو لازم کرنا، ثابت کرنا، فرض کرنا مراد لیا جاتا ہے، امام راغبؒ نے کہا ہے کہ کتاب آخری درجہ ہے۔ پہلا درجہ ارادہ ہے، پھر قول، تیسرا اور آخری درجہ "کتابۃ" ہے۔ اس لئے کتب کے لفظ میں "فرض" سے زیادہ تاکید اور زور ہے، اس اہم ترین عبادت کے لئے تاکیدی لفظ کا استعمال اس

لئے ہے کہ لوگ اس عبادت سے فرار اختیار نہ کریں اور جس طرح اس کی فرضیت نہایت تاکید و اہتمام سے کی گئی ہے اسی طرح اس کی ادائیگی بھی نہایت اہتمام اور ظاہر و باطن کی ہم آہنگی سے ہو، جیسا کہ ابھی عرض کیا "کُتب" ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ فاعل ظاہر نہیں کیا گیا یعنی یہ نہیں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کیا کیونکہ فرض کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے خواہ اس کو ظاہر کیا جائے یا نہیں صاحب "البحر المحیط" نے اس سلسلہ میں ایک لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے:

اس آیت اور اس سے پہلے قصاص، وصیت کی آیات میں تینوں جگہ فعل مجہول ذکر فرمایا کیونکہ یہ تینوں حکم سخت اور مشکل ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے جس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے ظاہری طور پر صراحتاً اپنی طرف نسبت نہیں کی۔ برخلاف ایسے امور کے جن میں راحت بشارت ہے ان کی طرف صراحتاً اپنی نسبت کی چنانچہ فرمایا کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (تمہارے رب نے اپنے پر رحمت لکھ لی ہے) کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ (اللہ تعالیٰ نے یہ امر لکھ لیا ہے کہ مجھے اور میرے رسولوں کو غلبہ حاصل ہوگا) سوال ہوا کہ یہود پر قصاص کی فرضیت کو اللہ تعالیٰ نے جب بیان فرمایا ہے تو وہاں فعل مجہول استعمال نہیں فرمایا بلکہ فعل معروف استعمال فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے وَکَتَبْنَا عَلَیْهِمْ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (اور ہم نے ان پر فرض کیا تھا کہ جان کے بدلہ جان) اس کا جواب یہ ہے کہ یہود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اپنے انبیاء علیہم السلام سے سرکشی میں حد سے آگے بڑھے ہوئے تھے اس لئے وہاں صراحت کی ضرورت نہیں اور یہ لوگ اپنے اعمال بد کی وجہ سے اس قابل نہیں رہے تھے کہ احکام شاقہ دیتے وقت اغماض کا برتاؤ کیا جائے۔

الصیام (روزہ) صیام، صام (فعل) کا مصدر ہے جیسے قام کا قیام، صوم، صیام کے لغوی معنی کسی چیز سے رک جانے کے ہیں، خواہ وہ کھانے پینے کی چیز ہو یا بات چیت ہو یا چلنا پھرنا ہو، اسی لئے جو گھوڑا نہ کھائے اور نہ چل سکے اس کو "فرس صائم" کہا جاتا تھا۔ پانی نکالنے کی چرخی اگر چل نہ سکے تو اس کو "بکرۃ صائمۃ" کہتے تھے، اسی طرح ہوا اگر رک جائے اور چلنا بند کردے تو اس کو "الریح الصائمۃ" کہا جاتا تھا۔ ٹھیک دوپہر کا وقت جب سورج خط نصف النہار پر آجائے ایسے مواقع پر کہا کرتے تھے "صام النہار" ہم لغوی معنی کی وضاحت ذرا تفصیل سے اس لئے کر رہے ہیں تاکہ اس کی لغوی حقیقت واضح ہوسکے کیونکہ شریعت لغوی معنی اور اس کی نزاکتوں کو برقرار رکھ کر صرف قیود و شرائط کا اضافہ کرتی ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے فقہی ذوق نے تو لغوی معنی کو بڑی اہمیت دی ہے اور آپ نے بہت سے احکام لغوی اشارات سے ثابت کئے ہیں۔ تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ہے۔

روزہ شرعی یہ ہے کہ طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے، جنسی تعلق سے نیت کے ساتھ اجتناب رکھنا لغوی اشارات کو شرعی معنی کے ساتھ ملانے سے واضح ہوتا ہے کہ صحیح اور کامل روزہ وہ ہے کہ جس میں کھانے پینے اور جنسی تعلق کے پرہیز کے ساتھ ہی ساتھ بری باتوں اور بری جگہ چلنے پھرنے سے بھی پرہیز کیا جائے اور اس طرح اپنے قلب ونظر میں روزہ کے روحانی مہر جہاں تاب کی روشنی جذب کی جائے جب وہ ٹھیک دوپہر کے وقت اپنے پورے جاہ وجلال کے ساتھ جلوہ افگن ہوتا ہے اور گناہوں کے معاملہ میں اس طرح سخت ہو جائے جس طرح چرخی سخت ہو کر

گھومنے سے انکار کردیتی ہے، اگر اس طرح روزہ رکھ لیا جائے تو اس کے روحانی فوائد ظاہر ہوں گے، اور بشارت ورحمت الٰہی کی ہوائیں چلنا شروع ہو جائیں گی۔ اور معاصی وذنوب کی بادِ صرصر ہمیشہ کے لئے رک جائے گی۔

کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ (جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں اور امتوں پر فرض کیا گیا) اس سے معلوم ہوا کہ روزہ مذاہب وادیان کی قدیم ترین عبادت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ روزہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فرض کیا گیا تھا، مذاہب کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذاہب سماوی اور غیر سماوی میں روزہ کی عبادت جاری رہی، بت پرستوں تک میں روزہ ایک عبادت کی حیثیت سے معروف ہے موجودہ توریت میں صراحتاً تو روزہ کا حکم نہیں ملتا البتہ روزہ داروں کی مدح وتوصیف بار بار ملتی ہے، ایک جگہ یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک موقعہ پر چالیس روزے رکھے تھے، جس کی یادگار میں یہودی اب بھی ایک ہفتہ روزہ رکھتے ہیں، اس کے علاوہ ان کے یہاں ساتویں مہینہ کی دس تاریخ کو دن رات کا روزہ بھی فرض ہے۔ غالباً یہ عاشورہ کا روزہ ہے، ان کے علاوہ ان کے یہاں کچھ اور بھی روزے ہیں جو صرف دن کے وقت رکھے جاتے ہیں، انجیل میں بھی روزہ کی فرضیت کا کوئی صریح حکم نہیں ملتا البتہ روزہ کا ذکر اور اس کی تعریف کئی جگہ ملتی ہے۔ ایک جگہ یہ بھی ہے کہ روزہ دار کو چاہیئے کہ وہ اپنے کسی ظاہری حال سے روزہ ظاہر نہ کرے اسی لئے اس کو حکم دیا ہے کہ وہ روزہ کی حالت میں بالوں میں تیل لگائے اور چہرہ صاف کرتا رہے تاکہ ریاکاری میں مبتلا نہ ہو۔

کلیسا نے نصاریٰ پر متعدد روزے فرض کئے، ان کے یہاں روزوں کی بعض دلچسپ قسمیں ہیں۔ روزہ کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس میں صرف گوشت کا روزہ ہوتا ہے بعض صرف مچھلی کا بعض میں صرف دودھ کا۔

آیت کریمہ میں فرمایا جارہا ہے کہ روزہ جب پچھلی ساری امتوں پر فرض کیا گیا تھا تو تم پر کس طرح فرض نہیں ہوتا؟ جبکہ تم پر جہاد فی سبیل اللہ فرض ہے۔ اور تم کو انسانیت کی ہدایت کے لئے ایک مثالی امت بنایا گیا ہے، امام راغب سے ایک اور وجہ سنئے۔

روزہ کے دو بڑے فائدے ہیں ایک تو یہ کہ ملاء اعلیٰ کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ معاصی اور گناہوں سے پرہیز کی تربیت ہو جاتی ہے۔

رہا یہ امر کہ آیت کریمہ میں یہ کیوں فرمایا کہ تم پر روزہ اس طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے دوسری امتوں پر تو اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ ایک عبادت شاقہ ہے جب مسلمانوں سے کہا جارہا ہے کہ تم پر یہ کوئی نئی عبادت نہیں ہے بلکہ تم سے پہلے لوگ بھی اس عبادت سے فائدہ اٹھا چکے ہیں تو مسلمانوں پر یہ عبادت آسان ہو جائے گی۔

لعلکم تتقون (اس توقع پر کہ تم متقی بن جاؤ) روزہ کی فرضیت اور اس کی تعلیم کے بعد اس کی حکمت نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں بیان کی جارہی ہے کہ روزہ تم پر فرض اس لئے کیا گیا ہے کہ توقع ہے کہ تم اس سے تقویٰ شعار بن جاؤ گے، روزہ سے تربیت تقویٰ اس طرح ہے کہ روزہ دار اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حلال اور مباح چیزوں سے پرہیز کرتا ہے اور اس پر مسلسل عمل کرتا ہے تو اس کے دل میں حرام چیزوں سے پرہیز اور اجتناب کا ایک داعیہ پیدا ہوگا۔ جو اس کی زندگی کو تقویٰ اور صبر سے

آراستہ کردے گا تقویٰ اور صبر پیغمبرانہ اخلاق کے دو اہم ستون ہیں، تقویٰ کو تو قرآن کریم نے بتلایا اور صبر کو حدیث نبوی نے اشکارا کیا۔ ارشاد ہے، "الصیام نصف الصبر" (روزہ کل صبر کا نصف ہے) پھر اس حکمت کو بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ چند وجوہ سامنے آتے ہیں ایک وجہ تو یہ ہے کہ حکمت بیان کرنے کے بعد عبادت شاقہ آسان ہو جاتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ بت پرست اقوام کا تصور یہ تھا کہ ان کے خودساختہ خدا کبھی ناراض ہو جاتے ہیں اسی طرح کبھی ان کو خوش اور راضی کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، ان کی ناراضی دور کرنے اور ان کو خوش کرنے کا راستہ ایک ہی ہے کہ خود کو تکلیف میں ڈالا جائے اس کے لئے وہ لوگ روزہ رکھا کرتے تھے، بت پرست اقوام کا تصور اہل کتاب میں بھی آ گیا تھا، اس تصور کے برخلاف اسلام اور قرآن کریم کی تعلیم آپ کے سامنے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری عبادت اور ہمارے اعمال سے غنی ہے اس نے روزہ جو ہم پر فرض کیا ہے اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے اس طرح اس تصوری جڑ کٹ جاتی ہے جو بت پرستوں اور اہل کتاب میں عام تھا۔ "لَعَلَّ" توقع اور امید کے معنی میں آتا ہے اور یہ توقع و امید مخاطبین کے اعتبار سے ہے متکلم کے اعتبار سے نہیں، مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہارے متقی بنانے کا سامان تیار کر دیا ہے، اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم اس سے فائدہ اٹھا کر متقی بنتے ہو یا نہیں۔ جو شخص روزہ کے پورے حقوق و آداب سرانجام دے گا اور عبادت کی نیت اور جذبہ ایمان سے اس اہم عبادت کی ادیگی کرے گا اس کا روزہ اس کو متقی اور پرہیزگار بنادے گا اور جو اس طرح نہیں کرے گا اس کو سوائے بھوک پیاس کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

تقاریر

حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کی زندگی کا ایک بڑا حصہ ایسا گزرا کہ آپ بیانات اور خطابت سے کوسوں دور تھے۔ اپنے آپ کو درس وتدریس میں ہی مشغول رکھا ہوا تھا۔ مگر پھر آخری عمر میں آپ نے خطابت کے میدان میں قدم رکھا اور پھر اپنے عالمانہ خطابت سے لوگوں کے دلوں پر قبضہ کرلیا اور خطابت کے وہ جوہر کھلے کہ لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔

حضرت مفتی صاحب نے ساؤتھ افریقہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کے ساتھ اعتکاف فرمایا تو جمعہ کو حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا کہ مفتی صاحب جمعہ آپ پڑھائیں گے حضرت مفتی صاحب نے عذر ظاہر کیا کہ مجھ کو بیان کرنا نہیں آتا مگر دوبارہ حضرت شیخ الحدیث کے کہنے پر منبر پر بیٹھے اور بیان فرمایا کہ تمام ہی مجمع بہت زیادہ متاثر ہوا جمعہ کی نماز کے ختم ہونے کے بعد حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے فرمایا مفتی صاحب آپ تو کہتے تھے کہ مجھ کو بیان کرنا نہیں آتا مگر آپ نے تو بہت ہی بہترین بیان فرمایا ماشاء اللہ (واضح رہے کہ اسی سفر میں قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے حضرت مفتی صاحب کو خلافت بھی عطا فرمائی تھی)۔

حضرت مفتی ولی حسنؒ کے چند اہم بیانات

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن طلبہ کے سامنے کی گئی ایک اہم تقریر

فتنۂ انکار حدیث

الحمد للہ وحدہ. والصلوۃ والسلام علی من لانبی بعدہ وعلی آلہ

واصحابہ اجمعین. امابعد

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا تاکہ وہ زمین پر رہ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرے، اور ان کو اپنے جسم اور روئے زمین پر نافذ کرکے حق نیابت وخلافت ادا کردے۔ اس کے لیے جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم کی پرورش اور تربیت کا انتظام فرمایا اور اس کی جسمانی ضروریات کو پورا کرنے کے اسباب و وسائل مہیا کئے۔ وہاں اس کی روح کی تربیت اور نشوونما کے اسباب بھی پیدا کئے اور روح کو کثافتوں اور آلودگیوں سے پاک کرکے اس کو جلا بخشنے کے لیے جن نفوس قدسیہ کا اللہ تعالیٰ نے انتخاب کیا انھیں پیغمبر، رسول اور نبی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ روز اوّل سے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری رہا۔

ان نفوس قدسیہ کا تعلق اور ربط اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے اسی ربط وتعلق کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اور یہ نفوس قدسیہ ان ارشادات ربانی اور ہدایات آسمانی کی روشنی میں نسل انسانی کی علمی وعملی تربیت فرماتے رہتے ہیں۔

دین مبین کے دوماٰخذ قرآن وحدیث:

ان پیغامات کا سلسلہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کبھی القاء فی القلب کی صورت میں ہوتا تھا۔ اور کبھی فرشتہ کے ذریعہ یہ پیغامات انبیاء ورسل تک پہنچتے تھے۔ ارشاد ربانی ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْمِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا

فیوحی باذنہ مایشاء. (۱)

کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے (رودررو) کلام کرے مگر یہ کہ وحی کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے یا فرشتہ بھیجے جو اللہ کے حکم سے وحی پہنچائے جو اللہ چاہے۔

اور پھر فرشتہ جو وحی لے کر آتا ہے تو ضروری نہیں کہ آسمانی صحیفہ کی شکل میں ہو بلکہ بسا اوقات فرشتہ کی زبانی یا نفث فی الروع (دل میں پھونک دینے) کی شکل میں ہوتی ہے۔

فرشتہ کے ذریعہ جو پیغام پہنچتا ہے وہ اگر الفاظ کی شکل میں منضبط ہو کر آسمانی صحیفہ کی شکل میں آئے تو اسے ''کتاب اللہ'' اور وحی متلو سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور جو پیغام فرشتہ کی زبانی یا فرشتہ کے واسطے کے بغیر آتا ہے اسے ''وحی غیر متلو'' اور حدیث سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے اس صورت میں تمام احکام شرعیہ کا مدار یقیناً کسی کتاب یا کسی آسمانی صحیفہ پر نہیں ہوسکتا بلکہ نبی اور رسول کی معصوم ذات گرامی پر ہے جو اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ ہر بات وحی الٰہی کے ذریعہ کہتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی. (۲)

وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے وہ تو وحی ہوتی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جس طرح کتاب اللہ پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح نبی اور رسول کا ہر حکم بھی واجب الاطاعت ہے، اللہ تعالیٰ نے خود واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ:

وَما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا. (۳)

(۱) سورۃ الشوریٰ پ ۲۵
(۲) سورۃ النجم آیت ۳،۴
(۳) سورۃ الحشر رکوع آیت ۷

جو تم کو رسول حکم دیں اس کو قبول کرو اور جس سے تمھیں منع کریں اس سے باز آؤ۔

دین اسلام ایک وسیع نظام حیات ہے جو عقائد وعبادات، احکام ومعاملات، آداب واخلاق، معاشرت ومعیشت، جہاد وقتال، صلح وجنگ، حکومت وسیاست وغیرہ تمام تر مسائل پر حاوی ہے۔

اور ان تمام مسائل کا احاطہ تعلیمات نبویؐ اور احادیث نبویہ ہی کیے ہوئے ہیں۔ ان میں بہت سے احکام کا قرآن کریم میں صراحۃً ذکر تک نہیں اور بعض احکام کا اجمالی ذکر پایا جاتا ہے جن کی تفصیل احادیث مبارکہ سے واضح ہوتی ہے۔ بہر حال اس میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ دین اسلام کا تفصیلی اور عملی نقشہ احادیث نبویہ ﷺ کے بغیر نہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی دین متین کی تکمیل وتشریح تعلیمات نبویؐ کے بغیر ممکن ہے۔

حدیث کے خلاف سازش:

دین اسلام جو ابدی دین ہے اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے سرچشمہ ہدایت ہے اس دین کے دو اصلی مأخذ اور اس دین کو روشن رکھنے والی دونوں مشعلوں قرآن وحدیث کی حفاظت از حد ضروری تھی تاکہ یہ دونوں مشعلیں ہر قسم کے طوفانوں اور جھکڑوں سے محفوظ رہ کر اسلام کو روشن اور تابندہ رکھیں۔

متن قرآن کی حفاظت کا ذمہ تو اللہ رب العالمین نے اپنے ذمہ لیا اور اعلان فرمایا:

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون. (۱)

بلاشبہ ہم نے اس ذکر (قرآن) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اب قرآن کریم کے الفاظ میں تغیر وتبدل تو ممکن نہ تھا اس لیے دشمنان اسلام جو

(۱) سورۃ الحجر آیت نمبر ۹

کسی صورت میں اسلام کو پھلتا پھولتا ہوا دیکھنا برداشت نہیں کر سکتے تھے انھوں نے اسلام کے عقائد واحکام کو بے وقعت بنانے اور سادہ لوح مسلمانوں کو ان سے برگشتہ کرنے کے لیے ایک طرف تو قران کے معانی بیان کرنے میں تحریف وتاویل سے کام لے کر اپنے الحاد وزندقہ کو تقویت پہنچائی اور دوسری طرف اپنی عنان توجہ حدیث کی طرف مبذول کی تا کہ احادیث کا وہ ذخیرہ جس سے دین کی تشکیل وتکمیل ہوئی ہے اسے نا قابل اعتبار قرار دیدیا جائے۔

وضع حدیث:

اس کے لیے ایک کوشش تو یہ ہوئی کہ ملحدین نے بہت سی احادیث اپنی طرف سے گھڑ کر صحیح احادیث وروایت کے ساتھ خلط ملط کر کے مسلمانوں میں پھیلادیں اور پھر خود ہی اسکا جا بجا اعلان کیا کہ ہم نے صحیح احادیث کے ساتھ ہزاروں کے حساب سے اپنی گھڑی ہوئی احادیث ملادی ہیں اور مقصد یہ تھا کہ اس طرح سے مسلمانوں کا اعتبار احادیث پر نہیں رہے گا اور جو والہانہ شغف احادیث کے ساتھ پایا جاتا ہے وہ ختم ہو جائے گا۔

وضع حدیث کا مقابلہ:

لیکن دشمنان اسلام اپنی اس مذموم کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے اور اللہ تعالی نے اپنے دین مبین اور سنن سید المرسلین کی حفاظت اور بقاء کے لیے ایسے رجال کار پیدا فرمائے جنھوں نے حفاظت حدیث کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور صحیح احادیث کو ضعیف اور موضوع احادیث سے ممتاز وجدا کرنے کے لیے مستقل علوم و

فنون مدون کئے جن کی تعداد سو کے قریب تک پہنچتی ہے، جس کی روشنی میں ایک ایک حدیث کی چھان بین کر کے تمام ذخیرہ احادیث کو امت کے سامنے پیش کر دیا اور صاف طور پر منقح کر دیا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور یہ موضوع۔

ان علماء نے صرف روایات ہی کی تحقیق نہیں کی بلکہ ایک ایک روای پر جرح و تعدیل کر کے ان کی چھان پھٹک کی اور ہر ایک پر ثقہ، ضعیف، کذاب، وضاع کا حکم لگایا اور اس طرح ہر چیز کو منقح کر کے پیش کیا جس کی وجہ سے حدیث سے امت کا لگاؤ اور بڑھ گیا۔

فتنہ انکار حدیث:

جب وضع حدیث سے ملحدین کی مراد پوری نہیں ہوئی تو انھوں نے پینترا بدلا اور حدیث کو دین کا ماٗخذ ماننے سے ہی انکار کر دیا اور پھر اس کو ثابت کرنے کے لیے کہ حدیث دین وشریعت کا ماٗخذ نہیں حدیث پر طرح طرح کے اعتراضات شروع کیے۔ کبھی کہا کہ یہ عجمی سازش ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسو سال بعد وجود میں آئی ہے اور کبھی ضعیف وموضوع احادیث کو بنیاد بنا کر حدیث کا مذاق اڑایا، کبھی خبر واحد کی حجیت سے انکار کیا، کبھی کسی خاص موضوع سے متعلق احادیث کو نا قابل تسلیم گردانا اور اس تمام کوشش کا مقصد وحید یہ تھا کہ وہ دین جس کی تکمیل احادیث سے ہوئی ہے، جس کے بہت سے احکام احادیث سے ثابت ہیں، اور بہت سے احکام کی جزئیات اور تفصیل احادیث متعین کرتی ہیں۔ اس کی بنیاد ہی کو متزلزل کر دیا جائے تا کہ مذہب اسلام کی عظیم الشان عمارت زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکے۔

فتنہ انکار حدیث کی ابتداء:

سب سے پہلے احادیث کا جنھوں نے انکار کیا وہ خوارج تھے۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے آخر میں ظاہر ہوئے، انھوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت اور آپ کے طرز حکومت پر نکتہ چینی کی، آپ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئے مگر تحکیم (ثالثی) کے واقعہ کے بعد حضرت علیؓ سے یہ کہہ کر بغاوت کر دی کہ قرآن کے ہوتے ہوئے تحکیم کو قبول کرنے کی وجہ سے سب کافر ہو گئے۔ اس بنا پر ان کے نزدیک تمام صحابہ کرامؓ اور راویان حدیث کافر ہو گئے اب صرف قرآن ہی کو حجت مانا جا سکتا ہے۔

ان کے بعد احادیث کا انکار کرنے والے روافض تھے جو صحابہ کرام کے دشمن تھے ان کے نزدیک بھی اہل بیت اطہار کے علاوہ تمام صحابہ کرامؓ کافر ہو گئے تھے (العیاذ باللہ) پھر معتزلہ نے (جن پر عقل کا بھوت سوار تھا) احادیث کا انکار کیا اس طرح یہ فتنہ انکار حدیث ملحدین وزائغین کے ہاتھوں پروان چڑھتا رہا۔

تمام فتنوں کا مرجع وماٴخذ:

انکار حدیث ایک ایسا فتنہ ہے جو ہر فتنہ کی بنیاد اور ہر فتنہ کا مرکز ومحور ہے اور غور کیا جائے تو تمام فتنوں میں انکار حدیث قدر مشترک کے طور پر پایا جاتا ہے اور تمام فتنہ پردازوں نے الحاد وزندقہ کو ملمع کرنے میں انکار حدیث ہی کا سہارا لیا ہے کیونکہ احادیث رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم ہی وہ مضبوط بند ہے جس کے ذریعہ الحاد وزندقہ اور دین میں تصرفات وتحریفات کے سیلاب کو روکا جا سکتا ہے۔ اور خود ساختہ

دوراز کار تاویلات وتلبیسات کے دروازے بند کیے جا سکتے ہیں۔ اس لیے تمام ملحدین نے احادیث کو اپنی راہ کا سنگ گراں سمجھتے ہوئے اسے ہٹانے کی کوشش کی اور ان کو ماننے سے ہی انکار کر دیا تاکہ نہ یہ مضبوط بند باقی رہے اور نہ ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ ہو اور وہ اپنی من مانی کر سکیں اور قرآن کریم میں تحریف وتلبیس کا خوب کھل کر مظاہرہ کر سکیں۔

ذرا ان فرقوں اور گروہوں پر اجمالی نظر ڈالیے جو اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں اور بھیڑ کی شکل میں بھیڑیے کا کردار ادا کرتے ہیں تاکہ ان کی حدیث دشمنی اور انکار حدیث معلوم ہو سکے۔

خوارج اور انکار حدیث:

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ انکار حدیث کے فتنہ کی بنیاد سب سے پہلے خوارج نے رکھی کیونکہ ان کے عقائد کی بنیاد ہی اس پر تھی کہ جو بات قرآن سے ملے گی اسے اختیار کریں گے۔ چنانچہ ان کے یہاں بڑی حد تک احادیث کا انکار پایا جاتا ہے اور اسی انکار حدیث کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے رجم کے شرعی حد ہونے سے انکار ہی اس بنا پر کیا کہ قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں ہے اور احادیث کو وہ نہیں مانتے اور بعض لوگوں نے خوارج کی تکفیر ہی اس رجم کے انکار کی وجہ سے کی ہے، چنانچہ محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

تکفیر الخوارج بابطال الرجم للزانی والزانیة المحصنین فانه مجمع علیه صار معلوماً من الدین بالضرورة.(1)

(1) اکفار الملحدین صفحہ ۵۸

''رجم چونکہ متفق علیہ ہے لہٰذا ضروریات دین میں داخل ہے اسی لیے شادی شدہ مرد وعورت زانی کی سزا رجم کے انکار کی وجہ سے خوارج کی تکفیر کی جاتی ہے۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانہ میں بھی یہ خوارج موجود تھے، انھوں نے جب رجم کا انکار کیا تو ان کے سرکردہ لوگوں کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بلا کر پوچھا کہ تم رجم کا انکار کیوں کرتے ہو اس سلسلہ میں عمر بن عبدالعزیزؒ اور خوارج کے درمیان جو مکالمہ ہوا اسے فقہ حنبلی کے مشہور فقیہ علامہ ابن قدامہ نے اپنی کتاب المغنی میں تفصیل سے ذکر کیا ہے یہ مکالمہ بڑا دلچسپ ہے جو درج ذیل ہے۔

جب خوارج کے نمائندے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یوں گویا ہوئے۔ خوارج: قرآن کریم میں صرف جلد (کوڑے لگانے) کا حکم ہے رجم کا ذکر نہیں پھر رجم کو شرعی سزا کیوں قرار دیا گیا۔

عمر بن عبدالعزیز: کیا تم صرف قرآن پر عمل کرتے ہو۔

خوارج: جی ہاں۔

عمر بن عبدالعزیز: قرآن کریم میں فرض نمازوں کی تعداد، ارکان کی تعداد، اوقات نماز کی تفصیل کہاں ہے اور یہ کہ فلاں نماز میں اتنی رکعتیں ہیں اور فلاں میں اتنی قرآن کریم میں کہاں ہے، زکوٰۃ کس مال پر واجب ہوتی ہے کس پر نہیں، زکوٰۃ کی مقدار کتنی ہے، زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے یہ سب تفصیل قرآن میں کہاں ہے۔

خوارج: ہمیں کچھ مہلت دیجیے۔

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مہلت دے دی مشورہ کر کے پھر حاضر ہوئے۔

خوارج: قرآن کریم میں تو کچھ نہیں۔

عمر بن عبدالعزیز: پھر تم ان باتوں کے کیونکر قائل ہوئے۔

خوارج: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کرام اور مسلمانوں نے اس پر عمل کیا۔

عمر بن عبدالعزیز: جب تم ان باتوں کو اس لیے مانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے ان پر عمل کیا تو رجم پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے عمل کیا۔

رفض اور انکار حدیث:

رفض اور شیعیت میں اگرچہ بہت سے حقائق کا انکار ہے مگر سب سے بڑی وہ حقیقت جس کا انکار ان کے یہاں پایا جاتا ہے وہ احادیث نبویہ اور خصوصاً وہ احادیث ہیں جو مناقب صحابہ میں وارد ہوئی ہیں یہ حضرات ان کو نہیں مانتے چاہے وہ احادیث بخاری کی ہوں یا صحیح مسلم کی یا کسی اور حدیث کی کتاب کی ہوں۔

اگر تھوڑی دیر کے لیے ان شیعوں کا فلسفہ مان لیا جائے تو غور کیجیے اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نبی جو تمام انبیاء کا سردار ہے، نبی آخر الزمان ہے، خاتم النبیین ہے اور قیامت تک آنے والوں کے لیے ہادی ہے جس کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جن کی بشارت دی وہ نبی جب اس دنیا سے گیا تو اس قدر ناکام گیا ہے کہ اس کے تربیت یافتہ لوگ (العیاذ باللہ) سب کے سب مرتد ہو گئے صرف چار پانچ اشخاص ہی مسلمان رہے، نہ قرآن ان کے یہاں محفوظ رہا نہ دین اسلام۔

ناصبیت اور انکار حدیث:

جس طرح روافض انکار حدیث کرتے ہیں خصوصاً ان احادیث کا جو مناقب صحابہ کے متعلق ہیں، اسی طرح یہ نواصب بھی حدیث کا انکار کرتے ہیں، اس فتنہ کی گہرائی میں بھی انکار حدیث پایا جاتا ہے، یہ حضرات خصوصیت کے ساتھ ان احادیث کا انکار کرتے ہیں جو اہل بیت حضرت علی، حضرت فاطمہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کے مناقب میں وارد ہوئی ہیں، اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے متعلق اور واقعہ افک کے بارے میں جو احادیث ہیں ان کا بھی یہ حضرات انکار کرتے ہیں۔
ایک صاحب حکیم نیاز صاحب ہیں، میں ان کی کتاب ''تحقیق عمر عائشہ'' (جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے اور چھ سو صفحات پر مشتمل ہے) دیکھ رہا تھا جہاں انھوں نے حضرت عائشہؓ کی عمر پر بحث کی ہے، وہاں اس میں بخاری، بخاری کے روات، امام حدیث زہری پر اعتراض اور سخت تنقیدیں کی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے متعلق حدیث کا انکار کیا ہے۔ یہ بھی رفض کی طرح ایک بہت بڑا فتنہ ہے، کچھ عرصہ کے لیے یہ فتنہ دب گیا تھا، آج کل پھر ایک طبقہ اس فتنہ کو زندہ کرنے کی کوششوں میں مصروف کار ہے۔ جسطرح روافض کا مقصد ہے کہ مسلمانوں کا اعتماد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اٹھ جائے اسی طرح نواصب بھی اس کوشش میں ہیں کہ اہل بیت پر مسلمانوں کا اعتماد اور ان سے محبت ختم ہو جائے۔

ناصبیت کا فلسفہ بھی کس قدر عجیب اور لغو ہے کہ وہ شخص جو پورے عالم اور پوری انسانیت کے لئے مینارہ نور اور مشعل ہدایت بن کر آیا تھا وہ جب اس دنیا سے گیا تو اس

کی بے چارگی کا یہ عالم ہے کہ اس کے گھر والے، اس کی بیٹی، اس کا داماد، اس کے نواسے کوئی بھی تربیت یافتہ نہ تھا اور انھوں نے اپنی اونچ نیچ اور اپنے ذاتی مفادات اور حکومت وسلطنت کے لیے لڑائیاں لڑیں، مسلمانوں کا خون بہایا، ان کے فلسفہ سے ایک عجیب سی تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے جو سراسر غلط ہے، عقل جس کا بداہتہ انکار کرتی ہے، ہوسکتا ہے کوئی گمراہ ان کی تائید کرے مگر قرآن وحدیث سے ان کی ذرہ برابر بھی تائید نہیں ہوتی۔

فرقہ معتزلہ اور انکار حدیث:

معتزلہ مسلمانوں کا وہ فرقہ ہے جو یونانی منطق اور اس کے فلسفیانہ افکار وخیالات سے مرعوب تھا اور انہی باطل افکار وخیالات نے ان کو دین سے منحرف کردیا تھا۔ انھوں نے قرآن کریم کو یونانی فلسفہ سے ہم آہنگ کرنے کے لیے قرآن میں جا بجا تاویلیں کرکے قرآنی تعلیمات کو مسخ کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف خبر واحد کو صاف طور پر حجت ماننے سے انکار کردیا۔ چنانچہ امام ابن حزم اندلسی معتزلہ کے خبر واحد کو حجت ماننے سے انکار کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تمام معتزلہ اور خوارج کا مسلک ہے کہ خبر واحد موجب علم نہیں ان کا کہنا ہے کہ جس خبر میں جھوٹ یا غلطی کا امکان ہو اس سے اللہ تعالی کے دین میں کوئی بھی حکم ثابت کرنا جائز نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس کی نسبت خدا کی طرف کی جاسکتی ہے اور نہ خدا کے رسول کی طرف۔''(۱)

اور حافظ ابن قیمؒ معتزلہ کا انکار حدیث بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) احکام الاحکام لابن حزم ج ۱، صفحہ نمبر ۱۱۹

''معتزلہ نے گنہگار مسلمانوں کی شفاعت کے ثبوت میں جتنی واضح اور محکم نصوص صریح احادیث میں موجود ہیں ان سب کا ''فما تنفعهم شفاعة الشافعين'' جیسی متشابہ اور محتاج تاویل آیات کی بنا پر انکار کر دیا۔''

فرقہ قدریہ وجبریہ اور انکار حدیث:

فرقہ قدریہ جو قضاؤ قدر ہی کا منکر تھا جس کے نزدیک بندہ مختار مطلق ہے، اور جبریہ جس نے بندہ کو مجبور محض بنا کر چھوڑ دیا تھا یہ حضرات بھی ان تمام احادیث کا انکار کرتے ہیں یا ان میں تاویلیں کر کے ان کی حیثیت ختم کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں جن میں قضاء وقدر اور ان کی تفصیلات کا ذکر ہے۔

مرجئہ اور انکار حدیث:

مرجئہ کے نزدیک تو صرف کلمہ پڑھ لینا اور ایمان لے آنا ہی کافی ہے اس کے بعد کسی عمل کی ضرورت نہیں تو ان حضرات کے نزدیک وہ احادیث جو احکام اور ان کی تفصیلات متعین کرتی ہیں ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں، کوئی ان کو مان کر ان پر عمل کرے یا نہ کرے اور صاف انکار کر دے ان کے نزدیک سب برابر ہے۔

فتنہ استشراق اور انکار حدیث:

صلیبی جنگوں میں جب عیسائیوں کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا اور انھوں نے ان صلیبی جنگوں میں اپنی تمام تر قوتیں صرف کر دیں اور مسلمانوں کو ناکام ونامراد بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی مگر اس کے باوجود ان کو کوئی خاطر خواہ فائدہ اور قابل ذکر کامیابی حاصل نہ ہوئی تو انھوں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا اور انھوں نے ایسے

رجال کار پیدا کیے جنھوں نے دین کے معتقدات اور شریعت کے احکام کا مطالعہ کیا جس سے یہ بات ان پر واضح ہوگئی کہ ان احکام اور ان عقائد کو ختم کرنا ان میں کسی قسم کی تبدیلی کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک مسلمانوں کے پاس احادیث کا ذخیرہ محفوظ ہے تو انھوں نے شریعت کے اس ماخذ کو کمزور بنانے کے لیے اپنی تمام تر کوششیں اس پر صرف کر دیں اور اپنے دجل وفریب سے کام لیتے ہوئے علمی تحقیقات (سائنٹفک ریسرچ) کے نام سے حدیث وسنت کے خلاف منظم سازش شروع کی۔ کبھی احادیث کو عجمی سازش کہا، کبھی حاملین احادیث صحابہ کرام، ائمہ تابعین، اور ائمہ احادیث کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا کبھی اپنی ناقص عقل کو معیار بنا کر احادیث پر عقلی شبہات اور وساوس کا طوفان باندھا اور اس اسلام کے بنیادی عقائد، جنت وجہنم، جزا وسزا، ملائکہ جنات، عذاب قبر وغیرہ اور اسلامی احکام نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ میں نئے نئے شکوک وشبہات پیدا کرنے کی مذموم کوشش کی۔ اور عجیب بات ہے کہ موجودہ دور کے منکرین حدیث نے بھی اپنا ماخذ ومرجع انھی دشمنان اسلام مستشرقین کو بنایا ہے اور یہ حضرات انھی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور جو اعتراضات وشبہات ان مستشرقین نے اسلام کے بارے میں پیش کئے ہیں وہی اعتراضات وشبہات یہ منکرین حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔ ان کی تمام کفریات ولغویات کا اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ ان کی تحقیقات کا تمام تر ماخذ مستشرقین کی یہی سائنٹفک ریسرچ ہے جو سراسر دجل وفریب اور مکاری پر مشتمل ہے۔

نیچریت اور انکار حدیث:

موجودہ دور میں جو نئے نئے فتنے اسلام میں پیدا ہوئے ہیں ان میں سب سے گمراہ کن اور خطرناک فتنہ نیچریت ہے۔ فرقہ نیچریت سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے علوم جدیدہ حاصل کر کے احکام شریعت کو قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لیے اپنی جزوی عقل کو معیار بنایا اور مغربی تہذیب وتمدن کو حق وباطل کا معیار ٹھہرایا۔ جنھوں نے اپنا اصول ہی یہ بنایا تھا کہ جو چیز ان کی عقل سے باہر اور یورپ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو وہ غلط اور ناقابل قبول ہے خواہ قرآن وحدیث اس کی تائید کرتے ہوں چنانچہ ان حضرات نے انبیاء کرام کے تمام معجزات ملائکہ، جنات، جنت دوزخ وغیرہ قرآن وحدیث سے ثابت شدہ مسلمات کا انکار کیا ہے اس فرقہ کے بانی مبانی سرسید تھے۔ سرسید کے یہاں بھی ان باتوں کا انکار اور معجزات کا انکار پایا جاتا ہے۔

سرسید نے قرآن مجید کی جو تفسیر (اردو میں) لکھی ہے اس میں تمام معجزات کا انکار ہے۔ جہاں بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے معجزات کا ذکر آتا ہے وہاں سرسید صاحب ان کی ایسی مادی تعبیر کرتے ہیں کہ ان کا اعجاز ہی ختم کردیتے ہیں مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ میں مذکور ہے کہ "کالطود العظیم" پانی پہاڑ کی طرح بن گیا اور بیچ میں راستے بن گئے جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم گزر گئی اور اسی راستہ پر جب فرعون گزرنے لگا تو وہ غرق آب ہوگیا۔ سرسید صاحب اس معجزہ کی اہمیت اور اس کا اعجاز ختم کرنے کے لیے اس کی تعبیریوں کرتے ہیں کہ یہ جوار بھاٹا تھا کہ کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ سمندر میں جوار بھاٹا اٹھتا ہے کہ کبھی پانی زیادہ ہوجاتا ہے اور کبھی کم گویا ان کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا دریا سے

گزر جانا اور فرعون کا دریا میں غرق ہوجانا یہ کوئی معجزہ نہ تھا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گزرنے کے وقت دریا کے اتار چڑھاؤ کے مادی اسباب کے مطابق پانی کم ہوگیا اور فرعون کے گزرنے کے وقت پانی چڑھ گیا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں "انی جئت بآیۃ من ربکم" میں تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے نشانیاں لایا ہوں وہ نشانیاں تھیں "ابری الاکمہ والابرص" (میں ٹھیک کردیتا ہوں مادرزاد اندھے اور ابرص کو) مگر سرسید کہتے ہیں کہ یہ کوئی معجزہ نہیں بلکہ اس زمانہ میں طب اور ڈاکٹری عروج پر تھی یہ اس کا کرشمہ تھا۔

اسی طرح سرسید صاحب نے سیرت پر "خطبات احمدیہ" کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اس وقت کے یوپی کے ایک انگریز گورنر "سرولیم میور نے" "دی لائف آف محمد" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں اپنی گندی اور متعصبانہ ذہنیت کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خوب زہر اگلا۔ اس وقت مسلمانوں میں غیرت وحمیت دینی موجود تھی، چنانچہ سرسید صاحب نے اپنی حمیت دینی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے جواب میں "خطبات احمدیہ" لکھی۔ اور جواب لکھتے لکھتے خود بھٹک گئے۔ اور ہر وہ حدیث جو ان کی سمجھ سے بالاتر تھی یا وہ احادیث جن پر انگریزی مولف نے اعتراضات کیئے ان کا جواب دینے کے بجائے صاف طور پر ان احادیث کا ہی انکار کردیا۔ مثلاً شق صدر کے متعلق سرسید صاحب لکھتے ہیں۔

"اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ" یہ آیت شق صدر کے متعلق ہے اس میں سینہ چیر پھاڑ کا کوئی ذکر نہیں اور اس کے اصلی اور اصطلاحی معنی جیسے کہ اکثر مفسرین

نے بھی تسلیم کیا ہے کشادگی کے ہیں جو دل اور سینے میں عقلی اور روحانی وسعت سے عرفان الٰہی اور وحی کے منبع ہونے کے لئے رکھی گئی تھی۔"(۱)

اور جو روایات شق صدر کے متعلق وارد ہوئی ہیں ان کو ہشامی واقدی، دارمی اور شرح السنہ کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"یہ روایتیں جو ہشامی، واقدی میں بیان ہوئی ہیں، یا وہ روایتیں جو شرح السنہ اور دارمی میں مذکور ہیں صحت سے بہت دور ہیں، اور محققین علماء اسلام ان کو محض نا قابل اعتبار سمجھتے ہیں اور بے ہودہ افسانے جو محض جہلا کے خوش کرنے کے قابل ہیں خیال کرتے ہیں پس عیسائی مورخوں نے اس بات میں بڑی غلطی کی ہے کہ ان نامعتبر روایتوں کی بنیاد پر اسلام پر اعتراض کرتے ہیں۔"(۲)

معراج کے بارے میں سرسید صاحب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ آپ کو خواب کی حالت میں یہ سب کچھ دکھایا گیا اس سے زیادہ اس کی اور کوئی حقیقت نہیں۔ چنانچہ معراج کے متعلق اور معراج کے ان واقعات کے متعلق (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے) واردشدہ تمام احادیث نا قابل اعتبار اور بے بنیاد قصے ہیں۔ اسی وجہ سے اگر کوئی معراج کا انکار کرتے ہوئے معراج سے متعلق احادیث کا انکار بھی کردے تو سرسید صاحب کے نزدیک اس کے ایمان میں بالکل خلل نہیں آئے گا چنانچہ لکھتے ہیں:

"شق اور معراج اگر مذہب اسلام سے تعلق رکھتے ہیں تو بہت سیدھا سادھا تعلق رکھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں یا اس واقعہ

---

(۱) خطبات احمدیہ صفحہ ۲۶۰

(۲) حوالہ بالا

کے خواب ہونے سے انکار کردے اور یہ کہے کہ اس قسم کی کوئی چیز ظہور پذیر نہیں ہوئی تھی اور یہ تمام روایتیں جو اس واقعہ کے حقیقی یا مثالی وقوع کو بیان کرتی ہیں بلا استثنا بالکل غلط اور سراسر بے اصل موضوع اور جعلی ہیں تو بھی اس کے ایمان میں ذرہ برابر بھی خلل واقع نہ ہوگا۔ بلکہ وہ پورا اور پکا اور سچا مسلمان رہے گا۔"(۱)

یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ معراج نہ جسمانی ہوئی ہے اور نہ منامی اور نہ عالم مثال میں اور اس سلسلہ میں جو روایتیں وارد ہوئی ہیں وہ سب کی سب لغو، جعلی اور موضوع ہیں ایسا عقیدہ رکھنے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ یہ تو عین ایمان ہے اور ایمان بھی ایسا جو تحقیق وتفتیش کے بعد حاصل ہوا ہو۔ اسی کو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اگر کوئی مسلمان مذکورہ بالا عقیدہ پر ایمان رکھ کر ان سب روایتوں کو جو معراج کے قصے میں آئی ہیں نہ مانے اور سب کو موضوع اور نہایت قابل الزام خیال کرکے چھوڑ دے تو اس کے دین وایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اور وہ اس شخص کے ہم پایہ ہوگا جو کسی چیز پر بلا تحقیق وتفتیش کے ایمان نہیں لاتا۔"(۲)

اصل بات یہ ہے کہ سرسید کے نزدیک انبیاء علیہم السلام عام انسانوں کی طرح تھے۔ ان سے مافوق الفطرت اور خرق عادت کوئی کام سرزد نہیں ہوسکتا اسی وجہ سے معجزات کا انکار کیا اور ان کے نزدیک یہ تمام معجزات سراسر لغو، بیہودہ افسانے اور بے بنیاد قصے ہیں جو محض جہلا کو خوش کرنے کے لیے گھڑ لیے گئے ہیں، اور علماء نے اپنی نادانی کی وجہ سے ان کا انکار کرنے کے بجائے اپنی کتابوں میں جگہ دے دی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سرسید صاحب یورپین مستشرقین کے پروپیگنڈے سے صرف متاثر ہی نہیں بلکہ ان سے مرعوب بھی تھے یہی وجہ تھی کہ اسلام کے جن عقائد پر بھی ان کی

---

(۱) خطبات احمدیہ صفحہ ۲۶۰

(۲) حوالہ بالا

طرف سے اعتراضات ہوتے تو سرسید صاحب کی کوشش ہوتی کہ ان کا جواب دینے کے بجائے ان عقائد ہی کو اسلامی عقائد کی فہرست سے نکال دیا جائے حالانکہ جن باتوں کا انکار سرسید صاحب نے محض عقلیت کی بنا پر کیا تھا آج سائنسدانوں نے ان کو ثابت کر دیا اور عملی طور پر پیش کر کے دکھا دیا ہے۔ مستشرقین اور ان کے خوشہ چین سرسید کے لیے یہ بات بڑی حیران کن تھی کہ ایک زندہ انسان کا سینہ چاک کر کے اس کا دل نکال کر جسم سے علیحدہ کر دیا جائے اور اس کے باوجود وہ زندہ رہے۔ مگر آج سائنس نے صرف یہی نہیں کہ سینہ چاک کر کے دل علیحدہ کر دیا بلکہ اس دل کے ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں پھر بھی انسان زندہ رہتا ہے۔

ان عقل کے پیچ وخم میں الجھنے والوں کے لیے یہ بات ناقابل تسلیم تھی کہ آپ ﷺ ایک ہی رات میں بیت اللہ سے بیت المقدس اور پھر ساتوں آسمانوں سے ہو کر واپس آ گئے۔ جب کہ آج ایسی تیز رفتار سواریاں اور دوسری چیزیں ایجاد ہو گئیں جو چند لمحوں میں کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہیں اور اسی پر اکتفا نہیں بلکہ انسان کی محنت اور کوشش جاری ہے، لہٰذا جب ایک انسان یہ کر سکتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں کہ وہ اپنے ایک محبوب اور پیارے بندے کو راتوں رات بیت اللہ سے بیت المقدس اور ساتوں آسمانوں پر بلا لے، اور پھر اسی رات واپس اپنی جگہ پہنچا دے، آج کل یورپ کا فلسفہ تبدیل ہو رہا ہے اور کل تک جن باتوں کا انکار کیا جاتا تھا آج سائنس نے ان کو ثابت کر دیا ہے بلکہ آج یورپ ان عقائد اور حقائق کا سب سے بڑا مدعی ہے۔ کل تک جو یورپ ڈارون کے نظریہ ارتقا سے متاثر ہو کر اپنے آپ کو بندر کہلوانا پسند کرتا تھا آج وہی اس نظریہ کی تردید میں پیش پیش ہے، اور اسی طرح یورپ کے فلسفہ سے متاثر ہو کر اسلامی عقائد پر اعتراض کرنے والوں کے لیے خود یورپ نے ہی مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ ؎

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

قادیانیت اور انکار حدیث:

قادیانی اور مرزائی فرقہ جو مرزا غلام احمد کا پیروکار ہے اور انگریز کا خود کاشتہ پودہ ہے۔ جس کو انگریز نے اپنے مذموم مقاصد (مسلمانوں میں افتراق و انتشار پیدا کرنے، اور ان میں جذبہ جہاد ختم کرنے اور ان کو اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ کرنے) کے لیے نبی بنایا تھا ان میں حدیث کا انکار پایا جاتا ہے، انھوں نے بھی ان تمام احادیث کا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے متعلق وارد ہوئی ہیں انکار کیا ہے۔

فتنہ مودودیت اور انکار حدیث:

آج کل جدید فتنوں میں ایک فتنہ مودودیت بھی ہے۔ اس میں بھی انکار حدیث کا عنصر شامل ہے۔ مودودی صاحب اور ان کے پیروکار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مناقب کا انکار کر کے آپ پر اعتراض کرتے ہیں جب کہ وہ مناقب احادیث سے ثابت ہیں اور آپ کی خلافت پر اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ خلیفہ راشد ہیں، اور خلافت راشدہ وہ ہوتی ہے جو علیٰ منہاج النبوۃ (نبوت کے طرز پر ہو) جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دن اور زندہ رہتے تو وہی کام کرتے جو خلفائے راشدینؓ نے کئے۔ تو خلفائے راشدینؓ کے کام بعینہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کام ہیں اور خلافت راشدہ پر اعتراض نبوت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم پر اعتراض سمجھا جائے گا۔ جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اعتراض کرنا، ان کی خلافت کو عبوری کہنا اور یہ کہنا کہ ایک وقت میں دو خلیفہ ہو سکتے ہیں قابل ملامت ہے، بالکل اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور ان کی خلافت پر اعتراض کرنا بھی قابل ملامت ہے۔

اسی طرح مودودی صاحب اور ان کے متبعین بعض صحابہ کرامؓ کو قابل تنقید سمجھتے

ہیں اور یہ راگ الاپتے ہیں کہ تنقید اور چیز ہے اور تنقیص اور چیز ہے، حالانکہ ہر تنقید میں تنقیص ہوتی ہے۔

پھر صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہمیں کچھ کہنے کا کیا حق ہے صحابہ کرام حملۃ الدین (دین کے حامل) ہیں جنھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا کو، دین کے ایک ایک جز کو، قرآن کے نزول کی ہر ہر کیفیت کو محفوظ کر کے دوسروں تک پہنچایا اگر صحابہ کرامؓ نہ ہوتے تو نہ قرآن محفوظ ہوتا، اور نہ حدیث محفوظ ہوتی، نہ دین محفوظ ہوتا نہ شریعت محفوظ ہوتی، صحابہ کرامؓ کا امت پر کس قدر احسان عظیم ہے، جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سیرت طیبہ صحابہ کرامؓ کے تذکرہ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ آپ ﷺ کی سیرت میں جو آرتگی، جو حسن و جمال اور علم و عمل کا جو کمال پایا جاتا ہے اس کا مکمل ظہور صحابہ کرامؓ کی وجہ سے ہے کہ کس طور پر آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی تربیت کی۔ کس طور پر ان کی اصلاح کی اور کس طرح آپ نے نور ہدایت سے ان کے دل و دماغ کو منور کیا۔

غرض یہ کہ یہ تمام باتیں، صحابہ کرام کے مناقب کا انکار، اہلبیت کے مناقب کا انکار، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب کا انکار، محدثین، ائمہ مجتہدین، فقہاء امت اور علماء کا انکار، ان سب کی تہہ میں انکار حدیث ہے اور یہ فتنۂ انکار حدیث تمام فتنوں کا جامع اور ان کا ماخذ و مرجع ہے۔

فتنوں کا سد باب:

چونکہ دین اسلام ایک ابدی اور دائمی مذہب و دین ہے جو قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے سرچشمہ ہدایت اور مینارہ نور ہے اور خاتم النبیین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا مگر اس دین کی

حفاظت اللہ تعالیٰ نے علماء کے سپرد کی ہے اور ان علماء کو انبیاء کا وارث قرار دیا ہے یہی وجہ ہے کہ جہاں ملحدین اور زائغین کے گروہ پیدا ہوئے، وہاں اللہ تعالیٰ نے ان کا مقابلہ کرنے اور ان کو دندان شکن جواب دینے کے لیے ہر دور میں علماء کرام کی جماعتوں کو تیار فرمایا جنھوں نے ہر فتنہ کا بھرپور مقابلہ کیا اور ان کے تمام اعتراضات کا مسکت جواب دیا اور ان کے شکوک و شبہات کا تار پود بکھیر کر رکھ دیا۔ کیونکہ خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے اعلان ہو چکا تھا:

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين.[1]

اس علم دین کی امانت کو نسل در نسل امت کے برگزیدہ اہل علم اٹھاتے رہیں گے جو حد سے تجاوز کرنے والوں کی تحریفوں اور اہل باطل کی دینی چوریوں اور جاہلوں کی تاویلوں کا پردہ چاک کریں گے۔

چنانچہ علماء کرام نے جہاں دوسرے فتنوں کا مقابلہ کیا وہاں اس انکار حدیث کے فتنے کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا اور باقاعدہ طور پر اس فتنہ کا سب سے پہلے حضرت امام شافعیؒ نے مقابلہ کیا جنھوں نے ''الرسالہ'' نامی کتاب لکھی اور اس میں حجیت حدیث پر بحث کی اور منکرین اور ان کے اعتراضات پر سیر حاصل بحث کی، اور اسی طرح اپنی مشہور و معروف کتاب ''الام'' میں بھی اس موضوع پر گفتگو کی، اس کے بعد ہر دور کے علماء کرام نے مستقل اس پر کام کیا اور کتابیں لکھیں اور یہ سلسلہ آج تک چلا آرہا ہے۔

حفاظت حدیث اور امت کی خدمات:

اس کے ساتھ ساتھ پوری امت حدیث کی حفاظت اور اس کے پڑھنے اور

(۱) مشکوۃ کتاب العلم

پڑھانے میں لگ گئی کیونکہ امت جانتی تھی کہ دین کی تکمیل وتشکیل قرآن وحدیث دونوں سے ہوئی ہے تو قرآن کی طرح حدیث کی حفاظت بھی لازمی اور ضروری ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو احادیث کی زندہ اور چلتی پھرتی کتابیں تھیں اور جنھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک قول کو سنا اور آپ کی ایک ایک ادا کو دیکھا تھا اور صرف سنا اور دیکھا ہی نہیں بلکہ انھیں اپنے سینوں میں جوں کا توں محفوظ رکھا۔ یہ صحابہ کرامؓ ہر جگہ پھیل گئے اور جگہ جگہ حلقہائے درس قرآن وحدیث قائم کئے اور اس طرح پوری امت کو قرآن کریم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تعلیم بھی دی۔

جب اسلام مختلف اطراف وبلاد اور دور دراز علاقوں تک پہنچ گیا تو صحابہ کرامؓ بھی قرآن وحدیث کی تعلیم ان تک پہنچانے کے لیے ان اطراف وبلاد میں پھیل گئے تاکہ ان کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیں تو صحابہ کرامؓ کے اس طرح مختلف بلاد میں منتشر ہوجانے کی وجہ سے تابعینؒ نے ضرورت محسوس کی کہ ان احادیث کو یکجا جمع کر دیا جائے چنانچہ اس کے لیے انھوں نے سفر کئے اور جہاں سے بھی ان کو حدیث مل سکی انھوں نے جمع کی۔

تدوین حدیث کا پہلا دور:

علاوہ ازیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حدیث کے جمع وتدوین کا مہتم بالشان کام شروع کیا اور اس عظیم کام کو آپ نے تین اشخاص حضرت ابو بکر بن حزم، حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر اور امام الحدیث محمد بن مسلم بن شہاب زہری کے سپرد کیا اور ان حضرات نے باقاعدہ حدیث کو جمع اور مدون کیا اس سلسلہ میں امام زہریؒ نے سب سے زیادہ قابل قدر خدمات انجام دیں اور ان کی کوششوں سے حدیث کا ایک

ایسا مکتوب ذخیرہ تیار ہوا جس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے کئی اونٹ درکار ہوتے تھے ان پر ان کو لاد کر ایک جگہ سے دسری جگہ منتقل کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امام زہری کو حدیث کا پہلا مدون شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد تو حدیث میں تالیفات کا مستقل سلسلہ شروع ہو گیا اور بڑے بڑے جلیل القدر محدثین کرام تدوین حدیث کے کام میں لگ گئے۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں ابن جریج، مدینہ طیبہ میں مالک بن انسؒ، بصرہ میں ربیع بن صبیح، کوفہ میں سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ، خراسان میں عبداللہ بن مبارک نے تدوین حدیث کے میدان میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ یہ تدوین حدیث کا پہلا دور تھا۔

تدوین حدیث کا دوسرا دور:

تدوین حدیث کے پہلے دور میں احادیث کے مجموعے تو تیار ہو گئے تھے مگر ان میں صحیح، مسند، منقطع، مرسل وغیرہ میں فرق کا التزام نہیں کیا گیا تھا۔ تیسری صدی کے آغاز میں محدثین نے ضرورت محسوس کی کہ احادیث مرفوعہ کو احادیث مرسلہ سے بالکل جدا کر دیا جائے۔ چنانچہ اس دور کی تصنیفات وتالیفات میں مرفوع احادیث کو دوسری تمام احادیث کو دوسری تمام احادیث سے جدا کر دیا گیا اور اس کے لیے مختلف تصنیفات مسند کے نام سے سامنے آئیں۔ یہ تدوین حدیث کا دوسرا دور تھا۔

تدوین حدیث کا تیسرا دور:

مگر ان تصنیفات میں مرفوع احادیث میں صحیح، حسن، ضعیف سب یکجا تھیں، اس ضرورت کے پیش نظر کہ مرفوعات میں صحیح احادیث کو جدا کر دیا جائے، محدثین نے اپنی توجہ اس جانب مبذول کی اور اس سلسلہ میں امام بخاری، امام مسلم اور دیگر ائمہ حدیث نے صحیح کے نام سے کتابیں لکھیں یہ تدوین حدیث کا تیسرا دور کہلاتا ہے۔ اور جیسے جیسے فتنہ انکار حدیث زور پکڑتا گیا، علماء نے اسی شدت سے انکا مقابلہ کیا اور ان کے

اعتراضات کے بھرپور اور دندان شکن جواب دیئے۔ اور اس فتنہ کے مقابلہ میں مستقل کتاب السنۃ کے نام سے کتابیں لکھیں۔ چنانچہ امام شافعیؒ نے، امام دار قطنی نے، امام بیہقی اور دوسرے ائمہ حدیث نے کتاب السنۃ لکھی۔ اور علماء کرام نے احادیث کی اہمیت، اس کی ضرورت وفضیلت اور اس کی حفاظت پر کتابیں لکھیں۔

بہر حال جب فتنہ انکار حدیث اٹھا تو پوری امت حدیث کی حفاظت میں لگ گئی اور حدیث کی اس طور پر حفاظت کی جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔

حفاظت حدیث کے سلسلہ میں امت کی خدمات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حفاظت حدیث کے لیے مختلف علوم ایجاد کیے، حدیث کے متن سے متعلق، اس کی سند کے متعلق راویان حدیث سے متعلق، متواتر، مشہور، احاد، غریب، موتلف، مختلف، منکر، ناسخ ومنسوخ علل وغیرہ جن کی تعداد سو کے قریب پہنچتی ہے، اور جن کی تفصیل اصول حدیث کی کتابوں میں با آسانی دیکھی جا سکتی ہے۔

امت نے صرف یہی نہیں کیا کہ آپ کے اقوال کو محفوظ رکھا بلکہ آپ کی ایک ایک ادا، آپ کا ہر ہر فعل، ہر قول اور زندگی کا ہر شعبہ اور ہر ہر گوشہ محفوظ کر دیا۔

دنیا میں کوئی نبی اور کوئی بھی بڑا آدمی ایسا نہیں گزرا جس کی زندگی اس طرح محفوظ ہو جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی محفوظ ہے۔ اس کا اعتراف اپنوں ہی نہیں بلکہ اعداء بھی اس کے معترف ہیں۔ "جان ڈیون پورٹ" اپنی کتاب "Apology for Muhammad & The Qur'an" کو ان الفاظ سے شروع کرتا ہے۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تمام مقننین اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کے وقائع محمد کے وقائع عمری سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں۔"(1)

(1) بحوالہ خطبات مدارس

دوسرے انبیاء، اور دوسری قوموں کے پیشواؤں کے حالات زندگی میں صرف چند جھلکیاں تو معلوم ہو سکتی ہیں، مگر ان کی زندگی کے حالات اس تفصیل سے کہیں بھی مذکور نہیں جن کو سامنے رکھ کر کوئی بھی جویائے حق اپنے لیے راہ عمل تعین کر سکے جب کہ ان کے مقابلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک فعل محفوظ ہے، آپ گھر میں کس طرح رہتے تھے، باہر کی زندگی کس طرح گزارتے تھے، غزوات، سفر وحضر، آپ کا چلنا پھرنا، سونا جاگنا سب کچھ ہی تو محفوظ ہے جو ہر شخص کے لیے مشعل راہ بن سکتے ہیں، اور جن کی روشنی میں ہر شخص اپنے لیے راہ عمل متعین کر سکتا ہے۔ Reverend Basworth Smith fellow of Trinity College Oxford کہتا ہے:

"ہم در حقیقت مسیح کی زندگی کے ٹکڑے میں سے ٹکڑا جانتے ہیں۔ ان تیس برسوں کی حقیقت سے کون پردہ اٹھا سکتا ہے جس نے تین سال کے لیے راستہ تیار کیا، جو کچھ ہم جانتے ہیں اس نے دنیا کی ایک تہائی کو زندہ کیا ہے اور شاید اور بہت زیادہ کرے۔ ایک Ideal Life جو بہت دور بھی ہے اور قریب بھی، ممکن بھی ہے اور ناممکن بھی، لیکن اس کا کتنا حصہ ہے جو ہم جانتے ہی نہیں، ہم مسیح کی ماں، مسیح کی خانگی زندگی، ان کے ابتدائی احباب، ان کے ساتھ ان کے تعلقات، ان کے روحانی مشن کے تدریجی طلوع، یا یک بیک ظہور کی نسبت ہم کیا جانتے ہیں؟ ان کی نسبت کتنے سوالات ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے، لیکن اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے یہاں دھندلا پن اور راز نہیں ہے ہم تاریخ رکھتے ہیں ہم محمد کے متعلق جانتے ہیں، جس قدر Luther اور Milton کے متعلق جانتے ہیں۔"(1)

(1) بحوالہ خطبات مدارس

حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بیان میں مسلمانوں اور غیر مسلموں نے ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھیں اور سیرت نبویہ اور حدیث کی کتابوں کو ان کے مصنفوں سے سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص نے ایک ایک حرف سن کر اور سمجھ کر دوسروں تک پہنچایا۔ حدیث کی پہلی کتاب موطا امام مالک اس کے مصنف امام دار الہجرہ امام مالک رحمۃ اللہ سے چھ سو آدمیوں نے سنا، امام بخاری کی جامع صحیح کو صرف ان کے ایک شاگرد فربری سے ساٹھ ہزار آدمیوں نے سنا۔

بہرحال مسلمانوں نے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو محفوظ رکھا اور اس پر مختلف تصانیف چھوڑیں اور ان تصانیف کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور ہر شخص اس میں حصہ لینا اپنے لیے قابل فخر اور باعث سعادت سمجھتا ہے۔

امت نے یہی نہیں کیا کہ آپ کی زندگی کو محفوظ کر لیا بلکہ آپ کی زندگی کو بیان کرنے والوں اور آپ کے افعال واقوال نقل کرنے والوں کی زندگیاں تک محفوظ کر لیں۔

صرف صحابہ کرام کے تذکرہ وحالات میں اس قدر شرح وبسط کیساتھ کتابیں لکھی گئیں کہ دیکھنے والا حیران رہ جائے۔ حافظ ابن حجر کی اصابہ، ابن عبدالبر کی استیعاب، ابن اثیر کی اسد الغابہ قابل ذکر ہیں، صحاح ستہ کے رواۃ کے حالات میں تہذیب الکمال اور اس کی تلخیص تہذیب التہذیب موجود ہے۔ اور وہ رواۃ جو متروکین و مجروحین ہیں ان کے مستقل تذکرے لکھے گئے۔ لسان المیزان اور میزان الاعتدال اسی قسم کے رواۃ کے تذکرے میں ہیں۔

بہرحال احادیث کی حفاظت کے سلسلہ میں علماء امت نے فن رجال مرتب کیا اور باقاعدہ رواۃ حدیث کے حالات بیان کئے اور ان پر جرح ونقد کا سلسلہ قائم کیا اور

تدوین حدیث میں اس بات کا خیال رکھا کہ کوئی حدیث درمیان میں منقطع نہ ہو اگر روایات حدیث کا سلسلہ کہیں ٹوٹا بھی ہے تو اس کی نشاندہی بھی کر دی ہے، یہ سب حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا اعجاز اور امت محمدیہ کا امتیاز ہے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ علامہ شبلی نعمانی کا قول نقل کرتے ہیں۔

"کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلمبند کیے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں جن کے روایوں کا نام ونشان تک معلوم نہیں ہوتا۔ ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لیے جاتے ہیں جو قرائن وقیاسات کے مطابق ہوتے ہیں، تھوڑے زمانے کے بعد یہی خرافات ایک دل چسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں۔ یورپ کی اکثر یورپین تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔

لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا ہے وہ اس سے بہت ہی زیادہ بلند تھا، اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کے نام بہ ترتیب بیان کئے جائیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو اشخاص اس سلسلہ روایت میں آئے کون لوگ تھے؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ ان کا چال چلن کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے یا نکتہ رس؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل تھا۔ لیکن سینکڑوں، ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں، ایک ایک شہر میں گئے اور روایوں سے ملے، ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کیے۔ انہی تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال کا

وہ عظیم الشان فن ایجاد کیا جس کی بدولت کم از کم کئی لاکھ شخصیتوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔[۱]

ہندوستان میں حدیث کی آمد:

ہندوستان میں بھی شروع سے ایک طبقہ ایسا رہا ہے جس کا مشغلہ حدیث پڑھنا اور پڑھانا تھا۔ مسلمانوں نے جب سندھ فتح کیا اور بہت سے تابعینؒ نے سرزمین سندھ کو اپنے شرف قدم سے زینت بخشی جس کی وجہ سے حدیث کی بازگشت سندھ میں سنائی دی جانے لگی۔ اسی عرصہ میں سندھ کو ربیع بن صبیح نامی محدث سے بھی شرف حاصل ہوا۔ عربوں کا دور حکومت تیسری صدی تک جاری رہا۔ اس کے بعد دوسرا دور شروع ہوا جو چوتھی صدی سے دسویں صدی ہجری تک پھیلا ہوا ہے اس دور میں فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، علم الکلام کی کثرت سے درس وتدریس کی وجہ سے حدیث کی طرف توجہ کم ہوگئی مگر حدیث پڑھتے ضرور تھے۔ اس دور میں حدیث کی تعلیم صرف ''مشارق الانوار'' تک محدود تھی زیادہ سے زیادہ ''مشکوٰۃ'' یا بغوی کی ''مصابیح'' کو تبرکاً پڑھ لیا جاتا تھا۔

دسویں صدی میں دنیاء اسلام سے ہندوستان کے بعض علاقوں میں حدیث کے علماء وارد ہوئے اور اس طرح دوبارہ حدیث کی صدائے عطر بیز ہندوستان میں گونجنے لگی۔

دسویں صدی کے اواخر میں ایک محدث سید عبدالاولی الحسینی کا نام ملتا ہے جنہوں نے ''فیض الباری'' کے نام سے بخاری کی شرح لکھی اور یہ ہندوستان میں بخاری کے سب سے پہلے شارح ہیں۔

(۱) خطبات مدارس

گیارہویں صدی میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ علم حدیث کا ایک ماہتاب بن کر چمکے، جنہوں نے حدیث کی طرف خصوصی توجہ دی اور اکبری دور کی بدعت، الحاد، زندقہ کی ظلمت کو حدیث نبوی ﷺ کے نور سے ختم کر دیا۔ انہوں نے ''مشکوٰۃ'' کی دو شرحیں لکھیں، ایک فارسی میں ''اشعۃ اللمعات'' کے نام سے دوسری ''لمعات التنقیح'' کے نام سے عربی میں۔ اسی طرح حدیث کی خدمت ہوتی رہی اور علم حدیث کی تاریخ اپنے مراحل طے کرتی رہی پھر علم حدیث کی تاریخ میں ایک انقلاب آیا یعنی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سربرآرائے مسند حدیث ہوئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ہندوستان میں متداول علوم کی تحصیل کے بعد سفر حجاز اختیار کیا اور شیخ ابوطاہر بن ابراہیم سے صحاح ستہ کا درس لیا شیخ نے بھی اپنے سارے علوم اپنے ہونہار شاگرد کے سامنے کھول دیئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ہندوستان آکر صرف مشکوٰۃ المصابیح کے درس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ صحاح ستہ کا درس شروع کیا اور ظلمت کدۂ ہند حدیث نبوی کے نور سے منور ہوگیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی گوناگوں خصوصیات کے حامل آپ کے بعد آپ کے فرزندان گرامی ہوئے جن میں مسند وقت حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کا نام نامی سرفہرست ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ آپ کے برادران جلیل القدر حضرت مولانا شاہ عبدالقادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ نے علوم حدیث حاصل کیئے، حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ نے جو اپنے زمانہ میں مسند وقت تھے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے حدیث پڑھی اور طویل عرصہ تک ان کے ساتھ رہے۔ حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ کے بعد شاہ عبدالغنی محدث

تھے اور شاہ عبدالغنیؒ صاحب سے پورا ایک جہاں فیضیاب ہوا۔

ولی اللّٰہی خاندان کے بعد حق وصداقت، علم وعرفان، صدق وصفا اور علوم دینیہ خصوصاً قرآن کریم وحدیث نبوی کی تعلیم وتدریس اور درس وافادہ کی خلافت حضرات علماء دیوبند وسہارنپور کی طرف منتقل ہوئی۔ حضرات علماء دیوبند وسہارنپور نے سو سال تک تجدید کا کام کیا۔

یہ سلسلہ علوم حدیث اس جماعت میں سرفہرست محدث کبیر، فقیہ بے عدیل حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ سرہٗ ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آج تک علوم حدیث اور صحاح ستہ کی تعلیم اور درس وتدریس کا سلسلہ بدستور چلا آرہا ہے اور آج کے گئے گزرے دور میں بھی صحاح ستہ کی تعلیم ہند وپاک کے دینی مدارس میں امتیازی شان سمجھی جاتی ہے۔ اور اس اعتبار سے ہر زمانے میں ایک ایسی جماعت موجود رہی ہے، جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو محفوظ رکھا اگرچہ ان کے مقابلہ میں اسلام کے سدابہار گلشن میں خودرو پودوں اور کانٹوں کی طرح خودرو اور خود ساختہ افکار وخیالات کے حامل منکرین حدیث پائے جاتے رہے، کبھی باطنیہ کی شکل میں، کبھی خوارج کی شکل میں اور کبھی روافض ونواصب کی شکل میں اور کبھی اباحیہ کی شکل میں اور دیگر مختلف صورتوں میں مگر علماء حق نے ہمیشہ ان منکرین حدیث کا مقابلہ کیا اور علماء حق ہی ہمیشہ ان پر غالب ہوئے۔

ہندوستان میں انکار حدیث:

چنانچہ ہندوستان میں بھی قال اللہ قال الرسول کی گونج کے مقابلہ میں زائغین اور منکرین حدیث کا ٹولہ وجود میں آیا۔

ہندوستان میں میرے علم کے مطابق سب سے پہلے سر سید احمد خان نے حدیث کا انکار کیا اور اسی انکار حدیث ہی کی بدولت معجزات کا انکار کیا جس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ دوسرا شخص جس نے بڑی شدومد کے ساتھ حدیث کا انکار کیا وہ مولوی چراغ علی تھا اس نے بھی احادیث کو بےکار قرار دے کر احادیث کا انکار کیا۔ یہی شخص ہے جس نے سب سے پہلے یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ اٹھایا اور یہیں سے ہندوستان میں انکار حدیث کا فتنہ عام ہوا۔ یہ شخص غیر مقلد تھا۔

ہندوپاک میں غیر مقلدیت کی فتنہ انگیزیاں:

دنیا کی یہ عجیب تاریخ ہے کہ ہندوستان میں جتنے بڑے بڑے فتنے پیدا ہوئے ان سب کی تہ میں غیر مقلدیت پائی جاتی ہے۔

امت مسلمہ کا سب سے بڑا فتنہ قادیانیت جس کے خلاف آج تک امت برسر پیکار ہے اور "مجلس تحفظ ختم نبوت" کے نام سے قادیانیت کے خلاف باقاعدہ کام ہو رہا ہے یہ فتنہ بھی غیر مقلدیت کی پیداوار ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی بنانے والا حکیم نورالدین بھیروی تھا جو غیر مقلد تھا اس نے مرزا غلام احمد کو ابھارا کہ آپ میں نبی بننے کی صفات پائی جاتی ہیں اس لیے نبی بن جاؤ پہلے اس سے محدث، مصلح، ملہم وغیرہ کے دعوے کرائے اور پھر نبوت کا دعویٰ بھی کروادیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حکیم نورالدین غیر مقلد تھا اور حنفیوں اور غیر مقلدوں میں لڑائی چلتی رہتی تھی تو اس نے کہا کہ میں حنفیوں کو ایسا مزہ چکھاؤں گا کہ ساری عمر روتے رہیں گے اور اس نے احناف کے لیے ایک نئی نبوت پیدا کردی تا کہ یہ احناف اسی میں الجھے رہیں اور اپنی تمام توانائی اسی میں صرف کردیں۔

چند دن قبل سر ظفر اللہ کی کتاب ’’تحدیث نعمت‘‘ دیکھ رہا تھا اس نے لکھا میرا باپ پہلے غیر مقلد تھا اور اس کی دوسری سیڑھی قادیانیت تھی، سرسید بھی غیر مقلد تھا غرضیکہ بڑے بڑے فتنوں میں غیر مقلدیت کا ہاتھ پایا جاتا ہے اس کی وجہ وہی ہے جو علامہ زاہد الکوثریؒ نے بتائی حضرت علامہ کوثریؒ صاحب کا ایک مضمون مقالات کوثری میں ہے جس میں حضرت علامہ لکھتے ہیں:

ان لا مذھبیة قنطرة الالحاد.

’’لا مذہبیت (غیر مقلدیت) الحاد کا پل ہے۔‘‘

کیونکہ جب کوئی غیر ملقد بنتا ہے تو اس کی فطرت وطبیعت آزاد ہو جاتی ہے اور وہ خیال کی وادی میں ہر جگہ منہ مارتا پھرتا ہے، حق و باطل کی تمیز ختم ہو جاتی ہے اور غیر مقلد بننے کے بعد آدمی گستاخ و بے ادب ہو جاتا ہے۔ یہ غیر مقلد حضرات خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نام اس طرح لیتے ہیں جیسے ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

اس کے بعد فتنہ انکار حدیث کو فروغ دینے والا حافظ اسلم جے راج پوری تھا۔ یہ اعظم گڑھ کا رہنے والا تھا اور جامعہ ملیہ قرول باغ میں اسلامیات کا پروفیسر تھا۔ اس نے انکار حدیث کے فتنہ کو خوب پروان چڑھایا اس پر کتاب لکھی اور اس پر اپنے شاگردوں کو تیار کیا لیکن اس کا ایک شاگرد اس معاملہ میں بہت ذہین اور فطین ثابت ہوا۔

پرویز اور فتنہ انکار حدیث:

حافظ اسلم جے راج پوری نے فتنہ انگیزی کی زرخیز زمین میں ایک بیج بویا جس کی آبیاری اس نے انکار حدیث سے کی اور اس پر مذہب بے زاری اور تحریف والحاد کا پھل

چلایا۔ چنانچہ اس پودے نے اپنے پر وبال فتنہ انکار حدیث کی صورت میں نکالے اور ایک تناور درخت بننے کے بعد خوب حق تربیت ادا کیا اور انکار حدیث پر مشتمل کتابوں کی صورت میں پھل دیا۔ یہ پودا جس کو حافظ اسلم جے راج پوری نے لگایا تھا اور وہ شاگرد جس کی تربیت اسلم جے راج پوری نے کی تھی غلام احمد پرویز ہے۔

موجودہ وقت میں پاکستان میں فتنہ انکار حدیث کی قیادت غلام احمد پرویز کے ہاتھوں میں ہے۔ اس نے انکار حدیث کو خوب فروغ دیا۔ زبان اچھی ہے، افسانوی انداز میں لکھتا ہے۔ پرویز نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً طاہرہ کے نام، سلیم کے نام، نظام ربوبیت، قرآنی فیصلے، لغات القرآن، مفہوم القرآن، مطالب الفرقان، معارف القرآن، تبویب القرآن وغیرہ ان سب کتابوں میں یہی انکار حدیث ہے۔ ان کتب میں پرویز نے الحاد وتحریف کے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دیے ہیں شریعت کی اصطلاحوں اور احکام میں تحریف کر کے ان کے مفہوم اپنی طرف سے گھڑ کر لوگوں کے سامنے پیش کئے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ اور رسول کے مفہوم کو بھی بدل کر رکھ دیا۔ اگر پرویز کی تحریروں اور لٹریچر کی روشنی میں پرویز کے عقائد کا جائزہ لیا جائے تو اس میں کمیونزم کا پورا معاشی ڈھانچہ، مذہب بے زاری، نیچریت کی مادہ پرستی، قادیانیت کا انکار، وحدت، چکڑالویت کا انکار سنت اور خاکسار کی تحریف وتاویل سب خرابیاں ملیں گی اور پرویز کے قلم کی روانی نے ان غلاظتوں میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

پرویز نے اس فتنہ کو عوام کے سامنے ایک دینی دعوت اور دینی تحریک ثابت کرنے کی غرض سے اور اپنے آپ کو مسلمانوں کا مصلح ثابت کرنے کے لیے قرآن کو بطور ہتھیار کے استعمال کرتے ہوئے رجوع الی القرآن‘‘ کا نعرہ بلند کیا جب کہ دوسری

طرف حدیث اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پرویز کا رویہ یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (جن پر قرآن کریم نازل ہوا) کو قرآن کے احکامات کی تشریح کا حق بھی دینا نہیں چاہتا بلکہ جو دینی احکام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں وہ بھی اس کے نزدیک من گھڑت ہیں۔ اس کے برعکس جب پرویز خود قرآن کی تشریح کرتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ چونکہ یہ خود تو عربی دان نہیں ہیں اس لیے مجبوراً کسی لغت کی کتاب کو سامنے رکھ کر جو سمجھ آتا ہے۔ اسے اپنے افسانوی رنگ میں ڈھال دیتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اکثر یہ حضرت لغت کے معنی بھی اپنی طرف سے گھڑتے ہیں یا کسی قرآنی لفظ کے مفہوم کو اپنے نظریہ کے مطابق تبدیل کر لیتے ہیں جیسا کہ آگے ان کی تحریروں سے یہ بات کھل کر سامنے آ جائے گی۔

پرویز ہر چیز کو اپنے گھر کی لونڈی سمجھتا ہے۔ قرآن ہو یا لغت، حدیث ہو یا فقہ جس طرح چاہا تشریح کر دی نہ یہ دیکھا کہ قرآن کے دوسرے مقامات سے اس کی تائید ہو رہی ہے یا مخالفت اور نہ اس بات کو سامنے رکھا کہ قرآن کی فلاں آیت کی تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمائی ہے اور فلاں حکم کے متعلق حدیث ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے۔ پرویز کے اسی انکار حدیث کا نتیجہ ہے کہ اس کی زد براہ راست قرآن کریم کے مسلمہ عقائد و عبادات، معاملات، معاشرتی مسائل اور عائلی قوانین پر پڑتی ہے۔

ممکن ہے کہ کچھ لوگ اس انکار حدیث کو معمولی فتنہ سمجھیں اور قرآن کے موضوع پر لکھی گئی پرویز کی متعدد کتابوں کو اس قرآن کریم سے شغف کا نتیجہ قرار دیں لیکن جب ذیل کی سطروں میں پرویز کے عقائد پڑھیں گے، اس کی قصہ آفرینی اور خیال آرائی پر

نظر فرمائیں گے تب ان کو اس فتنہ انکار حدیث کے مضرت رساں اثرات کا علم ہو جائے گا اور ان کے سامنے پرویز کی خدمت قرآن کا بھانڈا پھوٹ جائے گا اور ان کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ہر اٹھنے والی نئی تحریک کے پرشکوہ الفاظ کے پیچ و خم میں گم نہیں ہو جانا چاہیے۔ ہر خوبصورت عنوان کے بارے میں رائے قائم کرنے سے قبل اس کے مواد کو دیکھنا چاہیے اور پھر اس کا قرآن و حدیث سے تقابل کرنا چاہیئے اس کے بعد اس تحریر کے متعلق یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مصنف نے قرآن و حدیث کے احکامات کی نمائندگی کی ہے۔ صرف خوبصورت الفاظ، شستہ تحریر اور عمدہ مضمون یہ حق و صداقت کی علامت نہیں بلکہ بسا اوقات یہ عوام کی گمراہی کا سبب بنتی ہیں بقول مولانا منظور احمد نعمانی مدیر "الفرقان" لکھنو:

"واقعہ یہ ہے کہ ذہانت اور زبان و قلم کی طاقت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت نہ ہو تو یہ بہت بڑا فتنہ اور ہزاروں لاکھوں کی گمراہی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔"(۱)

پرویز کے کفریہ عقائد:

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ اس انکار حدیث کی زد عقائد، عبادات، معاملات، معاشرتی مسائل اور عائلی قوانین سب پر پڑتی ہے۔ آگے ہم پرویز صاحب کی انہی تحریفات اور عقائد کی جھلک پیش کرتے ہیں۔

اللہ اور رسول کے متعلق پرویز کا نظریہ:

(۱) قرآن کریم میں جہاں اللہ اور رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد "مرکز نظام

(۱) مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف صفحہ ۱۰۸

حکومت ہے۔''(۱)

(۲) ''قرآن کریم میں ''مرکز ملت'' کو اللہ اور رسول کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔''(۲)

(۳) ''اللہ اور رسول کی اطاعت سے مراد مرکزی حکومت کی اطاعت ہے جو قرآنی احکام کو نافذ کرے گی۔''(۳)

(۴) ''اللہ اور رسول یعنی مرکز نظام ملت کی اطاعت کی تاکید کی گئی ہے۔''(۴)

پرویز کی ان تحریروں کی روشنی میں مندرجہ ذیل دو امور ہمارے سامنے آتے ہیں:

نمبر ۱۔ قرآن کریم میں جہاں بھی اللہ اور رسول کا نام آیا ہے اس سے مراد ''مرکز ملت'' ہے۔

نمبر ۲۔ جہاں اللہ اور رسول کی اطاعت کا ذکر ہے اس سے مراد ''مرکزی حکومت'' کی اطاعت ہے۔ ایک شخص سے سوال کیا جائے کہ کیا تم خدا کو مانتے ہو؟ وہ کہے کہ ہاں میں خدا کو مانتا ہوں کہ خدا تو ایک فطرت (Nature) ہے وہ ایک قوت (Power) (جیسے کہ آج کل کیمونسٹ کہتے ہیں) تو کیا ایسے شخص کو ہم صرف اس کے یہ کہنے سے کہ ''ہاں میں خدا کو مانتا ہوں'' مسلمان تصور کر سکتے ہیں؟

اسی طرح ایک شخص سے دریافت کیا جائے کہ کیا تم رسول کے قائل ہو؟ وہ جواب دے کہ ہاں میں رسول کا قائل ہوں کہ قوم کا لیڈر، قائد اور مصلح اس قوم کا رسول کہلائے گا تو کیا اس کے یہ کہنے پر ہم یہ تسلیم کرلیں گے کہ وہ رسول کا قائل ہے۔

---

(۱) معارف القرآن صفحہ ۶۲۳/ ج ۴ از غلام احمد پرویز

(۲) معارف القرآن صفحہ ۶۳۱/۴ از پرویز

(۳) اسلامی نظام از پرویز صفحہ ۸۶

(۴) معارف القرآن از پرویز صفحہ ۶۳۱/۴

درحقیقت اللہ اور رسول پر ایمان وہ معتبر ہوگا جو قرآن وحدیث کی بتلائی ہوئی تشریحات و توضیحات کے مطابق ہو۔ غور فرمائیں کہ کیا اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک اللہ اور رسول کا یہی مفہوم ہے جو پرویز نے بیان کیا ہے۔ پرویز صاحب چونکہ احادیث کو نہیں مانتے اس لیے فی الحال ہم اللہ اور رسول کے مفہوم اور اللہ اور رسول کی اطاعت کے متعلق کوئی حدیث بیان نہیں کرتے لیکن پرویز صاحب یہ تو مانتے ہیں کہ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا ہے لہٰذا بتلایئے عربی زبان کی کونسی لغت (Dictionary) میں اللہ اور رسول کا معنیٰ ''مرکز نظام ملت'' بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ پرویز صاحب قرآن اور لغت کو اپنے گھر کی جاگیر سمجھتے ہیں کہ جس لفظ کا جو معنی دل میں آیا بیان کر دیا۔ پرویز صاحب عربی زبان کی نثر، نظم، اشعار اور محاوروں میں کسی ایک جگہ بھی یہ بتلا دیں کہ اللہ اور رسول کے معنی اور مفہوم ''مرکز ملت'' یا ''مرکز نظام حکومت'' ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات بیان کی گئی ہیں مثلاً یہ کہ خدا تعالیٰ ''عالم الغیب'' (غیب کی باتوں کو جاننے والا) ''حی قیوم'' (زندہ، سب کا تھامنے والا) ''خالق'' (پیدا کرنے والا) ''رزاق'' (رزق عطا کرنے والا ہے) تو کیا یہ تمام صفات پرویز کے نزدیک ''مرکز ملت'' کے لیے بھی ہیں؟ کیا مرکز ملت ''غیب کا جاننے والا ہے؟ کیا ''مرکز ملت'' ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے؟ کیا مرکز ملت رزق عطا کرنے والا ہے؟

ذرا غور کیجئے کہ اللہ اور رسول کی ذات وصفات پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت کرنا دین اسلام کا سب سے اولین اور بنیادی مرحلہ (Basic Stage) ہے جب

پرویز صاحب کو اسلام کی اس اساس اور بنیاد سے ہی اختلاف ہے تو بقیہ احکام اور مسائل دین میں انھوں نے کیا کیا گل نہیں کھلائے ہوں گے اور کیا کیا تحریفات نہیں کی ہوں گی اور پورے دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہوگا، چنانچہ ملاحظہ فرمائیے:

جنت اور جہنم کے متعلق پرویز کا نظریہ:

عقیدہ توحید و رسالت کے بعد عقیدہ آخرت کا نمبر آتا ہے اور اسی عقیدہ آخرت کے ضمن میں جنت اور جہنم کا تذکرہ بھی آتا ہے ذرا ان امور کے متعلق بھی پرویز صاحب کی موشگافیاں مطالعہ فرمائیں:

''بہر حال مرنے کے بعد کی ''جنت اور جہنم'' مقامات نہیں ہیں انسانی ذات کی کیفیات ہیں۔''(۱)

جنت اور جہنم کے مقامات ہونے سے انکار کرنا اور ان کو انسانی ذات کی کیفیات قرار دینے کا نظریہ اسلامی عقائد کے یکسر منافی اور سراسر کفر و الحاد ہے۔ جنت و جہنم کے مقامات ہونے پر تمام مسلمانوں کا نزول قرآن سے لے کر آج تک اجماع و اتفاق ہے۔ قرآن کریم میں جنت و جہنم کے لیے صراحتاً ''مستقر'' اور ''مقام'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں چنانچہ جہنم کے متعلق ارشاد ربانی ہے۔

انّها ساءَتْ مُسْتَقَرًّا و مقاما۔(۲)

بے شک وہ (جہنم) بری جگہ ہے ٹھہرنے کی اور بری جگہ ہے رہنے کی۔

اور جنت کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) لغات القرآن از پرویز صفحہ ۳۳۹

(۲) سورۃ الفرقان

حسنت مستقراً و مقاماً (۱)

''بہترین جگہ ہے ٹھہرنے کی اور بہترین جگہ ہے رہنے کی۔''

قرآن کریم میں جنت اور جہنم کی مختلف صفات بیان کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر یہ آیت ملاحظہ ہو۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ۔

''اور جو کافر ہیں وہ دوزخ کی طرف گروہ گروہ بنا کر ہانکے جائیں گے یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ان سے دوزخ کے داروغہ کہیں گے کہ کیا تمھارے پاس تم ہی لوگوں میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے۔''

قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کے دروازے ہیں اور اس جہنم کا ایک داروغہ بھی ہے تو یہ دروازے اور داروغہ کسی مقام کے ہوتے ہیں یا کیفیات کے ہوتے ہیں؟

قرآن کریم کا ادنیٰ سا مطالعہ کرنے والا شخص بھی یہ جانتا ہے کہ قرآن کریم میں جنت کی بہت سی ایسی صفات بیان کی گئی ہیں کہ جو کسی مقام اور کسی جگہ کی ہو سکتی ہیں۔ کسی کیفیت کی صفات نہیں ہو سکتیں؟ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنت کی نعمتوں کے اور دوزخ کے عذاب کے چند نمونے دکھائے گئے ہیں تو کیا خیال ہے کہ یہ نمونے انسانی ذات میں تھے یا یہ کسی مقام کے نمونے تھے؟ جنت اور

(۱) سورۃ الفرقان

جہنم پر کسی شخص کا اعتقاد اس وقت درست ہو سکتا ہے جب کہ یہ عقیدہ قرآن کی تشریحات وتوضیحات کے مطابق ہو ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ اس کا جنت وجہنم پر اعتقاد نہیں لہٰذا ایسے شخص کو کافر قرار دیا جائے گا۔ چنانچہ علامہ شہاب الدین خفاجی اپنی کتاب ''نسیم الریاض'' میں تحریر فرماتے ہیں:

وکذالک نکفر من انکر الجنة والنار نفسهما او محلهما.(۱)

اور اسی طرح ہم اس کو بھی کافر کہیں گے جو جنت دوزخ کا سرے سے انکار کر دے یا ان کے مقامات کا انکار کرے۔

ملائکہ کے متعلق پرویز کا نظریہ:

''اس سے ظاہر ہے کہ ان مقامات میں ''ملائکہ'' سے مراد وہ نفسیاتی محرکات ہیں جو انسانی قلوب میں اثرات مرتب کرتے ہیں۔''(۲)

ملائکہ کا یہ مفہوم پرویز نے اپنی مختلف کتابوں میں بیان کیا ہے مثلاً ''لغات القرآن'' اور ''معارف القرآن'' وغیرہ۔ ملائکہ کا یہ مفہوم اور تشریح بھی کفر ہے اس لیے کہ پرویز صاحب ملائکہ کی اس حقیقت سے انکار کر رہے ہیں جس کو اسلام نے متعین کیا ہے اور قرآن کی واضح تصریحات نے بیان کیا ہے۔ اسلام کی رو سے ملائکہ ''نفسیاتی محرکات'' یا ''کائناتی قوتوں'' کا نام نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مستقل مخلوق ہیں جن کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے اطاعت ہی اطاعت رکھی ہے۔ ملائکہ پر ایمان کا وہ معنی قطعاً نہیں ہے جو پرویز نے بتلایا ہے بلکہ اسلام کے نقطہ نگاہ سے ملائکہ پر ایمان

(۱) نسیم الریاض ج ۴ ص ۵۵۵

(۲) ابلیس وآدم از پرویز صفحہ ۱۹۵

لانے کا مطلب یہ ہے جو نسیم الریاض میں ان الفاظ میں مذکور ہے:

والملائكة اجساد نورانية سالمة من الكدورات الجسمانية قابلة لتشكل والايمان بهم ان نؤمن بانهم عباد الله معصومون لا يفعلون غير ما يؤمرون ولا يعلم عدتهم الا الله.(۱)

''ملائکہ نورانی اجسام ہیں، جسمانی کدورتوں سے پاک ہیں۔ مختلف اشکال قبول کر لیتے ہیں اور ان پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ اس بات پر ایمان لائے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔ معصوم ہیں بغیر حکم الٰہی کے کوئی کام نہیں کرتے ان کی تعداد کا حال اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔''

ملائکہ کے بارے میں قرآن کریم کی بہت سی آیات پرویز کے باطل عقیدہ کی تردید کرتی ہیں بعض آیات ہم ذکر کرتے ہیں:

(۱)۔ **وقالوا اتخذ الرحمن ولدا سبحانه بل عباد مكرمون لا يسبقونه بالقول وهم بامره يعملون.**(۲)

''اور وہ (کافر) کہتے ہیں کہ رحمٰن نے (فرشتوں کو) اولاد بنا رکھا ہے (حالانکہ) خدا کی ذات تو اس سے پاک ہے بلکہ وہ (فرشتے) معزز بندے ہیں اس سے بڑھ کر نہیں بول سکتے اور وہ اسی کے حکم پر کام کرتے ہیں۔''

(۲)۔ **وجعلوا الملائكة الذين هم عباد الرحمن اناثا. اشهد واخلقهم ستكتب شهادتهم و يسئلون.**(۳)

(۱) نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۲۵

(۲) سورۃ انبیاء ۲۷

(۳) سورۃ الزخرف رکوع ۲ پ ۲۵

"اور انھوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے کیا ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جاتا ہے اور قیامت میں ان سے باز پرس ہوگی۔"

(۳)۔الحمد لله فاطر السموت والارض جاعل الملائكة رسلا اولى اجنحة مثنىٰ و ثلاث و ربع.[1]

"تمام تر حمد اسی اللہ کو لائق ہے جو آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے جو فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار پر دار بازو ہیں۔"

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے اللہ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ خدا کی اس مخلوق کے بارے میں کفار کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں قران نے کفار کے اس نظریہ کی تردید کی ہے کہ یہ خدا کی بیٹیاں نہیں ہیں بلکہ یہ خدا کے معزز بندے ہیں۔

اسی طرح اگلی آیت میں فرشتوں کی چند جسمانی صفات بتلائی گئی ہیں کہ ان میں سے بعض کے دو پر ہیں بعض کے تین پر ہیں اور بعض کے چار پر ہیں یہ صفات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ کسی خاص اجسام کی صفات ہیں۔ کیا "نفسیاتی محرکات" کے پر ہوتے ہیں۔ اگر پرویز صاحب نے اپنے حواس سے "نفسیاتی محرکات" کے پر محسوس کئے ہیں یا اپنی عقل سے پر تلاش کر لیے ہیں تو یہ پرویز کے دماغ کی بدحواسی اور عقل کی نادانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

حضرت جبرئیل کے بارے میں پرویز کا نظریہ:

"انکشاف حقیقت کی "روشنی" (ذریعہ یا واسطہ) کو جبرئیل سے تعبیر کیا گیا ہے۔"[2]

(۱) ابلیس و آدم از پرویز صفحہ ۲۸۳

(۲) سورۃ الفاطر رکوع نمبر ۱ پ ۲۲

پرویز کی اس تحریر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے شخصی وجود اور ان کی اس حقیقت سے انکار ہے جو اسلام نے متعین کی ہے۔ اسلامی عقائد کی رو سے جبرئیل علیہ السلام ایک برگزیدہ فرشتے ہیں جن کا کام انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی لانا تھا قرآن کریم کی مندرجہ ذیل دونوں آیات پرویزی فکر کی صراحتاً تردید کرتی ہیں:

(۱)۔قل من كان عدواً لجبريل فانه نزله على قلبك باذن الله مصدقا لما بين يديه وهدى و بشرى للمومنين.[1]

"آپ (ان سے) یہ کہیے کہ جو شخص جبرئیل سے عداوت رکھے سو انھوں نے خدا کے حکم سے یہ قرآن آپ کے قلب تک پہنچادیا ہے، یہ قرآن تصدیق کر رہا ہے اپنے سے قبل والی کتابوں کی اور رہنمائی کر رہا ہے اور خوشخبری سنا رہا ہے ایمان والوں کو۔"

(۲)۔ من كان عدواً لله و ملائكته ورسله وجبريل و ميكال فان الله عدوٌ للكافرين.[2]

"جو کوئی شخص دشمن ہو اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرئیل کا اور میکائیل کا تو اللہ تعالیٰ دشمن ہے ان کافروں کا۔"

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ رسولوں کی طرح جبرئیل اور میکائیل کا بھی وجود خارجی ہے لہٰذا جبرئیل کو کسی خاص قسم کی روشنی قرار دینا گمراہی اور کفر ہے اور قرآن شریف کی تصریحات کے سراسر خلاف ہے۔

نزول قرآن سے لے کر آج تک مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن کریم نبی کریم

(۱) سورۃ البقرۃ رکوع نمبر ۱۲ پ ۱

(۲) سورۃ البقرۃ رکوع نمبر ۱۲ پ ۱

صلی اللہ علیہ وسلم تک حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ نازل ہوا لیکن پورا عالم اسلام ایک طرف اور پرویز صاحب ایک طرف، کیا پرویز کے نزدیک کوئی روشنی قرآن لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک آئی تھی، جس شخص کا قرآن کے نزول کے متعلق ہی عقیدہ اس قدر گمراہ کن ہو تو آگے مکمل قرآن کے بارے میں اور قرآن کے دیگر امور کے بارے میں اس کا عقیدہ کس قدر گمراہ کن اور ملحدانہ ہوگا۔

صد حیف اور افسوس ہے پرویز صاحب کی حالت پر کہ وہ قرآن کی آیات کے مفاہیم بدل کر سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کے متعلق قرآن کریم کا یہ ارشاد ملاحظہ ہو:

ان الذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا افمن یلقی فی النار خیر ام من یاتی آمنا یوم القیمة اعملوا ماشئتم انه بما تعملون بصیر۔

"بلاشبہ وہ لوگ جو ہماری آیات میں الحاد (کجروی) کی راہیں نکالتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں بھلا جو آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن سے آئے گا۔ کیے جاؤ جو چاہو بے شک جو کچھ تم کرتے ہو وہ خدا دیکھتا ہے۔"

اس آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی آیات کو سن کر جو لوگ کجروی سے باز نہیں آتے اور سیدھی سیدھی باتوں میں واہی تباہی اور انٹ شنٹ شبہات پیدا کر کے ٹیڑھ نکالتے ہیں یا خواہ مخواہ توڑ مروڑ کر ان کا مطلب غلط لیتے ہیں، ممکن ہے وہ لوگ اپنی مکاریوں اور چالاکیوں پر مغرور ہوں، مگر اللہ تعالیٰ سے ان کا حال پوشیدہ نہیں جس وقت اس کے سامنے جائیں گے خود دیکھ لیں گے۔ فی الحال اس نے ڈھیل دے رکھی ہے وہ مجرم کو یکدم نہیں پکڑتا اس لیے آگے فرمایا "اعملوا

ماشئتم انه بما تعملون بصیر "یعنی اچھا جو تمہاری سمجھ میں آئے کیے جاؤ مگر یاد رہے کہ تمھاری سب حرکات اس کی نظر میں ہیں ایک دن ان کا پورا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

اس سے قبل ہم نے جن فتنوں کا تذکرہ انکار حدیث کے حوالہ سے کیا تھا ان فرقوں اور فتنوں میں انکار حدیث جزوی طور پر تھا یعنی انھوں نے کسی خاص عقیدہ کے متعلق یا دین کے کسی خاص شعبہ کے بارے میں احادیث کو نظر انداز کر دیا لیکن پرویز صاحب نے جس فتنۂ انکار حدیث کو پروان چڑھایا ہے وہ ہمہ گیر ہے اور یہ انکار حدیث دین کے تمام شعبوں پر محیط ہے گویا کہ کلی طور پر احادیث کا انکار ہے۔ چنانچہ اس کا اثر یہ ہوا کہ پرویز صاحب نے دین کے بنیادی اور اساسی عقائد میں بھی تحریف کر دی اور دین کے بنیادی اعمال مثلاً نماز اور زکوۃ اور حلال وحرام کے امور میں انھوں نے احادیث کو نظر انداز کیا اور ایسے نظریات تخلیق (Create) کیے کہ جن کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور اسی طرح پرویز صاحب نے اپنی دین سے وابستگی بھی ختم کر دی مثلاً دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں اگر کوئی شخص ان میں سے کسی بھی ایک وقت کی نماز کا سرے سے انکار کر دے وہ کافر ہو جائے گا۔ چاہے اب وہ اس انکار کی کوئی بھی تاویل کرے اور کوئی بھی وجہ بتلائے وہ ناقابل قبول ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی یہ کہہ دے کہ میں پانچ وقت کی نماز اس لیے نہیں مانتا کہ مجھے قران سے ان کا ثبوت نہیں ملتا، تو اگر چہ یہ شخص اپنے اس انکار کے لیے قرآن کو سہارا بنا رہا ہے لیکن پھر بھی اس کی یہ بات ناقابل قبول ہوگی۔ چنانچہ پرویز کے نزدیک نماز اگر ہے تو دو وقت ہے، اور سوائے چند چیزوں کے حرام ہونے کے باقی سب حلال۔ پرویز صاحب کی تحریروں کے مندرجہ ذیل اقتباسات ان نظریات کا منہ بولتا ثبوت ہیں:

نماز اور پرویز:

پرویز صاحب نے نماز کے متعلق اپنی کتابوں میں بہت کچھ لکھا ہے۔ ''نماز کے متعلق'' لکھنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ انھوں نے نماز کی افادیت، اہمیت، فضائل اور احکام پر کچھ مفید باتیں تحریر کی ہیں بلکہ انھوں نے جہاں بھی نماز کے متعلق کچھ اظہار خیال کیا تو اس میں سارا زور قلم اس پر صرف کیا کہ ۱۴۰۰ سو سال سے مسلمان جس طریقہ سے مسجد کے اندر ایک خاص ہیئت سے اور متعین اوقات میں نماز پڑھتے ہیں یہ طریقہ نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ یہ طریقہ مجوسیوں کا ہے اور قرآن میں جہاں جہاں ''اقیموا الصلوۃ'' کا حکم ہے تو وہاں ''اقامت صلوۃ'' سے مراد نماز پڑھنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد معاشرہ میں ایک خاص نظام رائج کرنا ہے اسی طرح انھوں نے ایک مقام پر ارکان اسلام کے متعلق تحریر کیا کہ:۔

''اب یہ تمام عبادات اس لیئے سرانجام دی جاتی ہیں کہ یہ خدا کا حکم ہے، ان امور کو نہ افادیت سے کوئی تعلق ہے نہ عقل وبصیرت سے کچھ واسطہ آج ہم بھی اس مقام پر ہیں جہاں اسلام سے پہلے دنیا تھی۔''(۱)

اس کے علاوہ بھی نماز کے متعلق بہت سی پرویزی تحقیقات ہیں جن کو ہم یہاں اختصار کے پیش نظر بیان نہیں کر سکتے اس سلسلہ میں صرف ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

''سورۃ نور میں صلوۃ الفجر اور صلوۃ العشاء کا ذکر (ضمناً) آیا ہے جہاں کہا گیا ہے کہ تمھارے گھر کے ملازمین کو چاہیئے کہ وہ تمھاری (Privacy) کے اوقات میں اجازت لے کر کمرے کے اندر آیا کریں یعنی من قبل صلوة الفجر وحین

(۱) قرآنی فیصلے از پرویز صفحہ ۳۰۱

تضعون ثیابکم من الظهیرة ومن بعد صلوة العشاء (۵۸/۲۴) صلوۃ الفجر سے پہلے اور جب تم دوپہر کو کپڑے اتار دیتے ہو اور صلوۃ العشاء کے بعد۔ اس سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اجتماعات صلوۃ کے لئے (کم از کم) یہ دو اوقات متعین تھے۔ جبھی تو قرآن نے ان کا ذکر نام لے کر کیا ہے۔''(۱)

یوں تو پرویز صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کو جھوٹ کا پلندہ اور من گھڑت قرار دیتے ہیں جب کہ دوسری طرف خود پرویز صاحب کے پرویزی مذہب کی پوری بنیاد جھوٹ پر ہے دینی امور اور مسلمانوں کے دیرینہ، مسلمہ اور قطعی عقائد کے متعلق جھوٹ بولنے میں ان کو کوئی شرم وعار محسوس نہیں ہوتی نماز کے اوقات کے متعلق یہ کہنا کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اجتماعات صلوۃ کے (کم از کم) یہ دو اوقات متعین تھے'' سراسر جھوٹ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور زمانہ خیر القرون پر ایک افسوس ناک اتہام اور افتراء ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز کے پانچ اوقات متعین تھے جس پر واضح، صریح اور قطعی دلائل موجود ہیں اور ان کا ثبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر اور تسلسل سے ہے اور امت محمدیہ کا شب معراج سے لے کر آج تک اس پر عمل ہے اور جس نے بھی پنجگانہ نماز میں کسی بھی ایک وقت کی نماز کا انکار کیا علماء وفقہاء نے بلا جھجک اس کو کافر قرار دیا اسی وجہ سے علماء نے بالاتفاق ان خوارج کو کافر کہا ہے جو دو وقت کی نماز کے قائل تھے ''نسیم الریاض'' میں ہے:

وکذلک اجمع علی کفر من قال من الخوارج ان الصلوة

(۱) لغات القرآن از پرویز ج ۳۔ ص ۱۰۲۳۔۱۰۲۴

الواجبة طرفی النهار فقط والمراد بطرفی النهار اوله واخره.(۱)

اوراسی طرح اجماع ہے ان خوارج کے کفر پر جو یہ کہتے تھے کہ نماز صرف دن کے دونوں سروں پر فرض ہے یعنی دن کے شروع میں اور آخر میں۔

پرویز اور زکوۃ:

(۱) ''زکوۃ اس ٹیکس کے علاوہ اور کچھ نہیں جو اسلامی حکومت مسلمانوں پر عائد کرے۔ اس ٹیکس کی کوئی شرح متعین نہیں کی گئی، اس لئے کہ شرح ٹیکس کا انحصار ضروریات ملی پر ہے۔ حتیٰ کہ ہنگامی صورتوں میں حکومت وہ سب کچھ وصول کرسکتی ہے جو کسی کی ضرورت سے زائد ہو لہٰذا جب کسی جگہ اسلامی حکومت نہ ہو تو پھر زکوۃ بھی باقی نہیں رہتی۔''(۲)

(۲) ''اگر خلافت راشدہ نے اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق اڑھائی فیصدی مناسب سمجھا تھا تو اس وقت یہی شرح شرعی تھی، اگر آج کوئی اسلامی حکومت کہے کہ اس کی ضروریات کا تقاضہ بیس فیصدی ہے تو یہی بیس فیصدی شرعی شرح قرار پاجائے گی''۔(۳)

زکوۃ اسلامی ارکان میں سے ہے اور ایک نہایت اہم عبادت ہے۔ قرآن کریم نے اس عبادت کی بجاآوری کا بار بار حکم دیا اور اس کے مصارف خود متعین کئے ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تمام جزئیات کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ کب زکوۃ واجب ہوگی، نصاب زکوۃ کیا کیا ہیں، شرائط وجوب کیا ہیں اس اہم عبادت کو ٹیکس کہہ دینا اور اس کی مقرر کردہ شرح سے انکار کردینا جو بتواتر آنحضرت

---

(۱) نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۵

(۲) قرآنی فیصلے صفحہ ۳۵

(۳) سلیم کے نام پانچواں خط از پرویز ج ۱ ص ۷۷-۷۸

صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول چلی آتی ہے سراسر الحاد ہے۔

پرویز نے یہ تحریر کرکے کہ: ''اگر خلافت راشدہ نے اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق اڑھائی فیصدی مناسب سمجھا تھا تو اس وقت یہی شرح شرعی تھی'' یہ شبہ پیدا کرنے کی مذموم کوشش کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زکوۃ کی کوئی شرح متعین نہ تھی چنانچہ خلفائے راشدین نے اپنے زمانہ کی ضروریات کے مطابق اس کی شرح اڑھائی فیصدی متعین کردی چنانچہ جب خلفائے راشدین نے اپنی طرف سے اڑھائی فیصدی متعین کردی تو اب کوئی اور شخص اس کو گھٹا اور بڑھا بھی سکتا ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ زکوۃ کی اڑھائی فیصد شرح خلفاء راشدین نے نہیں بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کی تھی اور خلافت راشدہ نے جو کہ علیٰ منہاج النبوۃ تھی اس نے اس پر عمل کیا اور پوری امت عہد رسالت سے لے کر آج تک قاطبۃ اس پر عمل کرتی چلی آئی پھر اس میں شک وانکار کی گنجائش کہاں ہے۔

مالی اور بدنی عبادت کے دو اہم اور بنیادی ارکان نماز اور زکوۃ کے متعلق پرویز کے نظریات قارئین کرام پڑھ کر بخوبی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ دین کی دوسری بدنی اور مالی عبادات کے متعلق پرویز نے کیا کیا شرانگیزیاں کی ہونگی۔ ہم نے طوالت کے ڈر سے روزہ حج اور دوسرے صدقات کے متعلق پرویز کے خیالات نقل نہیں کئے۔ تفصیل کے خواہشمند حضرات پرویز کے متعلق شائع شدہ فتویٰ کا مطالعہ کریں جسے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن (سابق مدرسہ عربیہ اسلامیہ) کے شعبہ تصنیف نے شائع کیا ہے اور اس فتویٰ کو راقم الحروف ہی نے مرتب کیا ہے چنانچہ پرویز اور ان کے متبعین کے نزدیک اس جرم کی پاداش میں اب تک معتوب ہوں اور پرویز اور ان کے

متبعین کے چھچھورے انداز تحریر اور نازیبا و ناشائستہ الفاظ کا وقتاً فوقتاً نشانہ بنا رہتا ہوں لیکن اگر قرآن کریم، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور ان کے پاکیزہ اقوال و افعال و اعمال (احادیث مبارکہ) اور دین اسلام کی توہین اور ان پر لگائے جانے والے افترات، اتہامات اور الزامات کی تردید کی پاداش میں اگر مجھ ناچیز کو طعن وتشنیع کے نیزوں میں پرو دیا جائے تو میں اس کو اپنی نجات کا ضامن سمجھتا ہوں اور اپنے خدائے بزرگ و برتر سے قوی امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ روز قیامت مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی۔

عمر احمد عثمانی مجدد انکار حدیث:

غلام احمد پرویز کوئی مستند عالم نہیں تھا کہ وہ اپنے ان کفریہ عقائد کو علمی بنیادوں پر استوار کرتا اس وجہ سے اس کا کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا۔ پرویز کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اس کے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائے اور اس کے کفریہ عقائد کو علمی بنیادیں فراہم کرے تاکہ اس طریقہ سے پرویز اپنے کفریہ عقائد کا زہر علمی حلقوں میں بھی پھیلانے کی کوشش کرے۔ اس کے لئے اس نے عمر احمد عثمانی کی خدمات حاصل کیں۔ عمر احمد عثمانی نے پرویز کے کفریہ عقائد کو "فقہ القرآن" نامی کتاب لکھ کر علمی بنیادوں پر استوار کیا، ان عقائد کی مکمل تشریح وتفسیر کی اور اس طرح عمر احمد عثمانی نے خوب حق خدمت ادا کیا اگر یہ کہا جائے کہ پرویز کے کفریہ عقائد جو مختلف رسائل اور کتابوں میں ہیں وہ متن ہیں اور عمر احمد عثمانی کی کتاب "فقہ القرآن" ان عقائد کی شرح ہے تو بالکل مناسب ہوگا۔

پرویز اور عمر احمد عثمانی نے اپنی اس تحریک کو نہایت خوشنما الفاظوں سے مزین کیا

ہے۔ اور قرآن کریم کو بطور نعرہ کے استعمال کیا ہے۔ اپنی اس تحریک کو انھوں نے کہیں فہم قرآن کا نام دیا ہے، کہیں "مفہوم القرآن" اور "مطالب الفرقان" اور کہیں "فقہ القرآن" کے پرکشش نام سے موسوم کیا ہے۔ ان کتابوں کے چہرے اور ٹائیٹل اپنی پلاسٹک سرجری اور ظاہری خوبصورتی، عمدہ کاغذ اور دیدہ زیب کتابت کے باوجود حسینان فرہنگ کی طرح عصمت سے خالی ہیں اور ان کتابوں میں قرآن کی اصل روح کا فقدان ہے، ان خوشنما نعروں سے جو چیز سامنے آرہی ہے وہ ماڈرن طریقہ سے "انکار حدیث" ہے اور انکار حدیث کا لازمی نتیجہ انکار قرآن ہے۔

"فقہ القرآن" کی اب تک چار جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں اس کتاب کے مصنف عمر احمد عثمانی نے فقہ کا مسخ شدہ ڈھانچہ تیار کیا ہے عمر احمد عثمانی صاحب قرآن کریم سے احکامات اور فقہی مسائل مستنبط کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور نہ ائمہ مقتدیٰ (یعنی امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اجمعین) میں سے کسی کے قول کو خاطر میں لاتے ہیں بلکہ عمر احمد عثمانی کے ایک معتقد خاص (جناب "طاہر میواتی" جو کہ غلط فہمی کے نتیجہ میں اپنے آپ کو "طاہر مکی" کہتے ہیں) نے ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے فقہ القرآن کے تعارف میں احادیث مبارکہ کے متعلق یہ توہین آمیز الفاظ استعمال کئے ہیں:

"آفتاب قرآنی کی روشنی روایات کے کثیف بادلوں کے تحت کہاں نظر آسکتی ہے؟"(۱)

---

(۱) تعارف فقہ القرآن حصہ سوم صفحہ ۱۳

جب کہ انھی ''معتقد خاص'' نے فقہ القرآن جلد اول میں مصنف کا تعارف کرواتے ہوئے اس بات کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے کہ جناب عمر احمد عثمانی دارالعلوم چندہ پورہ چاٹگام (بنگلہ دیش) کے شیخ الحدیث رہ چکے ہیں اگر نام نہاد شیخ الحدیث اور ان کے معتقدین خاص کا حدیث کے سلسلہ میں یہ رویہ (Attitude) اور انداز فکر ہے تو ان کی خدمت میں ہم صرف یہی عرض کر سکتے ہیں:

اے اہل خرد خوب ہیں انداز تمھارے
جس شاخ پہ بیٹھے وہی کاٹ رہے ہو

عمر احمد عثمانی صاحب اگر فقہ القرآن کی تصنیف و تالیف سے قبل پرویزیت، انکار حدیث اور وساوس کے کثیف بادلوں کی ظلمت سے باہر آ کر آفتاب قرآنی، مہتاب حدیث اور کواکب فقہ کی روشنی غیر جانبدار (Neutral) ہو کر قرآن کریم کا مطالعہ فرماتے اور پھر احکام قران اور قرآنی فقہ پر عربی اور اردو میں تحریر کی گئیں کتب کا سرسری مطالعہ بھی فرما لیتے تو ان پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی کہ قرآن کریم کی روشنی سے استفادہ کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کس قدر اہمیت رکھتی ہیں۔

ویسے تو فقہ القرآن'' کی چاروں جلدوں میں عمر احمد عثمانی نے منکرین حدیث اور دور جدید میں منکرین حدیث کے سرخیل غلام احمد پرویز کی پوری پوری نمائندگی کی ہے لیکن خصوصاً فقہ القرآن کی تیسری جلد میں جس کا عنوان انہوں نے ''حقوق نسواں'' متعین کیا ایسا معلوم ہوتا ہے آنجناب پرویز صاحب کے پورے نقش قدم پر ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ حقوق نسواں سے متعلق اسلام کے جتنے احکامات ہیں وہ

سب انصاف پر مبنی ہیں اور ان احکامات میں خدا کی طرف سے عورتوں کے لئے متعین کردہ حقوق کا خیال رکھا گیا ہے لیکن عمر احمد عثمانی ''فقہ القرآن'' کی تیسری جلد میں ''عورتوں کو مردوں کے مساویانہ حقوق'' کا نعرہ لگا کر یہ مضحکہ خیز نظریہ قائم کرتے ہیں کہ: آدم و حوا ایک ساتھ بیک وقت پیدا ہوئے، (ملاحظہ ہو فقہ القرآن جلد سوم صفحہ ۴۱۔ ۴۲) لہٰذا جب پیدائش میں ان میں کوئی تفریق و امتیاز نہیں، کوئی تقدیم و تاخیر نہیں تو پھر دوسرے احکامات میں بھی ان میں کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہئے۔

تخلیق آدم و حوا کے متعلق ان کا یہ نظریہ یقیناً قرآن و حدیث کی واضح تصریحات کے خلاف ہے لیکن انھوں نے اپنے موقف کے لئے طرح طرح کے مفروضات قائم کر کے قرآن میں تدبر، اس کے فہم اور قرآن کی فقہی روح کو بری طرح مجروح کیا ہے اور جن علماء نے صحیح معنوں میں فہم قرآن، تدبر فی القرآن اور قرآن و حدیث سے فقہی احکامات مستنبط کئے ہیں ان کی ان بلند پایہ کوششوں کا مذاق اڑایا ہے اور ان کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے یہاں تک کہ عمر احمد عثمانی نے اپنی ''انا'' کے زعم میں اپنے والد بزرگوار جناب مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور اپنے رشتہ کے جد امجد مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہما کی کوششوں کو بھی قدیم لوگوں کی باتیں اور غلط نقطہ نظر پر قائم رہنے والے لوگوں کا نمائندہ قرار دے کر ٹھکرایا ہے۔(۱)

اور پھر مزید لطیفہ یہ کہ اس کتاب کا انتساب بھی انھی حضرات سے کیا ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

اگر عمر احمد عثمانی کی یہ تخریبی تحقیقات یہیں پر بس ہو جاتیں تو بہتر تھا لیکن انہوں

(۱) ملاحظہ ہو حاشیہ صفحہ ۲۲۷۔ فقہ القرآن۔ جلد سوم

نے مرد و عورت میں برابری کا دعویٰ کر کے جو گل کھلائے ہیں اور اس کے لئے جو دلائل قائم کیے ہیں ان کے نتیجہ میں ایک نیا دین وجود میں آتا ہے۔

عمر احمد عثمانی ''حقوق نسواں'' کو یورپ کی عینک سے دیکھتے ہیں انہوں نے مسلمان خواتین پر ذمہ داریوں کا دوہرا بوجھ ڈالنے کی کوشش کی ہے اور وہ فرائض و واجبات جو اسلام نے مسلمان خواتین پر لاگو نہیں کیے ہیں وہ بھی ان پر فرض قرار دے دیئے ہیں چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

جب یہ صلاحیتیں دونوں صنفوں میں موجود ہیں اور یہ تمام صلاحیتیں ان کے ذمہ دار فرد ہونے کا ثبوت ہیں تو دونوں کی ذمہ داریاں بھی مساوی ہیں، یہی وجہ ہے کہ تمام قوانین الٰہیہ کا نفاذ جیسے مردوں پر ہوتا ہے، عورتوں پر بھی ہوتا ہے۔ جو فرائض و واجبات حق تعالیٰ نے مردوں پر فرض کیے ہیں بعینہ وہی فرائض و واجبات عورتوں کے لئے بھی مقرر ہیں۔(۱)

اپنے اس قانون کلی کے پیش نظر مرد و زن کے فرائض و واجبات میں مکمل ہم آہنگی، اشتراک اور عینیت کو ثابت کرنے کے لئے عمر احمد صاحب مسلمان خواتین پر مندرجہ ذیل حقوق و فرائض مقرر کرتے ہیں:

۱۔عورتوں پر جمعہ کی نماز فرض ہے:

سورۃ الجمعہ کی آیت یایھا الذین امنوا اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں:

اس آیت کریمہ میں تمام مومنین کو خطاب ہے، جس کے مرد بھی مخاطب ہیں اور

(۱) فقہ القرآن۔ جلد سوم صفحہ ۱۹۶

عورتیں بھی۔ لہٰذا قرآن کریم کی اس آیت سے واضح طور پر عورتوں پر بھی جمعہ کی فرضیت ثابت ہو رہی ہے۔ لہٰذا عورتوں پر صلوۃ الجمعہ فرض ہے اور انھیں جمعہ پڑھنا چاہیے خواہ مردوں کے ساتھ ان کی جامع مسجدوں میں یا اپنی جداگانہ قائم کردہ مسجدوں میں کسی عورت کی امامت میں''۔(۱)

۲۔عورتوں پر عیدین کی نماز فرض ہے:

نماز جمعہ کے ذیل ہی میں تحریر کرتے ہیں:

''عیدین کی صلوۃ کے متعلق بھی یہی صورت حال ہے۔''(۲)

یعنی جمعہ کی طرح عیدین کی نماز بھی فرض ہے اور اس کی ادائیگی بھی جمعہ کی طرح ہوگی۔

''یک نہ شد دو شد'' اب تک تو صرف جمعہ کی نماز کا مسئلہ تھا لیکن عمر احمد عثمانی کے مسلک میں نہ صرف جمعہ بلکہ عید الفطر اور عید الاضحی کی نمازیں بھی عورتوں پر فرض ہیں اور اس طرح فرض ہیں کہ وہ نماز جمعہ اور عیدین ادا کرنے کے لئے مردوں کی مسجدوں میں جائیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اپنی زنانہ مسجدیں قائم کریں اور ان میں جمعہ و عیدین کی نمازیں قائم کریں۔

یہ عمر احمد عثمانی کے اس ''خود ساختہ'' اور ''دم بریدہ'' اصول کا کرشمہ ہے کہ چودہ سو سال سے امت مسلمہ کے کسی بھی فرد نے چاہے وہ صحابہ ہو یا صحابیہ تابعین ہوں یا تبع تابعین یا ان کے بعد کے علماء مجتہدین اور فقہاء کرام کسی نے بھی عورتوں پر جمعہ

(۱) فقہ القرآن جلد سوم صفحہ ۲۰۴۔۲۰۵

(۲) فقہ القرآن حصہ سوم صفحہ ۲۰۵

وعیدین کی نمازیں فرض قرار نہیں دیں حالانکہ وہ سب قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے، اس کو سمجھتے تھے انھوں نے اپنی پوری پوری زندگیاں قرآن وحدیث کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھیں۔ عمر احمد عثمانی کے علم اور ان کے صحابہ، تابعین اور علماء مجتہدین کے علم کی نسبت تو قطرہ اور سمندر کی بھی نہیں۔ عمر احمد عثمانی تو ان حضرات کے تفقہ اور علم کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن پندرھویں صدی کے اس نام نہاد مجتہد، منکر حدیث اور منکر قرآن کے نزدیک عورتوں پر جمعہ وعیدین کی نمازیں فرض ہیں۔

یہ عمر احمد عثمانی کے جدید طرز کے انکار حدیث کی ایک جھلک تھی ورنہ ان کی کتاب ''فقہ القرآن'' تو پوری کی پوری اسی قسم کی چیزوں سے بھری پڑی ہے۔

عمر احمد عثمانی غلام احمد پرویز اور ان کے متبعین کو قرآن کریم میں معنوی تحریفات کرنے میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ یہ مسلمانوں کی آستینوں کے سانپ ہیں ان کے جیسے فتنہ پرور لوگ اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ اس قسم کے نظریات مسلمانوں میں قصداً پھیلا رہے ہیں تو وہ یقیناً دشمنان اسلام کی صف میں شامل ہیں اور اگر وہ قصداً نہیں بلکہ دین کی خدمت کے طور پر یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں تو یہ مسلمانوں کے ایسے ''نادان دوست'' ہیں کہ جس میں دوستی کا عنصر صرف ۰ء۱ فیصد ہے جب کہ ۹۹ء۹ فیصد عنصر نادانی کا ہے اور اس کا نتیجہ نہایت بھیانک، ہلاکت خیز اور عبرت انگیز ہے۔ مسلمانوں کو اس قسم کے آستینوں کے سانپوں سے بچنا چاہیے!

دوستوں سے ملو محفلوں میں مگر آستینوں کا بھی جائزہ چاہیے

منکرین حدیث کی مغالطہ انگیزی:

منکرین حدیث حجیت حدیث کو مشکوک بنانے اور اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہوئے یہ نعرے لگاتے ہیں کہ ہم قرآن پر عمل کرتے ہیں، اور قرآن ہمارے لئے کافی وشافی ہے اس کے بعد ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں کیونکہ قران کریم ایک مفصل کتاب ہے جس میں ہر چیز بیان کر دی گئی ہے۔ خود قرآن کریم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

ونزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکلّ شیٔ۔

تو جب قرآن کریم اپنے بارے میں یہ کہتا ہے کہ وہ ہر چیز کا بیان ہے تو اب کوئی وجہ نہیں کہ قران کو کافی نہ سمجھا جائے اور حدیث کی ضرورت بھی محسوس کی جائے۔

غرضیکہ اس طرح یہ حضرات رجوع الی القرآن، عمل بالقرآن، فہم قرآن اور حسبنا کتاب اللہ کے دلفریب نعروں سے عوام کو گمراہ کرنے اور سادہ لوح مسلمانوں کو مغالطہ میں ڈالنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں۔

قرآن کی جامعیت:

حالانکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرآن ایک جامع کتاب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم میں تمام اصولوں کو بیان کر دیا گیا ہے اور عقائد وعبادات، معاملات اور اخلاق سے متعلق تمام کلیات کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں۔ اور قرآن کے جامع ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم میں تمام جزئیات اور تمام حوادث وواقعات سے متعلق احکام اور ان کی تفصیلات کا احاطہ کر لیا گیا ہے اور قرآن

کی ہر آیت مفسر وواضح نہیں بلکہ اس کی بہت سی آیات مجمل ہیں جو تفسیر کی خواہاں ہیں، بہت سی آیات مبہم ہیں جو وضاحت طلب ہیں، بہت سی آیات میں صرف اشارات ہیں جن کی تفصیل کی ضرورت ہے اور یہ سب احادیث شریف سے معلوم ہوتی ہیں۔

قرآن صرف الفاظ کا نام نہیں:

اور یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ قرآن صرف الفاظ کا نام نہیں بلکہ قرآن الفاظ اور معنی دونوں کا نام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ''ذکر'' کہا ہے جس کا معنی نصیحت ہے اور ظاہر ہے کہ صرف الفاظ سے کوئی نصیحت حاصل نہیں کی جاسکتی بلکہ وہ الفاظ جو معنی کے بغیر ہوں مہمل کہلاتے ہیں جن کی کوئی وقعت ہی نہیں تو قرآن کریم جیسی عظیم کتاب صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں ہوسکتی بلکہ الفاظ اور معنی دونوں کا نام قرآن ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام جب بھی اصول فقہ میں مسائل کے استنباط کے لئے قرآن کو ماخذ قرار دیتے ہیں تو وہاں قرآن کریم کو نظم و معنی دونوں سے تعبیر کرتے ہیں۔

بیان قرآن بھی منزل من اللہ ہے:

ہر صاحب کلام اپنے کلام کی تعبیر سب سے احسن طریقہ سے کرسکتا ہے اور پھر قرآن کریم تو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے جس کی ایک ایک تہ میں حقائق و معارف کے دریا پوشیدہ ہیں تو اس کی تعبیر ہر شخص نہیں کرسکتا بلکہ اسے مطالب و معانی تو وہی ذات بیان کرسکتی ہے جس نے یہ کتاب نازل کی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے صرف الفاظ ہی نازل نہیں کئے بلکہ الفاظ کی طرح اس کے معانی بھی نازل کئے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان علینا جمعه و قرآنه فاذا قرآنه فاتبع قرآنه. ثم ان علینا بیانه. (۱)

بے شک ہمارے ذمے ہے اس کا (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور پڑھوانا پس جب ہم اس قرآن کو پڑھنے لگیں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کریں۔ پھر ہمارے ذمہ ہے اس کا بیان کرنا۔

تو جس طرح قرآن کریم کو نازل کرکے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں جمع کرنا اور زبان سے پڑھوانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اسی طرح قرآن کریم کا بیان اور اس کے معانی و مطالب کی وضاحت کرنا بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کرنے کا بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون. (۲)

بلاشبہ ہم نے ذکر (قرآن) کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ''الذکر'' فرمایا لفظ قرآن نہیں ذکر کیا تاکہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ قرآن صرف الفاظ کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ نے صرف الفاظ کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے بلکہ قرآن الفاظ اور معنی دونوں کا نام ہے اور دونوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کیونکہ نصیحت الفاظ اور معانی دونوں سے حاصل کی جاتی ہے۔

بیان قرآن اور رسول کی ذمہ داری:

یہ بات بھی واضح ہے کہ براہ راست تو اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کے معنی نہیں بتائیں

---

(۱) سورۃ القیامہ رکوع پ ۲۹

(۲) سورۃ الحجر پ ۱۴ آیت ۹

گے بلکہ جس طرح الفاظ قرآن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں اسی طرح معانی بھی آپ نے ہمیں بتائے ہیں چنانچہ آپ کے مقاصد بعثت کو قران کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہ رب العزت میں بدست دعاء ہیں۔

ربنا وابعث فیهم رسولا منهم یتلو علیهم ایاتک و یعلمهم الکتاب والحکمة و یزکیهم انک انت العزیز الحکیم.(1)

اے ہمارے پروردگار اور ان لوگوں میں خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے بیشک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا۔

تحویل قبلہ کے سلسلہ میں حق تعالیٰ اپنے نعمت کی تکمیل کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم ایاتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمة و یعلمکم مالم تکونوا تعلمون.(2)

جس طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور تمھارا تزکیہ کرتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمھیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

سورہ آل عمران میں مسلمانوں پر احسان خداوندی کا اظہار ان لفظوں میں کیا

(۱) البقرہ پ ا رکوع ۱۵ آیت نمبر ۱۲۹
(۲) البقرہ پ ۲ ع ۱۸ آیت ۱۵۱

جارہا ہے،

لقد من الله علی المومنین اذبعث فیهم رسولا من انفسهم یتلوا علیهم ایاته ویزکیهم و یعلمهم الکتاب و الحکمة و ان کانوا من قبل لفی ضلل مبین.(1)

اور سورہ جمعہ میں ارشاد ہوتا ہے:

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم ایته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین.(2)

وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرمایا کہ وہ ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔

ان آیات جلیلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت کو متعین کیا گیا ہے جو حسب ذیل امور پر مشتمل ہے۔

۱۔ تلاوت آیات۔
۲:۔ کتاب وحکمت کی تعلیم
۳۔ تزکیہ وتطہیر نفوس

اب ظاہر ہے کہ کتاب وحکمت کی تعلیم تلاوت آیات کے علاوہ کوئی اور ہی چیز ہوسکتی ہے ورنہ اس کا علیحدہ ذکر بے معنی تھا اسی طرح ''تزکیہ'' بھی آپ کا ایسا خصوصی وصف ہے جو یقیناً قرآن کے الفاظ پڑھ کر سنا دینے سے زائد ہے ورنہ تزکیہ کو ایک

(۱) آل عمران پ ۴ رکوع ۷ آیت ۱۶۴
(۲) الجمعہ پ ۲۸ رکوع آیت نمبر ۲

علیحدہ مقصد کے طور پر بیان کرنے سے کیا فائدہ بس یہی دونوں چیزیں یعنی حکمت وتزکیہ کی علمی وعملی تفصیل "حدیث وسنت" کہلاتی ہے: صحابہؓ وتابعینؒ جن کی بصیرت قرانی ہر زمانہ میں سند وحجت رہی۔ ان سب کی رائے یہی ہے کہ اس سے مراد "سنت رسول اللہ" ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حسن بصری، قتادہ اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد سنت ہی ہے۔

امام محمد بن ادریس الشافعی نے اپنی کتاب "الرسالۃ" میں اطاعت رسول اور سنت کی حجیت پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے۔ اسی سلسلہ میں وہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ "الکتاب" کا ذکر کیا جس سے مراد قرآن کریم ہے اور "الحکمۃ" کا ذکر کیا ہے جس کے بارے میں میں نے قرآن کے ان علماء سے جو میرے نزدیک پسندیدہ ہیں یہ کہتے سنا کہ اس سے مراد سنت رسول اللہ ہے اور یہ اس لئے کہ وہ کتاب اللہ کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت فرض کی ہے اور اتباع رسول کو لوگوں پر حتمی قرار دیا لہٰذا کسی امر کو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ کے بغیر فرض نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اپنے رسول پر بھی ایمان لانے کا ذکر کیا ہے۔"(۱)

ایک جگہ پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ.(۲)

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس لئے نازل کی کہ جن میں یہ اختلاف کر

(۱) الرسالۃ صفحہ ۸۷

(۲) سورۃ النحل رکوع ۸۔ پ ۱۴ آیت ۴۴

رہے ہیں آپ ان پر اس کو ظاہر فرمادیں۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم.(۱)

"اے نبی یہ ذکر (قرآن) ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ واضح کردیں لوگوں کے لئے اس کو جوان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔"

اس آیت سے بوضاحت معلوم ہو رہا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ یہ خدمت سپرد کی گئی تھی کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جو احکام اور ہدایتیں دی ہیں آپ ان کی تبیین فرمائیں۔ تبیین کے معنی ہیں کسی چیز کو کھول کر بیان کرنا جس کے لئے ہم اپنی زبان میں تشریح کا لفظ استعمال کیا کرتے ہیں۔ اور یہ ہر شخص جانتا ہے کہ تشریح اور وضاحت اصل عبارت سے الگ ہوا کرتی ہے قرآن کریم کی اس تبیین وتشریح کا نام حدیث ہے۔ قرآن کریم کے جو معانی ومطالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرماتے ہیں وہ "احادیث قولیہ" ہیں اور وہ جن کی تشریح آپ نے اپنے عمل سے فرمائی ہے وہ "احادیث فعلیہ" یا "تقریریہ" کہلاتی ہے۔

حدیث بھی وحی ہے:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اقوال وافعال جو کہ قرآن کریم کا بیان اور ان کی تشریح ہیں یہ بھی آپ نے اپنی طرف سے نہیں فرمائے بلکہ یہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی.(۲)

(۱) سورۃ النحل پ ۱۴ رکوع ۶ آیت ۴۴

(۲) سورۃ النجم پ ۲۷ رکوع ۱

"وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے وہ تو وحی ہوتی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔"

اسی بناء پر علماء امت اور فقہاء ملت نے وحی کی دو قسمیں کی ہیں ایک وحی متلو جو کہ قرآن کریم ہے اور دوسری وحی غیر متلو جو کہ حدیث شریف ہے اور جیسا کہ ہم شروع میں ذکر کر چکے ہیں کہ شریعت کے احکام صرف قرآن سے ہی ثابت نہیں بلکہ بہت سے احکام حدیث نبوی علی صاحبها الصلوٰة والتسلیم سے ثابت ہیں اور جس طرح قرآن کریم شریعت کا ایک ماخذ ہے اسی طرح حدیث بھی شریعت کا ماخذ ہے۔ اسی طرح حدیث بھی شریعت کا ماخذ ہے۔

حدیث کے وحی ہونے پر قرآنی شہادتیں:

قرآن کریم کی بہت سی آیات سے ثابت ہے کہ قرآن کے علاوہ بھی جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تھی اور وہ وحی بھی حجت شرعیہ ہوتی تھی چنانچہ چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

۱:۔وما جعلنا القبلة التی کنت علیها الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیه.(۱)

"اور ہم نے مقرر نہیں کیا وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا مگر اسی لئے کہ معلوم کریں کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائے گا الٹے پاؤں۔"

مسلمان جب مدینہ ہجرت کر گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے سولہ یا سترہ مہینے نماز پڑھتے رہے اس کے بعد بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا اس پر کچھ لوگوں نے خصوصاً

(۱) البقرۃ پ۲ رکوع ۷ آیت ۱۴۳

یہودیوں نے اعتراضات کئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا وہ پہلا قبلہ جس کی طرف رخ کیا جاتا تھا وہ ہمارا ہی مقرر کیا ہوا تھا اور ایک خاص مصلحت اور فائدہ کے پیش نظر ہم نے وہ قبلہ مقرر کیا تھا ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں وہ آیت کہیں نہیں ملتی جس میں اس قبلہ کی طرف رخ کرنے کا ابتدائی حکم ارشاد فرمایا گیا ہو لہٰذا ظاہر ہے کہ یہ حکم وحی غیر متلو کے ذریعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا ماننا بھی اسی طرح ضروری تھا جس طرح کہ وحی متلو کا۔

۲:۔ماقطعتم من لینة او ترکتموها قائمة علی اصولها فباذن الله.(۱)

"تم نے کھجور کا جو درخت کاٹ ڈالا یا اپنی جڑ پر کھڑا رہنے دیا (یہ) اللہ کے حکم سے (کیا)۔"

غزوہ بنو نضیر میں جب یہود قلعہ بند ہو گئے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے درخت کاٹ ڈالے جائیں اور باغ اجاڑ دیئے جائیں تاکہ وہ لوگ باہر نکل کر لڑنے پر مجبور ہو جائیں نیز یہ کہ کھلی جنگ کے وقت درختوں کی رکاوٹ باقی نہ رہے اس پر کچھ درخت کاٹے گئے اور کچھ باقی چھوڑ دیئے گئے تاکہ فتح کے بعد مسلمانوں کے کام آئیں۔ اس فعل پر کافروں نے طعن کرنا شروع کر دیا کہ مسلمان دوسروں کو فساد سے روکتے ہیں مگر خود ہی فساد کرتے ہیں۔ اس آیت میں اس طعن کا جواب دیا جارہا ہے کہ یہ جو کچھ کیا گیا ہے وہ سب اللہ کے حکم اور اس کے اذن سے کیا گیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم وحی غیر متلو کے ذریعہ دیا گیا تھا جس کی تعمیل اپ نے کی کیونکہ قرآن

(۱) سورۃ الحشر پ۲۸ رکوع ۱ آیت ۵

کریم میں اس اذن اور حکم کا کوئی ذکر نہیں اور پھر وہ حکم جو وحی متلو کے ذریعہ آپ کو دیا گیا تھا اور جس کی تعمیل آپ کی تھی اس کی تصدیق وتائید وحی متلو کے ذریعہ کی گئی۔

۳۔لقد صدق الله رسوله الرويا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله امنين محلقين رؤوسكم و مقصرين لاتخافون. (۱)

اور اللہ نے سچ کر دکھایا اپنے رسول کا خواب تحقیقی طور پر کہ تم داخل ہو کر رہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا آرام سے۔ بال مونڈتے ہوئے اپنے سروں کے اور کترتے ہوئے بے کھٹکے۔

مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا کہ ہمارا داخلہ مکہ میں ہو چکا ہے اور سر منڈوا کر یا بال کتروا کر حلال ہو رہے ہیں پھر اتفاق سے اسی سال آپ کا قصد عمرہ کا ہو گیا۔ صحابہؓ کو خیال ہوا کہ اس سال ہم مکہ میں پہنچیں گے اور عمرہ ادا کریں گے مگر خلاف توقع ایسا نہ ہو سکا جس وقت صلح مکمل ہو کر حدیبیہ سے واپسی ہونے لگی تو بعض صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم امن وامان سے مکہ میں داخل ہونگے اور عمرہ ادا کریں گے۔ آپ نے جواب دیا کہ کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال ایسا ہوگا؟ عرض کیا نہیں! آپ نے فرمایا بیشک یوں ہی ہو کر رہے گا تم امن وامان سے مکہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کرو گے۔

یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی اسی طرح تصدیق کی جا رہی ہے جس طرح قربانی کے سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کی قرآن نے تصدیق کی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کا خواب بھی وحی میں داخل ہے۔

---

(۱) سورۃ الفتح پ ۲۶ رکوع ۶ آیت ۲۷

۴۔واذا اسر النبي الى بعض ازواجه حديثا فلما نبات به واظهره الله عليه عرف بعضه واعرض عن بعض فلما نباها به قالت من انباک هذا قال نبانی العليم الخبير. (۱)

اور جب کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بی بی سے ایک بات چپکے سے فرمائی پھر جب اس بی بی نے وہ بات (دوسری بی بی کو) بتلا دی اور پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر کر دی تو پیغمبر نے (اس ظاہر کر دینے والی بی بی سے) تھوڑی بات تو جتلا دی اور تھوڑی سی بات کو ٹال گئے پھر پیغمبر نے اس بی بی کو جب وہ بات بتلائی تو وہ کہنے لگی آپ کو اس کی کس نے خبر دے دی آپ نے فرمایا کہ مجھ کو بڑے جاننے والے خبر رکھنے والے (یعنی اللہ تعالیٰ) نے خبر کر دی۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دے دی گئی تھی کہ آپ کی بیوی نے آپ کی راز کی بات دوسری بیوی سے کہدی۔ ظاہر ہے کہ یہ بات آپ کو وحی غیر متلو (حدیث) کے ذریعہ ہی بتائی گئی تھی۔ کیونکہ وحی متلو (قرآن) میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

حدیث کی حجیت:

الغرض حدیث کا حجت ہونا اور وحی کی دو قسمیں متلو اور غیر متلو ہونا قرآن کی مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہے اور احادیث تو اس بات میں تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں اسی لئے امت نے ہمیشہ سنت کو اسلامی احکام کا ماخذ مانا ہے اس کے حجت شرعی ہونے پر تمام امت کا اتفاق واجماع ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

(۱) التحریم پ ۲۸ رکوع ۱ آیت ۳

"اگر سنت نہ ہوتی ہم سے کوئی شخص قرآن نہیں سمجھ سکتا تھا۔"(۱)

امام شافعیؒ "الرسالہ" میں فرماتے ہیں:

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مراد کو بیان کرنے والی ہے اور قرآن کے الفاظ کے عموم وخصوص پر دلالت کرنے والی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حکمت کو قرآن کے پہلو بہ پہلو ذکر کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ مخلوق میں سے کسی اور شخص کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام عطا نہیں فرمایا۔"(۲)

امام غزالیؒ رقمطراز ہیں:

"اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات حجت ہیں کیونکہ معجزات آپ کی صداقت پر دلیل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کی تابعداری کا حکم دیا ہے نیز یہ کہ آپ ہی کے حق میں وارد ہے وما ینطق عن الھوی۔ الایۃ آپ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے جو کچھ فرماتے ہیں وحی کے ماتحت فرماتے ہیں) لیکن وحی کی ایک قسم وہ ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے یہ "کتاب اللہ" کے نام سے موسوم ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس کی تلاوت نہیں کی جاتی یہ "سنت" ہے۔"(۳)

علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

"جاننا چاہیئے کہ تمام معتبر علماء اس امر پر متفق ہیں کہ سنت مطہرہ کی تشریع احکام کا مستقل ماخذ ہے اور سنت کسی چیز کے حلال اور حرام کرنے میں قرآن کے مثل ہے۔ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے

(۱) میزان شعرانی صفحہ ۲۵
(۲) الرسالہ صفحہ ۹۷
(۳) المستصفی صفحہ ۸۳

قرآن دیا گیا اور اسکے ساتھ اس کا مثل" الغرض سنت کا حجت ہونا اور احکام اسلامی کا ماخذ ہونا ضروریات دین میں سے ہے اس کی مخالفت صرف وہی شخص کرسکتا ہے جس کا دین اسلام سے کوئی واسطہ نہ ہو۔"(۱)

علامہ محقق ابن الہمام تحریر فرماتے ہیں:

"سنت کا حجت ہونا ضروریات دین میں داخل ہے۔"(۲)

اطاعتِ رسول:

اسی بناء پر اطاعت رسول دین کے مسلمات میں سے ہے اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم نے اطاعت رسول کو ہمیشہ جزلاینفک سمجھا ہے، رسول پر ایمان لانے کا مطلب ہی اس کی اطاعت وفرماں برداری ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جابجا اطاعت رسول کا حکم دیا ہے۔ چند آیات جن میں اطاعت کا حکم دیا گیا ہے پیش کی جاتی ہیں:

۱. قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکفرین.(۳)

"آپ فرمادیجئے اطاعت کرو اللہ اور رسول کی پھر اگر اعراض کریں تو (سنا دیجئے) اللہ تعالیٰ کو کافروں سے محبت نہیں۔"

۲. واطیعوا اللہ والرسول لعلکم ترحمون.

"اور اطاعت کرو اللہ اور رسول کی تاکہ تم پر رحم ہو۔"

۳. یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ ورسولہ ولا تولوا عنہ وانتم

(۱) ارشاد الفحول صفحہ ۲۹
(۲) التحریر ص ۲۲۵ ج ۲
(۳) آل عمران پ ۳ رکوع ۱۴ آیت ۳۲

تسمعون.(۱)

''اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور اس سے روگردانی مت کرو حالانکہ تم سُن رہے ہو۔''

۴. واطیعوا اللہ ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم.(۲)

''اور اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور آپس میں نہ جھگڑو پس نامرد ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔''

۵. ومن یطع اللہ ورسوله ویخش اللہ ویتقه فاولئک هم الفائزون.(۳)

''اور جو کوئی اطاعت کرے اللہ اور اس کے رسول کی اور ڈرتا رہے اللہ سے اور تقویٰ اختیار کرے سو وہی لوگ ہیں کامیاب ہونے والے۔''

۶. قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولوا فانما علیه ما حمل وعلیکم ما حملتم وان تطیعوه تهتدوا وما علی الرسول الاّ البلاغ المبین.(۴)

''آپ کہہ دیجئے اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی پھر اگر تم اعراض کرو گے تو اس کے ذمہ ہے جو بوجھ اس پر رکھا اور تمہارے ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا اگر اس (رسول) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول کے ذمہ نہیں ہے مگر پہنچا دینا کھول کر۔''

(۱) الانفال رکوع ۳ آیت ۲۰ پ ۹
(۲) الانفال رکوع ۶ آیت ۴۶ پ ۱۰
(۳) النور رکوع ۷ آیت ۵۲ پ ۱۸
(۴) النور رکوع ۷ آیت ۵۴ پ ۱۸

۷. اقیموا الصلوٰة واتوا الزکوٰة واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون.(۱)

''قائم کرو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول کی تا کہ تم پر رحم ہو۔''

۸. یا ایها الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم.(۲)

''اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔''

۹. ما اتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا.(۳)

''جو کچھ رسول تمہیں دیں تو اسے لے لو اور جس سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ۔''

(۱۰) محبت الٰہی کے دعویداروں سے صاف کہہ دیا کہ تمہارے دعوے کی سچائی اسی وقت عیاں ہوگی جب کہ تم اتباع واطاعت میں سرگرم ہو اتباع رسول کے بغیر محبتِ الٰہی اور اتباع قرآن کا دعویٰ باطل ہے ارشاد ہے:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم.(۴)

''آپ فرما دیں اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری راہ پر چلو تا کہ تم سے اللہ محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

(۱) سورۂ نور رکوع ۷ آیت ۵۶ پ
(۲) سورۂ محمد رکوع ۴ آیت ۳۳ پ ۲۶
(۳) سورۃ الحشر رکوع ۱ آیت ۷ پ ۲۸
(۴) سورہ آل عمران رکوع ۴ آیت ۳۱ پ ۳

اور اطاعت رسول کا بار بار تاکیدی حکم دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کیا گیا کہ جب تک لوگ اپنے تمام جھگڑوں اور زندگی کے تمام فیصلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم نہ بنائیں گے ان کا ایمان کالعدم ہے اور یہ بھی صاف کہہ دیا گیا کہ رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو دل کی کشادگی اور زبان و قلب کی ہم آہنگی کے ساتھ قبول کرنا ضروری ہے۔ ارشاد ہے:

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً۔(۱)

"سو قسم ہے آپ کے رب کی وہ مؤمن نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ آپ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اُٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں کسی قسم کی تنگی آپ کے فیصلے سے اور قبول کرلیں خوشی سے۔"

یہ آیت کریمہ جس حقیقت کبریٰ کو بیان کررہی ہے اس پر غور کرنے کے بعد کسی مؤمن کو اطاعت رسول کے بارے میں شک وشبہ نہیں رہ سکتا۔

غرض اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد کسی مؤمن کو اختیار باقی نہیں رہتا کہ وہ اس سے انحراف کرسکے۔ ارشاد ہے:

وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً۔(۲)

(۱) سورۃ النساء رکوع ۹ آیت ۶۵ پ ۵
(۲) سورۃ الاحزاب رکوع ۵ پ ۲۲

آیات بالا واضح طور پر بتلا رہی ہے کہ رسول کے فیصلے کے مقابلے میں کسی مؤمن کو فیصلہ کرنے کا حق نہیں بلکہ اس کے لئے سعادت وسلامتی کی راہ یہی ہے کہ وہ رسول کے فیصلوں کے سامنے سر جھکادے ورنہ بصورت دیگر اس کے حصہ میں ضلال وگمراہی کے سوا کچھ نہیں۔

اور امام احمد بن حنبل شیبانی کا قول پڑھیے فرماتے ہیں:

"میں نے قرآن پاک میں غور کیا تو تینتیس ۳۳ مقامات پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم موجود پایا پھر آپ اس آیت کی تلاوت فرمانے لگے **فلیحذر الذین الخ** (چاہئے کہ ڈریں وہ لوگ جو رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اس بات سے کہ ان کو کوئی فتنہ نہ پہنچ جائے) امام ممدوح اس آیت کو بار بار پڑھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ فتنہ کیا ہے؟ شرک ہے! ہوگا یہ کہ جب کوئی شخص آپ کے کسی قول کو رد کرے گا تو اُس کے دل میں کجی سی پیدا ہوگی اور پھر جب اس کا دل کجی میں مبتلا ہوجائے گا تو اس کو ہلاک کردے گا۔"(۱)

اور صرف یہی نہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ضروری ہے بلکہ ہر رسول مطاع ہوتا تھا اور امت پر اپنے رسول کی اطاعت لازم تھی قرآن کریم بیان کرتا ہے:

وما ارسلنا من رّسول الاّ لیطاع باذن اللہ۔

"ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن اور حکم سے۔"

(۱) الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص ۵۵

اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں علامہ شہاب خفاجی لکھتے ہیں:

"یعنی جن لوگوں کی طرف نبی کو بھیجا گیا ہے وہ اس کی اطاعت کریں اور اس کے فیصلوں پر رضامندی کا اظہار کریں لہٰذا جو شخص اس کے فیصلہ پر راضی نہیں وہ اس کی رسالت سے بھی راضی نہیں وہ اپنے فرض کا تارک اور کافر ہے۔ قاضی عیاضؒ نے فرمایا گویا اللہ تعالیٰ نے اس امر کو بطور دلیل بیان فرمایا ہے کہ جو شخص رسول کے فیصلوں سے رضامند نہ ہو اگرچہ وہ اسلام کا اظہار کرے کافر ہے۔"(۱)

قران فہمی کے لئے حدیث کی حاجت:

خلاصۂ کلام یہ کہ وہ حضرات جو عمل بالقرآن اور حسبنا کتاب اللہ کے نعرے لگاتے ہیں وہ خود سوچیں اور غور کریں کہ مندرجہ بالا دلائل سے قرآن کریم ہی یہ بتاتا ہے کہ حدیث حجت ہے اور شریعت کا ایک مأخذ ہے اور قرآن فہمی کے لئے حدیث کی ضرورت ہے اور حدیث کو چھوڑ کر قرآن پر عمل ممکن ہی نہیں۔

اور خود عقل سلیم بھی یہی فیصلہ کرتی ہے کہ قرآن سمجھنے اور اس کی مراد متعین کرنے کے لئے ہم نبی کے واسطے کے محتاج ہیں خود سوچیئے اگر نبی کی ذات درمیان میں واسطہ نہ بنے تو کس کے بس کی بات ہے کہ وہ ان حقائق ومعارف پر مطلع ہو سکے جو قرآن کے جامع ہونے کے وجہ سے ایک ایک لفظ میں پوشیدہ ہیں، نبوت کی راہنمائی کے بغیر ان اشارات کو کون سمجھ سکتا ہے جو قرآن نے اپنی جامعیت کی بناء پر اپنے وجود میں سموئے ہوئے ہیں۔ اشارات ربانی کی اصل مراد کو صرف ربّ آشنا ہی پاسکتا ہے

(۱) نسیم الریاض ج ۴ ص ۳۵۲

قرآن جو اپنے جامع ہونے کی بناء پر اعجازی فصاحت وبلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے، جس کے کلمات کی ایک ایک تہہ میں صدہا علوم لپٹے ہوئے ہیں، اس کے دقائق وحقائق پر اطلاع پانے کے لئے ایک ایسے واسطے کا ہونا ضروری ہے جو ایک لحاظ سے ذاتِ حق سے قریب تر ہو اور ایک لحاظ سے بندوں میں شامل ہو وہ لامحدود ذات وصفات کی حامل ہستی سے صادر ہونے والے کلام کے علوم ومعارف پر بلاواسطہ خود اسی ہستی سے اطلاع پائے اور پھر اسی کی راہنمائی میں عامہ خلائق کو ان پر مطلع کرے۔ اس کلام میں کوئی خفا ہو تو وہ اس کا اظہار کرے کوئی اجمال ہو تو اس کی تفصیل کردے کوئی ابہام ہو تو اس کو کھول دے غرضیکہ قرآن کی جامعیت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تمام اصولی وکلی تعبیرات کی اصل مرادات متعین کردے۔

حرفِ آخر:

منکرین حدیث کے انکار حدیث کی وجہ کوئی علمی مغالطہ نہیں کہ اس کو دور کرنے کی کوشش کی جائے اور یہ امید رکھی جائے کہ اس مغالطہ کے دور ہونے کے بعد اُن کو شرح صدر ہوجائے گا اور وہ انکار حدیث سے باز آجائیں گے اگر یہ بات ہوتی تو اب تک علماء حق ان کے شرح صدر کے لئے کافی سامان مہیا کرچکے ہیں اس کی روشنی میں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوجانا چاہیئے تھا لیکن ابھی تک انکار حدیث کے موقف پر بدستور قائم رہنے اور اس کو حرز جان بنائے رہنے کی وجہ یہ ہے کہ انکار حدیث کے بغیر ان کی گاڑی نہیں چلتی۔ دراصل دین کی پابندی اُن کے نفس کی برداشت سے باہر ہے اور احادیثِ نبویہ قدم قدم پر شہوات نفس میں مزاحم ہیں۔ احادیث کو مانتے ہیں تو اُن

کی آزادی ماری جاتی ہے۔

نفس یورپ کی بے حیا تہذیب اور بے لگام تمدن پر فریفتہ ہے اور یہی فرینگی ان کو انبیاء و مرسلین کی تہذیب و تمدن سے متنفر اور بیزار کئے ہوئے ہے۔ اتنی اخلاقی جرأت نہیں کہ اسلام سے صاف برأت کا اعلان کردیں اس لئے ان منکرین حدیث نے درمیان کی راہ نکالی کہ حدیث کا انکار کردیا جو ان کی آزادی میں اصل سدّ راہ تھی اور مسلمان کہلانے کے لئے قرآن کریم کا اقرار کرلیا کیونکہ قرآن کریم کی حیثیت ایک اصولی اور قانونی کتاب کی ہے وہ ایک دستور اساسی ہے جو زیادہ تر اصول وکلیات پر مشتمل ہے، جن میں ایجاز واختصار کی بناء پر تاویل کی گنجائش ہے جبکہ احادیث نبوی ان اصول وکلیات کی شرح اور تفصیل ہیں ان میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔ اب یہ بے چارے اپنی عیش پرستی کو باقی رکھنے کے لئے قرآن میں من مانی تاویل کرنے کے لئے حدیث کا انکار نہ کریں تو کیا کریں۔ ورنہ اُن کی عیش پرستی اور من چاہی آزادی ختم ہوتی ہے۔

یہ بیان اس لئے کیا تا کہ قرآن پر عمل کے ان دعوے داروں کے لئے قرآن سے حدیث کی حجیت، حدیث کا مأخذ ہونا اور قرآن فہمی کے لئے حدیث کی ضرورت کو ثابت کر کے اتمام حجت کردی جائے اور وہ سادہ لوح مسلمان جو اُن کے دلفریب نعروں سے متاثر ہوجاتے ہیں ان کو ان منکرین حدیث کی فتنہ انگیزیاں معلوم ہوجائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين۔

ساؤتھ افریقہ میں حضرت مفتی صاحب کی ایک اہم تقریر

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيّئات اعمالنا. من يهده الله فلا مضلّ له ومن يُضلله فلا هادي له. ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد انّ سيّدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله. ارسله إلى كافّةٍ للنّاس بالحقّ بين يدي السّاعة بشيراً وّنذيراً، وداعياً إلى الله باذنه وسراجاً مّنيراً. اعوذ بالله من الشيطن الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم. وما أمروا الّا ليعبدوا الله مخلصين له الدّين.

عزیز طلباء اور حضرات اساتذہ کرام۔ مجھ سے غلطی ہوئی پہلے اساتذہ کا نام نہ لے سکا ٹھیک ہے چلو غلطی ہوگئی اللہ معاف کرے۔ اس وقت میری خوش قسمتی ہے کہ آپ حضرات کے سامنے طلباء عزیز کے سامنے اساتذہ کرام کے سامنے کچھ الفاظ کچھ کلمات بولنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

یہ جو آیت میں نے ابھی آپ کے سامنے پڑھی ہے یہ سورہ بیّنہ کی آیت ہے اور اس میں لوگوں کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ عبادت کریں اللہ رب العلمین کی اس آیت کے اندر ہے جو مخلص له الدين ہے نحو وصرف تو آپ پڑھ رہے ہیں نحو کے اعتبار سے یہ حال واقع ہو رہا ہے تو جو چیز نحو کے اعتبار سے حال واقع ہوتی ہے وہ فقہاء کرام کے اعتبار سے شرط ہوتی ہے تو گویا کہ عبادت کے لئے شرط ہے اخلاص۔ جب

تک کہ اخلاص نہ ہوگا اُس وقت تک عبادت قبول نہیں ہوگی تو گویا یہ عبادتوں کے لئے شرط ہے اسی لئے ہمارے ہاں فقہاء نے تفصیلات لکھی ہیں کہ نماز کے لئے نیت شرط ہے اور نیت کے شرط کے لئے انہوں نے لکھا ہے کہ اصل میں ایک عادت ہوتی ہے اور ایک عبادت ہوتی ہے کم از کم نیت اس بات کی ہو کہ میں عادتاً نہیں کر رہا بلکہ عبادتاً کر رہا ہوں۔ ایسی نماز، روزہ، زکوۃ سب میں نیت کی ضرورت ہے اب یہ اور بات ہے کہ بعض کے اندر نیت کے بارے میں توسّع ہے اور بعض میں یہ ہے کہ آدمی نیت شروع سے کرے جیسے صوم کہ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ نیت روزے میں شروع میں کرے اور بعض علماء کے نزدیک یہ ہے کہ دس بجے تک یعنی نہار شرعی تک نیت کر سکتا ہے۔

گویا کہ یہاں بتایا گیا کہ جب تک کہ نیت نہیں ہوگی کوئی عبادت قبول نہ ہوگی نہ روزہ نہ نماز لیکن امام غزالی رحمہ اللہ نے بڑی عجیب بات کہی انہوں نے کہا کہ اصل میں نیت کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی نماز کی ابتداء میں نیت کرلے جیسا کہ کرتے ہیں عام طور سے یہ تو مسئلہ بھی آپ جانتے ہوں گے کہ نماز کی نیت کے لئے زبان سے بولنا نہیں ہے ویسے ہی دل سے نیت کرلے بعض لوگ ہوتے ہیں کہ جو زبان سے نیت کرتے ہیں اور اس کو لازمی سمجھتے ہیں اور اس پر بعض لوگ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ صاحب لازم ہے زبان سے نیت کرنا حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ نے بھی لکھ دیا ہے مکتوبات میں لیکن ہدایہ کی بات بالکل نہیں سمجھتے کہ ہم جو نیت کرتے ہیں زبان سے وہ استحضار نیت کے لئے ہوتی ہے تاکہ استحضار ہو جائے اس لئے کہ لوگ اس وقت دنیا میں کشمکش میں مبتلا ہیں۔ عجیب عجیب باتیں ہیں انسان کا ذہن ہر وقت کام کرتا رہتا ہے اس لئے اگر کوئی نماز کے لئے استحضار نیت کے لئے زبان سے بھی کہہ دے تو حرج نہیں

ہدایہ نے بھی اسے مستحب کہا ہے۔ تو ایک نیت تو یہ ہے کہ آدمی شروع میں نیت کرے۔

نماز میں دل نہ لگنے کا علاج:

امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا لیکن ایک نیت یہ ہے کہ نماز کے اندر ہر رکن میں نیت کرے اور واقعی اگر کوئی آدمی نماز کے ہر رکن میں نیت کرلے بعض لوگوں کو شکایت ہوتی ہے کہ ہمیں وسوسے پیدا ہوتے ہیں دل نہیں لگتا آدمی جب ہاتھ باندھے کھڑا ہوتا ہے کہ اے پروردگار۔ تو اس نیت کیلئے یہ نہیں کہ زبان سے نیت کرے بلکہ دل میں نیت کرلے اور نیت تو فعل قلب ہے فعل لسان نہیں جب ہاتھ باندھے کھڑا ہو تو اس وقت کہے اے اللہ میں تیرے لئے کھڑا ہوں ایک عاجز بندہ ہوں پھر اس کے بعد رکوع میں جائے تو کہے میں تیرے لئے جھک رہا ہوں میں ساری تو تیں میرا سارا ذہن میرے حواس تیرے لئے جھک رہے ہیں پھر جب سجدہ میں جانے سے پہلے قومہ کرے تو کہے پروردگار میں تیرے لئے کھڑا ہوں اور پھر اس کے جو دعائیں آتی ہیں حدیثوں میں حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ. یہ پڑھ لے اگر پڑھنا چاہے۔ اگر نہ پڑھنا چاہے نہ پڑھے اس کے بعد جب سجدہ میں جائے تو سجدہ میں جانے کے بعد حدیث میں آتا ہے کہ سجدہ میں بندہ سب سے زیادہ اللہ سے اقرب ہوتا ہے اس لئے کہ بندہ کے جتنے قویٰ ہیں حواس ہیں وہ سب سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد اس کو یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ دیکھو میں مٹی کے اندر اپنا سر رکھ رہا ہوں میرے سارے حواس ساری توانائیاں اے میرے پروردگار تیرے لئے ہیں پھر جب اس نے سجدہ میں اپنا سر رکھ لیا تو اسے موت کا استحضار ہو جائے گا یہ موت کا استحضار انسان کے لئے عجیب کیمیا ہے عجیب اثر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے تھے،

الناس نيام اذا ماتو استعطوا. لوگ سب سو رہے ہیں جب مریں گے جب جاگیں گے۔ لہٰذا اگر نماز کے ہر رکن میں نیت کرلے تجدید نیت کرلے تو یہ بڑی عجیب بات ہے اس کے بعد پہلی بات یہ ہوگی کہ ہمارے دوست واحباب جو یہ شکایت کرتے ہیں نماز میں دل نہیں لگتا وسوسے آتے ہیں یہ ساری چیزیں ختم ہوجائیں گی اور نماز میں دل لگے گا اور اس پر کیفیت طاری ہوجائے گی۔

نماز میں دل لگنے کے بارے میں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ نماز میں اگر دل لگ جائے تو بڑی اچھی بات ہے اگر نہ لگے تب بھی پڑھتے رہیں بعض لوگوں کا دل چاہتا ہے کہ نماز چھوڑ دیں دل نہیں لگتا نماز چھوڑنا نہیں نماز میں دل نہ لگے تب بھی نماز پڑھے اس حالت میں اس کی نماز زیادہ اونچی ہوگی۔ دوسرا یہ کہ نماز میں دل لگ رہا ہے کیفیت طاری ہے اس کیفیت کے ساتھ آدمی اگر نماز پڑھتا ہے وہ تو بہت اچھی بات ہے اس کی بڑی لذت ہوتی ہے لیکن کسی آدمی کا دل اگر بالکل نہیں لگ رہا دل چاہ رہا ہو نماز میں کچھ اور سوچنے کے لئے کھیلنے کے لئے اگر اس حالت میں اپنے آپ کو قابو میں کرکے نماز پڑھے گا تو میرے خیال میں اسے زیادہ اجر ملے گا۔ آپ حضرات جو ہیں طلبۂ علم دین ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ آپ کا تعلق ایسے مدرسہ سے ہے جو مولانا یوسف کا ہے۔ ان کا تعلق حضرت شیخ رحمہ اللہ سے ہے ان کا یہ اخلاص ہے کہ آپ حضرات کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے مجھے اس وقت ایک بات یاد آئی کہ ایک مرتبہ جب میرا مسئلہ پیدا ہوا کہ جناب میں کیا پڑھو ہمارے ایک عزیز تھے میں نے ان سے پوچھا کہ میں پڑھنے کے لئے کہاں جاؤں؟ انہوں نے کہا کہ ڈابھیل چلے جاؤ اور کچھ احباب کہنے لگے دیوبند چلے جاؤ۔ بعض لوگوں نے کہا مظاہرالعلوم چلے جاؤ۔ ایک یہ تھا کہ رام پور میں چلے جاؤ،

رام پور بڑا اچھا مدرسہ تھا۔ ایک بزرگ تھے جو ندوہ کے مہتمم بھی تھے شیخ الحدیث بھی تھے انہوں نے کہا نہیں تم مظاہر علوم چلے جاؤ۔ میں نے پوچھا کہ کیوں؟ تو فرمایا کہ میں نے مظاہر علوم کے طلباء کو دیکھا تو میں نے دیکھا ان کے چہرے ایسے جیسے فرشتے ہوں میں اس وقت بھی بلا تشبیہ آپ حضرات کو دیکھ کر اتنی طبیعت خوش ہوئی جیسے وہی مظاہرالعلوم کے قدیم طلباء۔ بارک اللہ فی علمکم وعملکم.

طالب علم روزانہ نیت کیا کریں:

اس لئے آپ لوگ جو علم دین حاصل کر رہے ہیں جو پڑھ رہے ہیں اگر علم دین کے لئے ہر وقت نیت کریں، ایک تو نیت یہ ہے کہ جب آپ مدرسہ میں داخل ہوئے تھے تو داخل ہوتے وقت نیت تو سب نے کی ہوگی اس واسطے کہ اپنے آپ کو اتنی مشکلات میں ڈالنا ماں، باپ کو چھوڑنا، اتنی دور سے آنا کوئی کدھر سے آیا اور کوئی کدھر سے آیا لیکن ایک صورت یہ ہے کہ ہر روز جب آپ اٹھا کریں اور فجر نماز کے بعد اور جس وقت درس گاہ جایا کریں تو دل میں یہ نیت کرلیں کہ پروردگار میں تیرے لئے پڑھ رہا ہوں۔ آپ اس کے بعد دیکھیں گے آپ کے دل کی کیفیت بدل جائے گی اور آپ کے مقصد تعلیم میں فرق آجائے گا اور اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے گا۔ آپ میری اس بات کو یاد رکھنا، آزمانا۔ اس سے برکت پیدا ہوجائے گی نماز میں، علم میں۔ دین کے اندر اس وقت اتنے مسئلے ہیں اتنی مشکلات ہیں اس وقت دین کے اندر آپ جیسے طلباء کی بہت ضرورت ہے لیکن اس میں ایک بات اور بھی ہے یہ مت سمجھو کہ ہم جلدی جلدی بغیر دل لگا کے پڑھ لیں اور پڑھنے کے بعد ہم دنیا کے سامنے آجائیں دنیا کا علاج کرنے کے لئے دنیا کے فتنوں کا علاج بڑا مشکل کام ہے۔ جب تک کہ

آپ اچھا اور پختہ علم حاصل نہیں کریں گے جب آپ کا پختہ علم نہیں ہوگا آپ دنیا کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ آج دنیا کے اندر اتنے فتنے ہیں جس کو میں بیان نہیں کر سکتا۔

امت محمد یہ امت وسط ہے:

قرآن کریم میں ایک آیت ہے، وکذلک جعلنکم امۃ وّسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرّسول علیکم شھیداً. کہ ہم نے تم کو امت وسط بنایا، یعنی تم کو امۃ وسطاً بعض نے کہا امۃ عدلاً یعنی حق الجسم وحق الرّوح. وسط کے معنی کیا ہیں؟ الروح، اگر آپ انسان کا تجزیہ کریں تجزیہ کرنے کے بعد پتا چلے گا انسان میں ہے کیا؟ انسان میں دو چیزیں ہیں ایک جسم دوسری روح۔ جسم کا تعلق عالم خلق سے ہے اور روح کا تعلق عالم امر سے ہے۔ بعض لوگوں نے کہا جو حواس سے آدمی ادراک کر سکے وہ عالم خلق ہے اور جس کا حواس سے ادراک نہ کر سکے وہ عالم امر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو دو چیزیں دیں۔ تعطون حق الجسم وحق الرّوح. تم جسم کا حق بھی ادا کرتے ہوں اور روح کا حق بھی ادا کرتے ہو۔ اگر آپ دنیا کی تاریخ پڑھیں اور دنیا کے مذاہب کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ بعض لوگ صرف روح کا حق ادا کرتے تھے اور اب تو ایسے لوگ ختم ہو گئے۔ پہلے زمانہ میں یہ تھا کہ اپنے روح کا حق اداء کرتے تھے۔ ایسے بدھ مذہب کے لوگ تھے ننگے رہا کرتے تھے کھانا نہیں کھاتے تھے جنگل میں پڑے رہتے تھے اور یہ کہتے تھے ہم روح کے حق کو ادا کرتے ہیں اپنے اوپر بڑی مشقت برداشت کرتے تھے تکلیفیں برداشت کرتے تھے۔ آپ بوتھم کی تاریخ پڑھیے ان میں کیس کیسی عجیب باتیں ہیں ان کے ہاں سب سے بہتر بدھست وہ ہوتا تھا جو ایک لنگوٹی باندھ لے کپڑا اوڑھ لے

اور جنگل میں چلا جائے اور جنگل میں لوگوں سے مانگ کر کھائے۔ یہ ہندوؤں کے ہاں بھی تھا یہ لوگ صرف روح کے حق کو ادا کرتے تھے لیکن جسم کے حق کو ادا نہ کرتے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے تھے جو صرف جسم کے حق کو ادا کرتے تھے آج دنیا میں زیادہ تر جسم کے حق کو ادا کرنے والے ہیں۔ جیسے امریکہ، لندن غرض کہ پوری دنیا۔ وہ لوگ اپنے جسم کے حق کو ادا کرتے ہیں اور روح کو مہمل چھوڑ دیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان لجسدک علیک حقاً. ولزوجک علیک حقاً، ولعیالک علیک حقاً. یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجزانہ تعلیم ہے۔ اس کے بعد یہ آیت آئی، وکذلک جعلنکم امۃ وسطاً. ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا جو جسم کے حق کو بھی ادا کرے گی اور روح کے حق کو بھی ادا کرے گی۔ اس کے بعد پوری دنیا میں انقلاب آ گیا بعض لوگ تو جسم کے حق کو ادا کرتے تھے اور بعض روح کے حق کو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آمد کے بعد جسم کے حقوق کی ادائیگی کے احکام دیئے اور روح کے حقوق کی ادائیگی کے بھی احکام دیئے لیکن روح کا حق غالب بتایا۔ ایسا مدرسہ جس میں دینی تعلیم کے ساتھ اخلاقی تربیت اور تصوف کی تربیت ہو یہ بھی گویا وہی مدرسہ ہے جس میں جسم کا حق بھی ادا ہو رہا ہے اور روح کا حق بھی۔ اس لئے آپ حضرات بڑے خوش قسمت ہیں یہاں اتنا وقت گزر رہا ہے اس کو غنیمت جانیے یہاں سے جانے کے بعد تم کو قدر ہوگی۔ جو چیز انسان سے فوت ہو جاتی ہے پھر انسان کو قدر ہوتی ہے۔ نعمت کی قدر ہوتی ہے زوال کے بعد۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، لوگ سو رہے ہیں جب وہ مریں گے تو وہ جاگیں گے۔ آج ہماری جو حالت ہے سونے کی حالت ہے اور جب ہمیں موت آئے گی اس وقت ہم جاگیں

گے۔ اس لئے اس وقت سے پہلے پہلے کچھ کام کرلو۔ دنیا میں اس وقت اتنے فتنے ہیں ان میں سے بعض علم کے فتنے ہیں اور بعض عمل کے فتنے۔ آپ حضرات جو ہے علم وعمل کے جامع بن رہے ہیں اللہ بنائے۔ آپ اس کے بعد علم کو لے کر ان فتنوں کا مقابلہ کریں۔ ابھی ہمارے بعض دوست یہ فرما رہے تھے انکار حدیث کا فتنہ، کہ منکرین حدیث، حدیث کو نہیں مانتے۔ انسان کے اندر عجیب بات یہ ہے کہ انسان چاہتا ہے آسان مذہب، دنیا کی تاریخ آپ پڑھیں آپ کو معلوم ہوگا کہ انسان آسان مذہب چاہتا ہے اب یہ عیسائیت دنیا بھر میں پھیل رہی ہے تو یہ عیسائیت ایک آسان مذہب ہے وہ کہتے ہیں کہ صاحب آدمی جو ہے وہ کچھ نہ کرے دنیا بھر کی ساری بُری باتیں کرتا رہے بس یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کفارہ ہوگئے اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھانسی کے بعد ساری دنیا کے گناہ معاف ہوگئے۔ اب یہ عیسائیوں کا یہ فلسفہ مسلمانوں میں بریلویوں میں آیا۔ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم محبت رکھتے ہیں اس کے بعد ہمیں ضرورت نہیں ہے گناہ معاف کرانے کی۔ اور یہ عقیدہ شیعوں میں بھی آیا۔ شیعوں نے کہا بس حضرت حسینؓ جو ہے یہ کفارہ ہوگئے بس یہ حضرت حسینؓ کا نام لیتے ہیں لیکن اندر اندر لاشعور میں یہ وہی کام کررہے ہیں جو عیسائی کررہے ہیں۔ اس لئے یہی وجہ ہے کہ دیوبندی کوئی بات کہتے ہیں تو خفاء ہوتے ہیں۔ آسان مذہب کی تلاش آج دنیا کا عنوان ہے کہ آسان مذہب کی تلاش ہر انسان آسان مذہب چاہتا ہے۔ جس میں کچھ کرنا نہ پڑے جہاں پر آپ نے کوئی چیز کرنا شروع کی تو کرنے کے بعد اعتراض کرتے ہیں تو غرض کہ یہ بڑی عجیب بات ہے اس لئے یہ پرویزی مذہب ہے کہتے ہیں حدیث کو نہ مانو کیونکہ حدیث جو ہے

اعمال کے ساتھ مقید کرتی ہے، اخلاق کے ساتھ، عقائد کے ساتھ قرآن مجید یہ مختصر ہے اور حدیث اس کی تشریح ہے وہ کہتے ہیں صاحب کسی مولوی کی بات نہ سنو بلکہ تم قرآن کریم کو ڈکشنری رکھ کر پڑھو۔ اسی لئے فرمایا تم لوگ امت وسط بن گئے۔ لتکونوا شهداء على الناس. تم دنیا کے سامنے شہادت دو یہ ہے اسلام یہ ہے حق مذہب۔ ویکون الرسول علیکم شهیداً. پیغمبر علیہ السلام تمہارے لئے گواہ ہوں گے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ساری دنیا تم سے اخلاق سیکھے عقائد سیکھے اخلاق سیکھے اور تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاق سیکھو، اعمال سیکھو۔ آپ حضرات جو ہے بڑے خوش قسمت ہیں اسی معاملہ میں لیکن بس یہی بات ہے کہ اول تو نیت اپنی خالص کرلو۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب کے پاس ایک صاحب آئے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے بڑے لیڈر تھے بڑے آدمی تھے انہوں نے حضرت شیخ الحدیث صاحب سے فرمایا کہ بمبئی میں جارہا ہوں اور میں بھی مصروف تم بھی مصروف اور طالب علموں کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب ان حضرات میں سے ہیں جنہوں نے اپنا ایک منٹ بھی ضائع نہیں کیا۔ لیکن آپ دیکھیں میں اپنا اتنا وقت ضائع کرتا ہوں شاید دنیا میں کوئی اتنا وقت ضائع نہیں کرتا ہوگا۔ لیکن اب مجھے افسوس ہوتا ہے کہ قوتیں کمزور ہوگئیں، آنکھیں کمزور ہوگئیں، حافظہ کمزور ہوگیا، اب کچھ سوچو لیکن اب بیکار ہے۔ تم طالب علموں کے لئے ایک نصیحت یہ بھی ہے کہ اپنا وقت ضائع نہ کرو گپیں مارنا، فضول کتابیں پڑھنا، فضول باتیں کرنا یہ سب نہ کرو۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ طالب علم کو اخبار بھی نہیں پڑھنا چاہئے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب کی بات چل رہی تھی کہ انہوں نے ایک

منت ضائع نہیں کیا اس کی برکت سے اتنا عظیم کام کیا کہ ایک آدمی تنہا اتنا کام نہیں کرسکتا کوئی اکیڈمی کام کرسکتی ہے یا کوئی جامعۃ العلوم۔ خیر تو مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ آئے اور فرمایا کہ نہ تو تمہارے پاس وقت نہ میرے پاس وقت جلدی سے بتادو تصوف کیا چیز ہے؟ اس پر حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بھئی تصوف تین چیزوں کا نام ہے: پہلی چیز تصوف کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے اندر کچھ طلب ہو۔ دوسری چیز اخلاص۔ (اخلاص عمل کہ میں جو کام کررہا ہوں اللہ کے لئے کررہا ہوں نہ لوگوں کو دکھانے کے لئے نہ مہتمم صاحب کو دکھانے کے لئے نہ فلاں صاحب کو دکھانے کے لئے بلکہ صرف اللہ کے لئے کررہا ہوں۔ اس کا اجروثواب میں چاہوں گا صرف اللہ سے)۔ اور تیسری چیز احسان۔ (یہ مشکوٰۃ والے جانتے ہوں گے حدیث جبریل علیہ السلام میں پڑھا ہوگا)۔ ان تینوں چیزوں کا نام تصوف ہے پہلی چیز طلب دوسری چیز اخلاص تیسری چیز احسان۔ اس لئے آپ حضرات ان تینوں چیزوں کو سب سے پہلے اپنے اندر پیدا کریں انسان اگر تصوف کے اعمال واشغال کرنے لگے ذکر کرنے لگے تو اس کے بعد کیا فائدہ ہوتا ہے حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے اس کے بعد جو بھی کام کرے گا مثلاً تصنیف کا کام کرے گا، حفظ کا کام کرے گا تدریسی کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ایک قوت دے دیں گے۔ مثلاً ایک آدمی تصوف کی چیزیں اختیار کیا ہوا ہے وہ جب تصنیف کے کام میں آئے گا تو اس میں ایک قوت پیدا ہوجائے گی اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے گا۔ وہ اگر تدریس میں آئے گا تو اس میں قوت پیدا ہوجائے گی۔ تبلیغ کے کام میں آئے گا تو اس میں برکت پیدا ہوجائے گی۔

اس لئے آپ جو ہے بڑے خوش قسمت ہیں آپ کو دیکھ کر یہ دل چاہا کہ میں بھی چھوٹا بچہ ہوجاؤں اور میں بھی پڑھوں۔ آپ حضرات ہر روز جو ہے اپنی نیت کو خالص کریں۔ اگر کوئی کتاب سمجھ میں نہیں آتی تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ اس استاد کے لئے دعا کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کتاب کو آسان کردے گا اور خلاصہ یہ ہو کہ ہم دین کی خدمت کریں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین آج بڑا مظلوم ہے بڑے فتنے ہیں۔ اللہ تمام فتنوں سے ہم سب کو محفوظ فرمائیں۔ (آمین)

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین.

نوٹ: ساؤتھ افریقہ میں جوانوں نے ختم نبوت اکیڈمی بنائی مفتی صاحب سے اس جماعت نے کہا کہ ہم کو کچھ نصیحت فرمائیں۔ اس پر مفتی صاحب مختصر سے یہ بات ارشاد فرمائی:

ختم نبوت کے سلسلہ میں بات یہ ہے کہ انگریز جب ہندوستان میں آیا تو اس کے سامنے دو قومیں تھیں ایک ہندو دوسری مسلمان۔ لیکن اس نے اپنی ساری قوت خرچ کری مسلمانوں کو تباہ کرنے میں انگریز ہندوؤں کو بہت ترقی دینا چاہتا تھا۔ جب بھی کوئی کام ہوتا تو اس میں ایک مسلمان باقی سب ہندو، وکالت کے شعبہ میں صرف ایک مسلمان باقی سب ہندو۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ساری دنیاوی تعلیم ہندوؤں کو ہو تاکہ ان کی زندگی ٹھیک ہو اور مسلمانوں سے ان کو عداوت تھی کیونکہ اس نے حکومت مسلمانوں سے لی تھی۔ اور اگرچہ مغلوں کی حکومت خراب ہوچکی تھی لیکن پھر بھی مسلمانوں میں دین تھا ایمان تھا۔

نیز تبلیغ اس وقت ہوگی جب دل میں قوت پیدا ہوگی۔ یہ قادیانیوں کو مسلمان
کرنے کے لئے اور عیسائیوں کو مسلمان کرنے کے لئے بھی قلب کی قوت کی ضرورت
ہے اور قلب کی قوت پیدا ہوگی تصوف سے اللہ اللہ کرنے سے اس کے بعد انسان کے
اندر اتنی قوت پیدا ہو جائے گی۔ بس یہ چند الفاظ تھے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین.

ختمِ بخاری شریف پر ایک اہم درس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخاری رحمہ اللہ کی یہ کتاب اصح کتاب بعد کتاب اللہ ہے اور پھر امام بخاریؒ نے
اپنی اس کتاب کے اندر عجائب وغرائب اور نکات رکھے ہیں خصوصاً امام بخاری رحمہ اللہ
کی عادت ہے کہ مناسبت کا خیال رکھتے ہیں ایک باب کی دوسرے باب سے مناسبت،
اول وآخر کی مناسبت۔ ان مناسبات کا ان کے ہاں بہت اہتمام ہے اور جو یہ مناسبات
ہیں ان مناسبات کے اندر نکات کو بیان کرتے ہیں۔ تو بخاری رحمہ اللہ نے اپنی اس
کتاب جلیل کو جو شروع کیا تو باب بدء الوحی سے۔ یہ آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں کہ
امام بخاری شروع میں سب سے پہلے بدء الوحی لے کر آئے کہ وحی کی ابتداء کس طرح
ہوئی؟ اور پھر اس کے بعد وحی سے کتاب کو شروع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وحی بدء المبادی
ہے۔ دنیا میں جتنے انبیاء آئے اور شرائع ان سب کی وجہ وحی الٰہی تھی۔ اگر انسان کے
پاس وحی نہ آتی تو انسان نہ مکلف ہوتا اور نہ اس کے پاس شرائع آتے نہ شریعتیں آتیں
نہ آسمانی کتابیں آتیں نہ انبیاء آتے تو گویا کہ مبدء المبادی جو ہے وہ وحی الٰہی ہے۔
تو امام بخاریؒ نے جو اپنی کتاب کی ابتداء کی مبدء المبادی سے جو کہ وحی ہے بلکہ

اگر دیکھا جائے عقلی اعتبار سے تو دنیا میں سب سے زیادہ یقینی چیز جو ہے وہ وحی ہے دنیا
کے پاس علم کے بڑے ذرائع ہیں۔ ذرائع علم کے اوپر شرح عقائد میں بحث کی گئی ہے
لوگ کہتے ہیں کہ علم حاصل کرنے کے ذریعے کیا ہیں ایک تو حواس ہیں انسان حواس
کے ذریعے سے علم حاصل کرتا ہے کسی چیز کو دیکھ کر حاصل کرتا ہے کسی چیز کو سونگھ کر
حاصل کرتا ہے کسی چیز کو سن کر حاصل کرتا ہے یہ ہیں ذرائع علم۔ انسان کے پاس عقل
یہ تجربہ ہے آج دنیا کے اندر بہت سے کام ہوتے ہیں تجربوں سے ہوتے ہیں لیکن ان
سب میں سب سے زیادہ یقینی چیز جو ہے وہ وحی ہے اور وحی کے مقابلہ میں کوئی چیز یقینی
نہیں باقی ساری چیزیں ظنی ہیں اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب جلیل
کو جو شروع کیا وہ مبدء المبادی وحی سے کیا۔ باب کیف کان بدء الوحی الی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. اس لئے کہ اگر وحی نہ آتی تو نہ انبیاء آتے نہ
آسمانی کتب آتیں نہ انسان مکلف ہوتا نہ شرائع آتیں۔ اس لئے اپنی اس کتاب کو
امام بخاریؒ نے وحی سے شروع کیا۔ اس لئے جو غایۃ الغایات ہے نہایۃ النہایات ہے
جس کے اوپر کہ ساری چیزوں کا فیصلہ ہوگا عقائد اعمال اخلاق ہیں ان سب کا جو نتیجہ
ہے وہ ہے اعمال کا وزن ہونا۔ قیامت کے دن انسان کے اعمال کا وزن ہوگا۔ اور
وزن ہونے کے بعد جو لوگ نیکوکار ہوں گے وہ جنت میں جائیں گے اور جو بدکار ہوں
گے وہ جہنم میں جائیں گے۔ اس لئے جو غایۃ الغایات اور نہایۃ النہایات ہے وزن
اعمال ہیں۔ اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کو جو شروع کیا مبدء المبادی
سے اور کتاب کو ختم کیا غایۃ الغایات پر نہایۃ النہایات پر اس لئے باب رکھا۔ باب
قَوْلُ اللہِ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَة. یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ

بخاری نے اس سے پہلے جو باب باندھا ہے وہ کتاب الرد علی الجهمية بڑا
مشکل باب تھا۔ بخاریؒ نے اس باب میں جو فرق باطلہ ہیں ان پر رد کیا ہے بلکہ مولانا
زکریا رحمہ اللہ نے ایک عجیب بات لکھی کہ بخاریؒ نے کتاب الرد علی الجهمية
سے پہلے باب باندھا ہے کتاب الإعتصام بالكتاب والسنة. پھر اس کے بعد
باب باندھا ہے کتاب الرد علی الجهمية. تو کتاب الإعتصام میں اور کتاب
الرد علی الجهمية میں کیا تعلق ومناسبت ہے؟ انہوں نے لکھا ہے کہ اصل چیز تو یہ
ہے کہ قرآن وحدیث کی اتباع کی جائے۔ قران وحدیث کی اتباع کے لئے امام
بخاریؒ نے باب باندھا کتاب الإعتصام بالكتاب والسنّة لیکن قرآن وحدیث
کو اگر صحیح اخلاص اور صحیح نیت اور صحیح لوگوں سے نہ پڑھا جائے تو اس کے بعد فرقے پیدا
ہوتے ہیں۔ تو مطلب یہ ہے کہ کتاب وسنت کو اگر آدمی صحیح طریقے سے پڑھے گا
اخلاص کے ساتھ پڑھے گا تو اس سے صحیح نتائج برآمد ہوں گے لیکن اگر غلط طریقے سے
پڑھے گا اور غلط مقاصد کے لئے پڑھے گا اور شبہات پیدا کرنے کے لئے پڑھے گا تو
اس سے غلط فرقے پیدا ہوں گے تو فرق باطلہ یوں پیدا ہوں گے۔

فرقے کیوں پیدا ہوئے:

ایک مرتبہ میں نے بتایا بھی تھا عبدالکریم شہرستانی نے ایک کتاب لکھی ہے،
الملل والنحل اُس میں ان فرقوں کے بارے میں بحث کی ہے کہ یہ فرقے کیوں
پیدا ہوئے؟ تو اس نے جو بحث کا خلاصہ نکالا ہے وہ یہ کہ فرقے پیدا ہوئے ہیں شبہ
سے۔ انسان کے دل میں کسی چیز کا شبہ پیدا ہو گیا اور اس شبہ کا ازالہ نہیں ہوا تو وہ
شبہ جب بڑھتے بڑھتے ایک پھوڑا بن جاتا ہے زخم بن جاتا ہے تو اس کے بعد پھر

آدمی اس مقصد کو لے کر دنیا کے سامنے پرچار کرتا ہے اس سے پھر فتنے بنتے ہیں۔ بلکہ
شہرستانیؒ نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس کے دل میں شبہ پیدا ہوا وہ شیطان ہے
شیطان نے سب سے پہلے کہا خلقتني من نار وخلقته من طين. کہ تو نے مجھے
آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔ اور آگ بلندی چاہتی ہے اور مٹی تواضع۔ تو میں
عالی ہوا اس لئے شبہ پیدا ہوا۔ تو غرض کہ امام بخاریؒ نے کتاب الرد علی
الجهمية لاکر یہ بتادیا کہ یہ فرقے جو اسلام میں پیدا ہوئے ہیں ان کا رد کرنا بھی
ضروری ہے اس سے پہلے۔ جیسے حب ایمان فی اللہ ضروری ہے اسی طرح بغض فی اللہ
بھی ضروری ہے۔ جب تک یہ دونوں چیزیں نہیں ہوں گی اس وقت تک ایمان مکمل
نہیں ہوگا۔ اس لئے جو اللہ والے ہیں ان سے محبت رکھی جائے اور جو فتنے ہیں ان
سے نفرت رکھی جائے۔ لوگ کہتے ہیں کہ بھئی نفرت بُری چیز ہے یہ بات غلط ہے
کیونکہ جس طرح اللہ والوں سے محبت کرنا ایمان کی علامت ہے ایسے نفرت کرنا بھی
ایمان کی علامت ہے۔ تو بخاریؒ کتاب الرد علی الجهمية لانے کے بعد پھر
آخری باب لائے باب قول الله ونضع الموازين القسط ليوم القيمة. اس
باب میں کہ امام بخاری رحمہ اللہ ایک دوسری بات بتا رہے ہیں کہ یہ غایۃ الغایات ہے
نہایۃ النہایات ہے اور دوسری بات یہ بتا رہے ہیں کہ اس میں معتزلہ کا اختلاف ہے۔
بعض وہ لوگ جو عقل پسند لوگ ہیں عقل کو مانتے ہیں نقل کو نہیں مانتے تو وہ لوگ وزن
اعمال کا انکار کرتے ہیں۔ اُس زمانے کے اندر ایک فرقہ تھا معتزلہ۔ آج کل تو معتزلہ
کے بڑے بڑے باپ پیدا ہوگئے ہیں معتزلہ کے ذہن میں خالص عقل تھی وہ عقل سے
دنیا کی ساری چیزوں کو دیکھتے تھے اور شریعت کو نہیں مانتے تھے۔ اس لئے انہوں نے
کہا صاحب، اعمال تو اعراض ہیں وہ تو تولے نہیں جاسکتے۔ عمل تو ایک ایسی چیز ہے جو

ختم ہوجاتی ہے اس لے انہوں نے وزن اعمال کا انکار کیا اور انہوں نے وزن اعمال کے معنی اور لئے او میزان کے معنی اور لئے ۔ کہا کہ میزان کے معنی عدل کے ہیں اور انصاف کے ۔ تو بخاریؒ کا مقصد چونکہ فرق باطلہ کا رد بھی ہے اس لئے یہاں معتزلہ کا رد کرنے کے لئے یہاں باب باندھا قول اللہ **ونضع الموازین القسط لیوم القیمۃ.** اور بخاریؒ نے عجیب بات کی ۔

آخری حدیث سے منکرین حدیث پر ردّ بھی ہے:

اس حدیث سے اِن منکرین حدیث کا رد بھی ہو گیا ورنہ منکرین حدیث سمجھتے ہیں کہ قرآن اور حدیث میں تعارض ہے ۔ تو بخاریؒ سب سے پہلے آیت لاتے ہیں اس کے بعد حدیث لاتے ہیں یہ بتانے کے لئے کہ قرآن اور حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ احادیث تو شرح ہیں بیان ہیں قرآنی آیات کی ۔ اس لئے یہ آیت لائے **ونضع الموازین القسط لیوم القیمۃ.** اور ہم رکھیں گے انصاف کی ترازوئیں قیامت کے دن ۔ تو وزن اعمال ہوگا ۔

موازین جمع ہے میزان کی یا مَوْزُوْنٌ کی ۔ دونوں قول ہیں بعض کہتے ہیں موزون کی جمع ہیں اور بعض کہتے ہیں میزان کی جمع ہے اگر میزان کی جمع لی جائے تو یہ بات پیدا ہوگی کہ کیا وہاں بہت ساری ترازوئیں ہوں گی؟ امام رازی رحمہ اللہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ راجح یہ ہے کہ بہت ساری ترازوئیں ہوں گی اور وہ مختلف ترازوئیں مختلف قسم کے اعمال کو تولنے کے لئے ہوں گی ۔ بعض ترازوئیں عقائد کو تولنے کے لئے ہوں گی اور بعض ترازوئیں اخلاق و اعمال کو تولنے کے لئے ہوں گی ۔ بعض افعال قلبیہ کے لئے ہوں گی اور بعض افعال جوارح کے لئے ہوں گی ۔ لیکن زیادہ تر لوگوں کی رائے یہی ہے کہ میزان ایک ہے اور اس میز[illegible] تفصیل احادیث میں موجود ہیں ۔ کتاب

السنۃ کے اندر اس کی تفصیل یہ ہے کہ اُس کے دو پلڑے ہوں گے اور وہ ترازو بھی بہت بڑی ہوگی کہ اس میں آسمان و زمین بھی رکھا جاسکتا ہے اور وہ ترازو ایسی ہوگی کہ حقیر سے حقیر چیز کو بھی تول لے گی اور بڑی سے بڑی چیز کو بھی تول لے گی ۔ اب سوال یہ ہے کہ جب ترازو ایک ہے تو صیغہ جمع کیوں استعمال کیا؟ تو اس میں بہت تاویلیں کی گئی ہیں ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لوگوں کے اعتبار سے ہے اس لئے کہ اربوں، کروڑوں، لاکھوں انسان ہوں گے اس لئے ان کے اعتبار سے کہا اور بعض کہتے ہیں اعمال متعدد ہوں گے تو تعدد اعمال کے اعتبار سے جمع کا صیغہ استعمال کیا ۔ اور بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ تعظیم کے لئے کہا ۔ عرب کی عادت یہ ہے کہ جب کسی چیز کی تعظیم کرتے ہیں تو اس کے لئے جمع کا لفظ استعمال کرتے ہیں جیسے **کذبت قوم نوح ن المرسلین.** حضرت نوح علیہ السلام ایک پیغمبر تھے ۔ ایک پیغمبر کو بھیجا گیا لیکن قرآن نے ان کو مرسلین کہا ۔ تعظیم اور تفخیم کے لئے ۔ اس لئے یہاں بھی موازین کو جمع لے کر آئے تعظیم اور تفخیم کے لئے ۔ تو کیا مطلب ہوا؟ کہ ہم رکھیں گے ترازوؤں کو ترازو جو کہ بڑی عظیم ترازو ہے ۔ اَلْقِسْط ۔ یہ مصدر ہے اور مصدر کے اعتبار سے واحد اور جمع سب برابر ہے ۔ اس لئے قسط یہ صفت بن گئی موازین کی ۔ تو کیا معنی ہوا، قول اللہ **ونضع الموازین القسط ای عادلات.** جب ہم موازین رکھیں گے تو وہ انصاف کی ہوں گی وہاں سراسر انصاف ہوگا ۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ظلم کا تصور نہیں ہوسکتا اُس کے ہاں جو کچھ ہوگا سب انصاف سے ہوگا ۔ تو القسط کو صفت بناؤ موازین کی اس اعتبار سے کہ مصدر نہ واحد ہوتا ہے نہ جمع ہے اس میں سب برابر ہیں یا یہ کہ یہاں پر مضاف محذوف مانو تو یوں کہو، قول اللہ **ونضع الموازین ذوات القسط.** اور ہم ایسے موازین رکھیں گے جو انصاف والے ہوں گے ۔ دنیا میں تو لوگ کم تول لیتے ہیں لیکن وہاں پر سراسر انصاف ہوگا ۔

لیوم القیٰمۃ میں لام کون سا ہے؟

اس کے بعد فرمایا، لیوم القیٰمۃ. اور لیوم القیٰمۃ کے اندر جو لام ہے تو ابن قتیبہ کی رائے یہ ہے کہ یہ فی کا معنیٰ میں ہے تو مطلب یہ ہوا ونضع الموازین فی یوم القیٰمۃ. اور یہ حروف جارہ ایک دوسرے کے معنیٰ میں آتے ہیں تو معنیٰ یہ ہوا کہ ہم انصاف کی ترازوئیں رکھیں گے قیامت کے دن۔ قیامت کا دن خلاصہ ہوگا اُس دن تمام اعمال کا خلاصہ نکلے گا۔ اس لئے لام بمعنیٰ فی کے ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لام تعلیل کے معنیٰ میں ہے۔ اور یہاں پر ایک مضاف محذوف ہے کیا مطلب ہوا ونضع الموازین القسط لحساب یوم القیٰمۃ. اور ہم انصاف کی ترازوئیں رکھیں گے قیامت کے دن کے حساب کے لئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لام توقیت کے لئے ہے۔ لام کبھی توقیت کے لئے بھی آتا ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا، اور ہم رکھیں گے انصاف کی ترازوئیں قیامت کے دن کے وقت۔ یہاں پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نابغہؒ کا شعر بطور دلیل کے پیش کیا ہے جس کے اندر لام توقیت کے لئے ہے۔ آگے فرمایا، وانّ اعمال بنی ادم توزن. قسطلانیؒ نے لکھا ہے کہ اس کو انَّ اور اِنَّ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں لیکن اَنّ پڑھنا زیادہ بہتر ہوگا کیونکہ اس کا تعلق ہوگا پہلے سے۔ اِنَّ بھی جائز ہے۔

قیامت میں کیا چیز تولی جاسکے گی؟

بخاریؒ نے یہاں پر اعمال واقوال کو تولنے کا مسئلہ نکال کر ایک اور مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اُس میزانِ عدل میں کیا چیز تولی جائے گی کہ (۱) انسان کے جو اعمال واقوال ہیں یہ تولے جائیں گے (۲) وہ صحائف ہیں جن کو کراماً کاتبین لکھتے ہیں یہ تولے جائیں گے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ خود اُس شخص کو تولا جائے گا۔ قرآن کریم

کی بعض آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص آئے گا اور اللہ کے ہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ایک آدمی بڑا موٹا خوبصورت آئے گا لیکن اللہ کے ہاں اُس کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ جو چیز تولی جائے گی وہ کیا ہوگی؟ کہ آیا وہ اعمال واقوال یا صحائف اعمال یا وہ شخص خود تولا جائے گا۔ لیکن بخاری رحمہ اللہ نے ان دونوں قولوں کو رد کرتے ہوئے کہا کہ نہیں انسان کے اعمال تولے جائیں گے۔ اور امام بخاریؒ نے معتزلہ پر بھی رد کر دیا اس لئے کہ معتزلہ یہ کہتے تھے کہ انسان کے اعمال واقوال یہ کیسے تولے جائیں گے وہ تو اعراض ہیں اعراض جو ہے وہ دو زمانوں میں باقی نہیں رہ سکتے۔ اعراض تو ایسے ہیں کہ کام ختم ہوگیا پھر وہ باقی نہیں رہتا۔ بعض لوگوں نے اس میں تاویل کی تھی کہ اس میں تجسم پیدا ہو جائے گا۔ بعض لوگوں نے کہا تھا کہ وہ صحیفے بن جائیں گے۔ لیکن بخاری رحمہ اللہ نے ان سب اقوال کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ نہیں خود انسان کے اعمال تولے جائیں گے۔ بخاریؒ نے جو یہ بات کہی ہے آج دنیا کی جدید تحقیقات بھی یہی کہتی ہے بلکہ اس زمانے میں اسلام لانا، ایمان لانا زیادہ آسان ہوگیا پہلے کی بنسبت۔ آج دنیا کی تحقیقات یہی ہیں کہ جو ہر مٹ جاتا ہے یہ اجساد مٹ جاتے ہیں۔ میں بھی ایک دن مر جاؤں گا۔ جسم فنا ہو جائے ختم ہو جائے گا لیکن میری جو یہ آواز ہے ہمیشہ برقرار رہے گی یہ برسوں برقرار رہے گی۔ دو ہزار سال کے بعد بھی کوئی آدمی آئے گا تو اس آواز کو کیچ کر سکے گا۔ آپ دیکھتے نہیں کہ بڑے بڑے علماء نے جو تقریریں کی ہیں آپ نے انہیں ٹیپ کر لیا۔ اب وہ علماء جنت کی طرف چلے گئے لیکن اُن کی آوازیں برقرار ہیں۔ آپ مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ کی کیسٹیں سنتے ہیں مولانا غلام اللہ خان صاحب کی کیسٹیں سنتے ہیں وہ تو چلے گئے لیکن

ان کی آوازیں برقرار ہیں۔اس لئے آج دنیا کی تحقیق یہ ہوگئی اور بالکل قرآن وحدیث
کے مطابق اور امام بخاری نے یہی بات کہی کہ انسان کے اعمال خود تولے جائیں گے
بلکہ انسان خود تو مٹ جاتا ہے لیکن اُس کا قول وعمل برقرار ہے۔آپ ویسے بھی دیکھ لیں
اخلاقی طور سے کہ انسان نے جو بھی اخلاق اعمال کئے ہوں گے وہ باقی رہیں گے۔بلکہ
حدیث سے معلوم ہوتا ہے،اذا مات ابن ادم انقطع عمله الا عن ثلثة. من
صدقة جارية اور علم ينتفع به او ولد صالح يدعوله. انسان مرجاتا ہے لیکن
تین چیزیں برقرار رہتی ہیں (۱) صدقہ جاریہ، (۲) وہ علم نافع جس کو وہ چھوڑ کر گیا ہے
اور (۳) اولاد صالح جو اُس کے لئے دعا کرے۔اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا
ہے کہ اگر اولاد صالح دعا بھی نہ کرے پھر بھی اس کا اجر اس کے والدین کو پہنچتا ہے۔

منکرین حدیث کا فتنہ:

آج ہمارے زمانے میں سب سے خطرناک فتنہ انکار حدیث کا ہے۔انکار حدیث
کا فتنہ جو سب سے پہلے پھیلا سر سید نے جوان کا امام ہے اُس نے شروع کروایا اور قصہ
یہ تھا کہ ایک گورنر اُس نے ایک کتاب "لائف آف محمد" (Life of
Muhammad) لکھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر اور اُس نے اس میں
حدیثوں کا انکار کیا تھا کہ یہ حدیثیں ایسی خواہ مخواہ ہیں۔سر سید نے اُس کا جواب دیا
لیکن جواب دیتا تو مردانگی سے دیتا حدیثوں کو مان کر دیتا لیکن اس نے برے سے
حدیثوں کا انکار کردیا کہ حدیثیں غلط ہیں۔ پھر اس کے بعد مولوی چراغ علی
آیا حیدر آباد کا اس نے بھی احادیث کا انکار کیا جو بات سمجھ میں نہیں آئی اس کا انکار کردیا
جیسے کہ ایک مسئلہ ہے حدیث میں آتا ہے ترمذی اور بخاری کی حدیث ہے کہ گرمی اور

سردی جہنم سے ہوتی ہے۔حدیث کی تحقیق تو یہ ہے کہ سردی اور گرمی جہنم کی وجہ سے ہے
جہنم دو سانس لیتی ہے ایک سانس گرم جس سے گرمی پھیل جاتی ہے اور ایک سانس ٹھنڈا
ہے جو کہ زمہریر ہے اس سے سردی پھیل جاتی ہے۔اب حدیث کا انکار کرنے والوں
نے انکار کیا کہ یہ حدیث بالکل مشاہدہ کے خلاف ہے اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ
سردی اور گرمی کا تعلق آفتاب کے قُرب اور بُعد سے ہے جب آفتاب گرمی کے زمانے
میں قریب ہوتا ہے تو گرمی بڑھنے لگتی ہے اور جب سردی کے زمانے میں دور ہوتا ہے تو
سردی بڑھنے لگتی ہے لیکن آپ کو تعجب ہوگا کہ حضرت انور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے
جواب دیا تھا کہ احادیث جو ہے اسباب قریبہ کو بیان کرتی ہے نہ کہ بعیدہ کو۔یہ تو ہم نے
مان لیا کہ سردی اور گرمی آفتاب کی حرارت برودت سے ہے لیکن آفتاب میں گرمی
کہاں سے آئی؟ آج دنیا کے سائنسدان جمع ہیں تحقیق کررہے ہیں کہ آفتاب میں
سردی اور گرمی کہاں سے آئی۔تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بتارہے ہیں وہ جہنم سے آئی
ہے۔اسی لئے حدیث میں آتا ہے قیامت میں یہ چاند اور سورج سب جہنم میں پھینک
دیے جائیں گے۔تو جس چیز سے لوگوں کی عقل عاجز ہوتی ہے تو پیغمبری کی وحی اس کو
بتاتی ہے کہ یہ جہنم سے آتی ہے۔ہم لوگ تو بس اپنے مشاہدات کو بیان کرتے ہیں لیکن
جہاں پر انسانی عقل فیل ہوجاتی ہے وہاں سے پیغمبر کی نبوت شروع ہوتی ہے۔یہ لوگ
سمجھتے نہیں اور انکار کردیتے ہیں اور یہ پرویز جو مشہور منکر حدیث ہے اس نے جو حدیث
کا انکار کیا؟ اس کے زمانے میں جتنی سائنس آچکی تھی اس کے اعتبار سے اس سے
حدیثوں کا انکار کیا۔اتفاق سے اب وہ سائنس فیل ہوگئی اور اب نئی سائنس آرہی
ہے۔تو اب نئی سائنس آنے کے بعد پرویز کو چاہئے کہ اپنی فکر بدلے لیکن قرآن

وحدیث ایسی چیز ہے جو بدلنے والی نہیں ہے۔ یہ سارے لوگ وہ ہیں جو عقل کے پیچھے چلتے ہیں اگرچہ عقل کا شریعت نے بھی بڑا اہتمام کیا ہے بلکہ عقل کو بچانے کے لئے شریعت نے شراب کو حرام کیا مسکرات کو حرام کیا صرف عقل کی حفاظت کے لئے۔ بات لمبی ہو جائے گی۔ علماء نے لکھا ہے شریعت نے جانوں کی حفاظت کے لئے قصاص کا حکم دیا مال کی حفاظت کے لئے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ آبرؤوں کی حفاظت کے لئے حدّ قذف کا حکم دیا۔ عقل کی حفاظت کے لئے شراب کو حرام کیا۔ اسلام نے کتنا بڑا احسان کیا لیکن یہ جج اور وکلاء کہتے ہیں حدیث کو نہ مانو، حدیث کا انکار کرو اور خود مجتہد بنے بیٹھے ہیں ساری دنیا کا اجتہاد کرتے ہیں اور اپنے اردگرد ہالہ بنا رکھا ہے حصار باندھ رکھا ہے توہین عدالت کا، کوئی توہین عدالت نہ کرے باقی یہ خود جس کو جو چاہے کہیں، حدیث کو کہیں، قرآن کو کہیں، ان کو سب حق ہے اور انگریزوں نے بھی یہ قانون اپنی نوآبادیات کے لئے بنایا تھا یعنی انگریز جو آج برطانیہ میں بیٹھے ہوئے ہیں ان کے ہاں کوئی نوآبادیات کا قانون نہیں وہاں سے بڑے بڑے رسالے نکلتے ہیں ججوں پر تنقید ہوتی ہے اور نام لے کر ہوتی ہے کوئی کچھ نہیں کرتا۔ امریکہ میں بڑے بڑے رسالے نکلتے ہیں وہاں پر بھی ججوں کے نام لے کر تنقید ہوتی ہے کوئی کچھ نہیں کرتا۔ انگریز نے جو یہاں نوآبادیات کا قانون بنایا تھا وہی چل رہا ہے یہ وہی لوگ ہیں جو قرآن وحدیث کا انکار کرتے ہیں۔ حدیث وقرآن کا کوئی تحفظ نہیں ہے اس ملک کے اندر۔ خیر یہ لوگ عقل پسند عقل پرست ہیں۔ آج اگر معتزلہ ہوتے اور یہ دیکھتے کہ کس طور سے چیزیں تلتی ہیں آپ کو حیرت ہوگی۔ میں نے دیکھا کہ گنے کی گاڑی ہے گنا بھرا ہوا ہے اس کے اندر۔ اور وہ پوری گاڑی تول لیتے ہیں۔ گاڑی ایک خاص جگہ آتی ہے اس پر ایک

خاص کانٹا لگا ہوتا ہے اس پر پوری گاڑی تول لیتے ہیں۔ ٹرک تول لیتے ہیں تو وزن ہر چیز کا ہوتا ہے دنیا میں۔ خواہ مخواہ معتزلہ عقل کے پیچھے لٹھ لے کر پھرتے تھے انکار کر دیا اتنے بڑے بڑے لوگ تھے آج ہوتے تو کیا کرتے؟

بہرحال ایک قول تھا کہ انسان کے اعمال تلیں گے۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ نہیں صحائف اعمال تلیں گے۔ اور وہ حدیث بطاقہ سے استدلال کرتے تھے حدیث آتی ہے ترمذی، ابن حبان اور حاکم میں بھی کہ ایک آدمی اللہ کے ہاں آئے گا اور وہ آدمی ڈر رہا ہوگا اپنے دل میں کانپ رہا ہوگا کہ میرے گناہوں کے اتنے بڑے بڑے رجسٹر ہیں میرے پاس کوئی ایک نیکی بھی نہیں پھر اس کے بعد ترازو میں اس کے بڑے بڑے رجسٹر رکھے ہوتے ہیں اور دوسرے پلڑے میں صرف ایک بطاقہ ہوگا، ترمذی کی روایت میں الورقۃ آتا ہے، اس میں اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہٗ ورسولہ اور بعض روایات میں کلمہ طیبہ منقول ہے۔ تو بعض روایات سے کلمہ شہادت منقول ہے۔ تو ایک پلڑے میں وہ ٹکڑا رکھ دیا جائے گا حدیث میں آتا ہے الصادق والمصدوق۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ جو بڑے بڑے رجسٹر ہیں وہ اوپر چلے جائیں گے طَارَتِ السِّجِلَّاتُ اور وہ جو دوسرا پلڑا ہے بطاقہ والا وہ نیچے جھک جائے گا۔ باقی سب رجسٹر دفتر بے کار ہو جائیں گے اور وہ جھک جائے گا۔ یہ اللہ کے نام کی برکت ہوگی کہ کلمہ والا پلڑا جھک جائے گا لیکن وہ شہادتیں تب ہے جب اس میں شرک کی آمیزش نہ ہو۔ اگر اس میں شرک ہو گیا، شرک ذاتی ہو گیا یا شرک فی الصفات یا شرک فی الافعال تو یہ شہادتیں بے کار ہیں۔ اسی لئے علماء دیوبند نے قوموں کو شرک سے بچایا ہے۔ لوگ اللہ کو بھی مانتے ہیں کہ وہی سب کچھ ہے لیکن

اللہ کی صفات کے اندر کہتے ہیں فلاں بزرگ سے بھی ہو رہا ہے فلاں پیر سے ہو رہا ہے تو اپنی توحید کی حفاظت کرو، اور رسالت کی بھی ورنہ یہ شہادتیں کام نہیں آئیں گی۔ شہادتیں اس وقت کام آئیں گی جب اس میں خالص توحید ہو۔ تو بخاری نے ان سارے اقوال کو ختم کر کے کہا کہ نہیں بلکہ اعمال واقوال تولے جائیں گے۔ تو ان اعمال بنی ادم وقولھم توزن. سب تولے جائیں گے۔ تو اب بخاریؒ کی عادت یہ ہے کہ ایک حدیث کی مناسبت سے دوسری بات لے آتے ہیں کیونکہ ایک آیت میں ہے وزنوا بالقسطاس المستقیم قرآن کریم میں کئی جگہ حکم دیا گیا کہ تم ترازو پر صحیح تولو۔ آج کل لوگ یہ بھی کرتے ہیں کہ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں وہ دھوکہ دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من غشنا فلیس منا. جو ہم میں سے دھوکہ بازی کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ لوگ ناپ تول میں ڈنڈی مارتے ہیں میٹر بدل لیتے ہیں۔ میٹر بھی ترازو ہے۔ ان سب کو اسلام نے حکم دیا ہو وزنوا بالقسطاس المستقیم کہ تم سیدھے ترازو سے صحیح تولو۔ چونکہ یہاں قسطاس کا لفظ آ گیا تھا اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے مجاہد جو کہ تفسیر کے بڑے امام ہیں مجاہد ابن جبیر تفسیر کے امام ہیں اور عبداللہ بن عباس کے خاص شاگرد۔ ان کا قول نقل کیا کہ قسطاس، بکسر القاف اور بضم القاف دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں اس کے معنی عدل کے آتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ تم سیدھی ترازو کے ساتھ وزن کرو۔ سارے لوگوں کو حکم دیا گیا کہ زندگی کے سارے مراحل اور ناپنا تولنا اور معاملات رکھنے کے اندر انصاف سے کام لو۔ تو امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قسطاس کے معنی عدل کے ہیں یہ رومی زبان کا لفظ ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے کئی

جگہ کہا ہے بالحبشیۃ وبالرّومیۃ. تو اب یہ مسئلہ پیدا ہو گیا کہ کیا قرآن کریم میں غیر عربی الفاظ ہیں؟؟ تو بعض ائمہ جیسے امام شافعی، ابوعبید، قاسم ابن سلام اور بڑے بڑے لوگ یہ انکار کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں کوئی غیر عربی لفظ نہیں ہے اور کہتے ہیں انا انزلنٰہ قرآناً عربیاً. لیکن بعض محققین کہتے ہیں کہ نہیں غیر عربی الفاظ قرآن میں ہیں۔ اصل میں قرآن کریم کا جو اسلوب ہے وہ عربی ہے اور غیر عربی الفاظ اور قرآن کریم میں آ کر عربی بن جاتے ہیں تو۔ اور عربی زبان تو ایسی وسیع زبان ہے اگر بتاؤں تو وقت ختم ہو جائے گا جب اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو اتارنا تھا اس زبان میں تو زبان عربی کی کیسی کیسی حفاظت کی اور قریش کو کیسی کیسی چیزوں پر آمادہ کیا اور قریش نے اس زبان کی حفاظت کی۔ یہ مطلب نہیں کہ قرآن میں بعض الفاظ غیر عربی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ غیر عربی لفظ بھی اگر عربی میں آ جائے تو اس کی ساخت بدل جاتی ہے اسلوب بدل جاتا ہے اس لئے وہ بھی عربی بن جاتا ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری کی ساتویں جلد میں قرآن کریم میں جتنے غیر عربی الفاظ ہیں ان کو نظم کے اندر نقل کیا ہے اس میں بتایا ہے کہ وہ پینسٹھ قسم کے الفاظ ہیں جو قرآن میں غیر عربی ہیں لیکن وہ عربی بن گئے ہیں اپنی ساخت کے اعتبار سے۔ اور سیوطی رحمہ اللہ نے ایک رسالہ لکھا ہے اس میں بھی ان الفاظ کو نقل کیا ہے۔ ان الفاظ کا قرآن کریم کے اندر آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ سب اب مُعَرَّب بن گئے ہیں وَیُقَالُ اَلْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو قِسْطٌ ہے مُقْسِط کے معنی عربی میں جو آتے ہیں منصف کے ہیں۔ اصل میں قصہ یہ ہے کہ یہ لفظ قِسْطٌ جو ہے اضداد میں سے ہے۔ عربی زبان بھی عجیب وسیع زبان ہے اس میں بعض الفاظ

اضداد ہوتے ہیں کہ ایک لفظ کے یہ معنیٰ ہیں اور اس کے ضد بھی ہیں تو قِسْطُ کے معنیٰ انصاف کے بھی ہیں اور ظلم کے بھی ہیں الفاظ اضداد ہوتے ہیں تو قِسْطُ کے معنیٰ انصاف کے بھی ہیں اور ظلم کے بھی ہیں۔ بعض لوگوں نے فرق کیا ہے اور فرق کرنے کے بعد کہا ہے کہ قِسْطُ اگر مجرد سے آئے تو اس کے معنیٰ جَوْر (ظلم) کے ہیں اور اگر باب افعال سے آئے اِقْسَاط تو اس کے معنیٰ عادل کے ہیں تو بعض لفظ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے اندر ضدین کے معنیٰ رکھتے ہیں اور یہ بھی ایسا لفظ ہے تو بخاری فرماتے ہیں اَلْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِط اس پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ قِسْطُ یہ مصدر کہاں ہے؟ بلکہ اس کا مصدر تو اِقْسَاط ہے مُقْسِط کا مصدر تو قِسْطُ نہیں ہے بلکہ اِقْسَاط ہے۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ مصدر المصدر ہے اس لئے کہ اِقْسَاط کا مصدر قِسْطُ ہے اور بخاری کہہ رہے ہیں اشتقاق کبیر کے اعتبار سے اور پھر بخاری نے مُقْسِط کا وہ مصدر لیا جس میں زوائد نہ ہو اس لئے کہہ دیا اَلْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِط اور بعض لوگوں نے بڑی تحقیق کی اور کہا، قِسْطُ کے معنیٰ ہوتے ہیں حصہ۔ اگر اپنا حصہ کسی کو دے دے تو اس کا نام اِقْسَاط ہے اور اگر دوسرے کا حصہ اپنے ساتھ لگا لے تو جور (ظلم) ہے اس لئے اس کے معنیٰ جور کے بھی آتے ہیں اور عدل کے بھی بلکہ لوگوں نے ایک عجیب لطیفہ لکھا ہے بلکہ مولانا زکریا رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے اور قسطلانی نے بھی کہ ایک بڑا مشہور ظالم گزرا ہے آپ لوگوں نے اس کا نام سنا ہوگا حجاج بن یوسف الثقفی ترمذی میں تم نے حدیث بھی پڑھی ہے کہ ایک کذاب پیدا ہوگا وہ مختار ثقفی تھا اور مسلم کے مقدمہ میں اس کے واقعات بھی آپ نے پڑھے یہ بڑا جھوٹا آدمی تھا وہ ایک کرسی لئے پھرتا تھا کہتا تھا کہ

اس پر حضرت علیؓ آکر بیٹھتے ہیں اور وہ یہ کہتا تھا کہ یہ جو بادل گرجتے ہیں یہ حضرت علیؓ کی آواز ہے (یہ شیعوں کا عقیدہ اور شیعہ بھی عجیب قوم ہے) بہر حال مختار ثقفی بڑا جھوٹا تھا بڑا کذاب تھا پھر اس کو بھی مار دیا گیا اور مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ شیعہ لوگ اس کو بھی مانتے ہیں ایک دن میں ایسے ہی اخبار پڑھ رہا تھا کہ اس میں ایک شیعہ انجمن کی طرف سے ایک اعلان تھا اور اس کا نام تھا انجمن شباب المومنین اور اس میں کہا گیا تھا کہ امیر مختار کا جشن منایا جائے گا حالانکہ پیغمبر نے کہا تھا کہ ایک کذاب پیدا ہوگا۔ اور دوسرا شخص جس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ایک ہلاک کرنے والا پیدا ہوگا اور یہ حجاج بن یوسف ثقفی ہے اس نے ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں کو صبراً قتل کیا ہے یعنی میدان جنگ میں نہیں ویسے ہی ہاتھ باندھ کر اور پھر اس کے متعلق یہ ہے کہ جب موت کا وقت آیا تو لوگوں نے کہا کیا خیال ہے تو اس نے لوگوں سے کہا مجھے اب بھی امید ہے اللہ سے۔ اس کا واقعہ ہے اس نے حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کو جو کہ ایک بڑے تابعی ہیں لوگوں نے انہیں سید التابعین کہا ہے، اس نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ کو گرفتار کر کے بلایا اور پوچھا ماذا تقول فیّ. میرے بارے میں کیا کہتے ہو۔ تو حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا انت قاسط عادل. تو لوگ بڑے خوش ہوئے اور جو بیٹھے ہوئے تھے کہنے لگے سعید بن جبیرؒ نے حجاج کی بڑی تعریف کر دی کہہ دیا کہ تو منصف ہے عادل ہے لیکن حجاج بڑا فصیح تھا لغت جانتا تھا اس نے کہا کہ اس نے مجھے بڑا برا کہا ہے اس نے کہا ہے کہ تو ظالم ہے کافر ہے اس نے جو مجھے قاسط کہا تو اما القاسطون فکانوا لجھنم حطباً. اور اس نے جو عادل کہا تو مطلب یہ کہ میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کر رہا ہوں برابر کر رہا ہوں و اما الذین

کفروا بربھم یعدلون۔ تو کہا کہ اس نے مجھے ظالم اور کافر کہہ دیا۔ تو خیر قسطٌ دو معنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے (۱) عدل اور (۲) ظلم کے معنیٰ میں۔

اب اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ باب نقل کر کے اس کو ترجمۃ الباب کہتے ہیں اس کے بعد حدیث لاتے ہیں حدثنا احمد بن الاشکاب اور ہمارے مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ بڑی عجیب بات فرمایا کرتے تھے میں نے خود سُنی جو اس مدرسے کے بانی بھی تھے اور سب کچھ انہوں نے بنایا اللہ تعالیٰ ان کی روح کو بلندی اور رفعتیں نصیب فرما اور ان کی قبر کو انوار سے بھر دے۔ تو مولانا ایک عجیب بات فرماتے تھے۔ وہ میں نے آج رات کو تہذیب التہذیب میں وہی بات دیکھی تھی یہ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی کتاب ہے اس میں جتنے صحاح ستہ کے رواۃ ہیں ان کے حالات ہیں بڑی اچھی کتاب ہے تو مولانا یہ کہا کرتے تھے کہ بخاری نے ایک عجیب نکتہ بیان کیا ہے یعنی بخاری رحمہ اللہ یہ جو حدیث لا رہے ہیں کلمتان حبیبتان یہ حدیث امام بخاری دو جگہ اور لائے ہیں آپ کو بھی یاد ہوگا۔ ایک جگہ کتاب الدعوات میں لائے ہیں اس میں اس حدیث کو زہیر بن حوب سے نقل کیا ہے اور اس حدیث کو کتاب الایمان میں قتیبہ بن سعید سے بھی لاتے ہیں لیکن یہاں پر چونکہ کتاب ختم ہو رہی ہے اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ احمد بن اشکاب سے اس کو افکاب بھی پڑھ سکتے ہیں اور اشکاب بھی۔ حافظؒ نے لکھا ہے بکسر الھمزہ۔ اور یہ منصرف بھی ہے اور غیر منصرف بھی دونوں قول ہیں یہاں بخاریؒ اس حدیث کو احمد بن اشکاب سے لائے ہیں اس کی وجہ خود تہذیب التہذیب میں لکھی ہے کہ بخاریؒ نے خود کہا ہے جس کو حافظؒ نے نقل کیا ہے قال البخاری اخر من لقیتہ فی المصر احمد بن

اشکاب. سب سے آخر میں میری ملاقات احمد بن اشکاب سے ہوئی ہے ۲۱۷ھ میں ایک اور بھی عجیب بات ہے کہ ایک روای ہیں ابن یونس وہ کہتے ہیں کہ احمد بن اشکاب کا انتقال بھی ۲۱۷ھ میں ہوا ہے تو اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب کے اختتام پر اپنے آخری شیخ کی حدیث لائے۔

قال حدثنا محمد بن فضیلؒ۔ یہ بھی بخاری کے استاد ہیں اور یہ بھی بڑے آدمی ہیں ثقات میں سے ہیں ائمہ میں سے ہیں اور یہ محمد بن فضیلؒ روایت کرتے ہیں عن عمارۃ بن القعقاع۔ بضم العین۔ اور یہ روایت کرتے ہیں ابوزرعہ سے۔ اور یہ ابوزرعہ وہ نہیں ہیں جو بخاری کے معاصر ہیں وہ ابوزرعہ رازی ہیں اور ان کا نام ہے عبید اللہ ابن عبدالکریم یہ بھی اپنے زمانہ کا بڑا شیخ تھا اور لوگ جتنے بھی حدیث کی کتابیں لکھتے وہ سب ابوزرعہ کے پاس لے کر جاتے یہاں پر یہ ابوزرعہ مراد نہیں ہے یہاں مراد تابعی ہیں اس کا نام ہے ہَرِم۔ اور یہ اوساط تابعین میں سے ہیں اور ابوزرعہ روایت کرتے ہیں ابوہریرہؓ سے اور ابوہریرہؓ کا نام ہے عبدالرحمٰن ابن صخر۔ اور یہ تم نے کئی دفعہ پڑھ لیا ہوگا کہ صحابہ میں سب سے بڑے حدیث کے حافظ یہی تھے۔ آج منکرین حدیث اس کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن ان کو کیا معلوم صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسا عشق تھا اور کیسا تعلق تھا۔ ابوہریرہؓ نے تین سال کے عرصہ میں ۵۳۷۴ حدیثیں یاد کرلیں اور اس کی وجہ خود بخاری میں دو تین جگہ بتائی ہے۔ ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تھی دوسرا وہ تعلق تھا محبت تھی احادیث سے اس لئے ان کو یاد کر لیا۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں، کلمتان حبیبتان إلی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ اور اس کی

ترکیب تو آپ جانتے ہوں گے یہ کلمتان حبیبتان إلی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان یہ خبر مقدم ہے اور علمائے بلاغت نے یہ بھی لکھا ہے کہ خبر اگر لمبی ہوتی ہے تو اس کو مقدم کر دیتے ہیں تشویق شوق دلانے کے لئے اور یہاں کیسا شوق پیدا ہوتا ہے کلمتان دو کلمے ہیں اور کلمہ سے مراد ہے کلام جیسا کہ ابن عقیل (کتاب کا نام ہے) میں ہے۔ دو کلمے ہیں جو رحمٰن کو بہت پسند ہیں۔ رحمٰن سے مراد یہاں اللہ تعالیٰ ہیں یہاں اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے رحمٰن کو ذکر کیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بعض جگہ کہا ہے، انہ کان غفارًا فرمایا استغفروا ربکم. تو وہاں استغفار کی مناسبت سے غفار لایا گیا۔ اور یہاں چونکہ اُس کی رحمت کا اثر ہے کہ اتنی سی چیز پر اتنا بڑا ثواب ہے اور یہ اس کی رحمت کا اثر ہے اس لئے رحمٰن لایا گیا۔ دو کلمے ہیں جو کہ محبوب ہیں رحمٰن کو، اور وہ زبان پر بڑے آسان ہیں۔ اب شوق پیدا ہو رہا ہے کیا ہیں؟ اور میزان کے اندر بڑے بھاری ہیں یہ شوق پیدا کرنے کے لئے خبر کو مقدم کر دیا اور کہا، کیا ہیں وہ دو لفظ، سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم. تو کبھی کبھی خبر جب لمبی ہوتی ہے تو اسے مقدم کر دیتے ہیں اس کی مثال تم نے مختصر المعانی میں پڑھی ہوگی۔

ثلثۃ تُشرق الدنیا ببھجتھا

شمسُ الضحی وابو اسحٰق والقمر

لیکن قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث زیادہ بلیغ ہے اُس شعر کو لوگ بلیغ کہتے ہیں یہ حدیث تو ابلغ ہے اس لئے کہ اس حدیث میں زیادہ تشویق دلائی گئی ہے بنسبت اس شعر کے۔ علم بدیع میں مقابلہ آتا ہے تو اس حدیث میں بھی خفیف اور ثقیل کا مقابلہ ہے۔ اور اس میں ایک بات یہ بھی ہے کہ یہ نہیں فرمایا حبیبتان للرحمٰن ورنہ

وزن ٹوٹ جاتا بلکہ کہا حبیبتان إلی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان. یہ خفیفتان علی اللسان کو تو صحیح طرح قاری صاحب سمجھ سکتے ہیں میں تو نقل کر دوں گا۔ کہتے ہیں خفیف لسان کا مطلب یہ ہے ان میں حروف لین جمع ہیں اور اس میں حرف شدّت یا استعلاء میں سے کوئی نہیں ہے اس واسطے خفیف ہیں۔ اور یہ میزان عدل کے اندر بہت بھاری ہیں اسی سے ترجمۃ الباب ثابت کیا کہ یہ میزان میں تولے جائیں گے اور یہ میزان کے اندر ثقیل ہوں گے۔ آج ہمارے لوگ وظیفے پوچھتے رہتے ہیں وظیفے بتاؤ حدیث کے وظیفے اگر لوگ پڑھیں تو زیادہ اثر ہوگا۔ میرے شیخ میرے استاد حضرت مولنا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ان کے وظائف میں یہ حدیث بھی داخل ہے، سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم. لوگ وظیفوں کی تلاش میں رہتے ہیں اور غیر اسلامی قسم کے وظیفے پڑھتے ہیں کوئی پڑھتا ہے یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا معہ پتہ نہیں کیا کیا پڑھتے ہیں اس کے بجائے یہ وظیفے جو قرآن وحدیث میں آتے ہیں یہ پڑھیں تو اللہ تعالیٰ آخرت کے اندر بھی ترقی دے گا اور دنیا کے اندر بھی۔ سبحان اللہ. اب سبحان کے بارے میں تو آپ نے سُلّم میں پڑھ لیا ہوگا۔ خود قسطلانی نے بھی اس کے بارے میں بڑے قول نقل کئے ہیں کہ سبحان مصدر ہے اسم مصدر وغیرہ سبحان اللہ کا مطلب ہے کہ بندہ تنزیہ کرتا ہے اپنے رب کی کہ اے رب میں تجھ کو تمام ایسی صفات سے جو تیرے لائق نہیں ہے ان سے پاک کرتا ہوں۔ انسانوں نے بڑی غلطیاں کی ہیں انسان نے جب بھی اللہ تعالیٰ کو اپنی عقل سے سوچا وحی سے قطع نظر کر کے تو اللہ کے لئے عجیب عجیب چیزیں نکالیں کبھی اولاد نکال لی کبھی بیوی نکال لی کبھی بیٹے نکال لئے کبھی اپنی طرح سمجھ لیا کبھی کہا وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔

وغیرہ وغیرہ۔ انسان نے جب بھی عقل سے سوچا انبیاء کی تعلیمات سے قطع نظر کر کے
اللہ کے بارے میں تو اللہ کے بارے میں عجیب عجیب نظریے پیدا ہوئے اس لئے
مسلمانوں سے کہا گیا تم ان ساری غلط صفات سے اللہ کو تنزیہ کرو کہ اللہ ان سب عیوب
سے پاک ہے۔ سبحان اللہ کے اندر تنزیہ آگئی اور بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی
دو صفات ہیں ایک صفاتِ جلال ہیں اور ایک صفات اکرام۔ تبارک اسم ربک
ذوالجلال والاکرام. تو مطلب یہ ہے کہ یہاں پر بھی دونوں صفات کو جمع کیا ہے
ایک صفات تنزیہیہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کو پاک کرتے ہیں ان چیزوں سے جو اللہ ان کے
لائق نہیں ہیں اور پھر تمام تعریفات اللہ کے لئے ثابت کرتے ہیں اس طرح سبحان اللہ
میں تخلیہ ہے اور بحمدہ کے اندر تحلیہ ہے۔ جیسا کہ پہلے نفی ہوتی ہے پھر اثبات۔ لا الٰہ الا
اللہ میں بھی ایسے ہی ہے پہلے نفی ہے پھر اثبات۔ اسی طرح سبحان اللہ میں اللہ تعالیٰ کو
ایسی تمام صفات سے منزہ کیا جن کا وہ اہل نہیں ہے اور پھر بحمدہ کے اندر اللہ تعالیٰ کے
لئے تمام صفات مجیدہ اور صفات عظیمہ کو ثابت کیا۔ آگے جا کر کہا، سبحان اللہ
العظیم. اور جب اللہ تعالیٰ تمام صفات ناقصہ سے پاک ہو گیا اور صفات حمیدہ اس
میں جمع ہو گئیں تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا، سبحان اللہ العظیم. یہاں قسطلانی رحمہ اللہ
نے عجیب بات کہی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں ایک عجیب بات کہی کہ بخاریؒ
نے سبحان اللہ وبحمدہ کے اندر خوف اور رجاء دونوں کو جمع کر دیا۔ سبحان اللہ وبحمدہ کے
اندر رجاء ہے اور یہ ہمیں ایمان رکھنا چاہیئے کہ ہمارا ایمان رجاء اور خوف کے درمیان
ہونا چاہیئے آپ کو ایک حدیث یاد دلاؤں حدیث میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
ایک شخص کے پاس تشریف لے گئے اور وہ دنیا سے جا رہا تھا (یعنی انتقال ہونے والا

تھا)۔ ہم بھی مر جائیں گے سب مر جائیں گے لیکن انسان غافل اور بھولا ہوا ہے۔ تو وہ
دنیا سے جا رہے تھے نوجوان تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کیف
تجدک؟ اس وقت اپنے اندر کیا محسوس کرتے ہو؟ حضور نے ان کا امتحان لیا۔
انہوں نے کہا، ارجوا اللہ واخاف ذنوبی. کہ مجھے اللہ سے بڑی امید ہے لیکن میں
اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دو چیزیں ایسی
ہیں جس میں یہ جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی رجاء دیتا ہے اس کو اس کے خوف
سے بچاتا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ زندگی کے اندر انسان جب تک
جوان رہے تو خوف غالب رہے اور جب مرنے کا وقت آئے تو رجاء غالب آئے۔
اس لئے قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں بخاریؒ نے دونوں کو جمع کر دیا پہلا جملہ
رجاء کا ہے سبحان اللہ وبحمدہ اور اس کے ساتھ اُس کے سارے محامد بھی ہیں ساری
تعریفیں بھی ہیں۔ اور سبحان اللہ العظیم کے اندر خوف ہے کہ وہ عظمت والا ہے۔ اس
لئے خوف ہونا چاہیئے کہ وہ عظمت والا ہے۔ پھر بخاری رحمہ اللہ نے عجیب کمال کیا
ہے کہ اپنی کتاب شروع کی ہے انما الاعمال بالنیات سے جس کا مطلب ہے
اخلاص۔ اور تمام صوفیاء اور بزرگ بتاتے ہیں کہ تصوف کی بنیاد ہی اخلاص ہے۔
جن جن لوگوں نے اخلاص سے کام کیا ان کے کاموں کو اللہ نے بڑھایا۔ مولانا محمد
قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا آج دارالعلوم دیوبند بھی باقی ہے
اور اس کی برکت سے آج کتنے مدارس پیدا ہو گئے۔ اسی طرح سے اخلاص سے کیا
ہوا کام قیامت تک باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص عطاء فرمائے، آمین۔

(اس کے بعد دعا کروا دی)

والدہ محترمہ کے ساتھ حسن سلوک

والدین اولاد کے لئے ایک بہت بڑی نعمت ہیں ان کے ساتھ صلہ رحمی اور خدمت کرنے کا حکم شریعت نے دیا یہاں تک کہ فرمایا کہ والدین اولاد کے لئے جنت یا جہنم کا دروازہ ہیں ان کی خدمت کر کے جنت کا دروازہ کھلوالے یا ان کو ناراض کر کے جہنم کا دروازہ کھلوالے۔ نیز ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا گیا کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے بوڑھے والدین میں سے کوئی ایک زندہ ہو اور پھر وہ ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہو سکے۔

بہرحال والدین کی خدمت ہر اولاد کے لئے ایک بے بہا نعمت اور سعادت ہے۔ جہاں حضرت مفتی صاحب کے حصہ میں بہت سی سعادتیں مقدر تھیں وہاں والدہ محترمہ کی خدمت کرنے کی بھی سعادت نصیب ہوئی۔ اس ضمن میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ فرماتے ہیں۔

جناب مفتی صاحب کا ایک لائق رشک امتیازی وصف برّ والدین تھا یہ ناکارہ جب کراچی آیا تو مفتی صاحب یہاں کے صدر مفتی اور شیخ الحدیث تھے اس کے باوجود والدہ ماجدہ کے ساتھ حسن سلوک کا یہ عالم تھا کہ اپنا پورا مشاہرہ والدہ ماجدہ کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے اور وہ اپنے اس جلیل القدر فرزند کو چار آنے یومیہ پان کے لئے عطاء فرماتی تھیں ضعیف العمر والدہ کے ساتھ مفتی صاحب کا یہ حسن سلوک اس دور میں غالباً عدیم النظیر تھا جو نہایت تواضع اور ادب مع الاکابر سے ناشی ہے۔ (۱)

---

(۱) ماہنامہ بینات ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ

آخری ایام

حضرت مفتی صاحب کو ابتداء میں فالج کا اثر ہوا پھر مرض آہستہ آہستہ بڑھتا ہی گیا قویٰ پر ضعف غالب آ گیا۔ اور پھر ایک وقت یہ آیا کہ گویائی بھی ختم ہو گئی۔ مگر ان ایام میں نہایت صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا جو بڑے بڑے ہمت والے لوگ بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ اسی بیماری کے ایک دن انتہائی ضعف میں بیت الخلاء جاتے وقت اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے اور گر جانے سے ایک ہاتھ ٹوٹ گیا اور دوسری جگہ پر کچھ زخم آئے کسی نے کچھ غم کا اظہار کیا تو فرمانے لگے اللہ کا بڑا شکر ہے۔ کہ اس نے ہمیشہ صحت میں رکھا آرام سے پوری زندگی گزاری اور دین کے کام کرنے کا موقع دیا اور اللہ کی طرف سے یہ انعام ہوا۔ اللہ کے انعامات کو مزید شمار فرمایا اور پھر فرمایا کہ اگر آج ہاتھ ٹوٹ گیا تو اس میں بھی میں راضی ہوں۔ اللہ جس حال میں رکھے بندے کو راضی رہنا چاہیے۔

اس بیماری کے شروع ایام میں تو کچھ دنوں حضرت مفتی صاحب ہسپتال میں رہے۔ مگر پھر بعد میں گھر میں ہی محدود ہو گئے ان ایام میں کبھی کچھ طبیعت میں افاقہ آ جاتا اور کبھی طبیعت خراب ہو جاتی مگر ایسا نہیں ہو سکا کہ آپ دوبارہ عملی زندگی میں آ سکیں۔

اس بیماری کے بارے میں مفتی عبدالسلام مدظلہ فرماتے ہیں،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلند سے بلند درجہ دینے کا ارادہ فرمایا اور مرض فالج کے ذریعہ اس درجہ تک پہنچانے کے لئے آپ کو بیماری میں مبتلا رکھا۔ وقت موعود آنے پر آپ کو صاف ستھرا اور پاک کر کے اپنے پاس بلا لیا۔ بقول شاعر ؎

تمہاری یاد آتے ہی نکل پڑتے ہیں آنکھوں سے
یہ وہ برسات ہے جس کا کوئی موسم نہیں ہوتا

وفات

۲ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ بمطابق ۳ فروری ۱۹۹۵ء جمعہ کے شب سحری کے وقت جب کہ ساڑھے پانچ بجے رہے تھے یہ فقیہ النفس، فقیہ العصر، استاد العلماء، محدث جلیل، شیخ الحدیث، مفتی اعظم پاکستان پورے ہی عالم کو سوگوار چھوڑ کر داغ مفارقت دے گئے۔ "انا للہ و انا الیہ راجعون"

بقول شاعر ؎

شق ہے ان کے غم سے دل ہر آنکھ غم سے اشکبار
ان کی رحلت سے ہوا ہے سارا عالم سوگوار

غسل اور تکفین وتجہیز کا انتظام:

جس دن حضرت فقیہ العصر استاذ العلماء ولی کامل کا انتقال ہوتا تھا۔ اس سے ایک دن پہلے ہی یکم رمضان اور ۲ فروری ۱۹۹۵ء کو آپ کو ہسپتال سے گھر لے آیا گیا اور پھر دو رمضان جمعہ کے دن صبح سحر کے وقت تقریباً ساڑھے پانچ بجے آپ نے ہمیشہ کے لئے آنکھ بند کر لی اور تمام تکالیف سے راحت پالی اور روح پاک روح و ریحان و جنت نعیم کی بہار دیکھنے کے لئے اہل علم کو یتیم وبیکس چھوڑ کر آپ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ انا للہ وانا علیہ راجعون۔

چراغ بجھا ہے یقین نہیں آتا
یہ سانحہ بھی ہوا ہے یقین نہیں آتا

علم کا موج مارنے والا سمندر کی آج سطح ٹھہر گئی۔ جس سے عوام اور علماء سب فائدہ اٹھاتے رہے، آج وہ خاموش ہے۔ حافظ ابن قیمؒ کے بقول جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا انتقال ہوا تو ان کے ایک شاگرد نے یہ کہا کہ ھکذا یذھب العلم. کہ اسی طرح دنیا سے علم اٹھ جائے گا۔

غسل:

غسل دینے کی سعادت ان کے شاگرد خاص مفتی عبدالسلام چاٹگامی اور حضرت مفتی صاحب کے خادم خاص مولانا نورالرحمٰن اور حافظ عبدالقیوم نعمانی وغیرہ نے مل کر سنت کے مطابق دیا جس غسل میں آپ ﷺ کی ایک ایک سنت کا لحاظ رکھا گیا۔ مولانا اقبال اللہ اور مولانا تاج الملک صاحب غسل دینے والوں کی معاونت کر رہے تھے۔

نماز جنازہ:

جیسے ہی آپ کے وصال اور سانحہ ارتحال ہوا تو یہ خبر آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی جس نے ایمان والوں کے دلوں کو اضطراب اور ہیجان میں ڈال دیا لوگوں کا سیلاب جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی طرف امڈ آیا اور جنازہ میں لوگوں کی شرکت بھی اہل حق ہونے کی نشانی میں سے ہے جیسے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا۔ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ اَهْلُ بِدَعٍ يَوْمَ الْجَنَائِز.

"اہل بدعت اور ہمارے درمیان فیصلہ کا دن جنازہ کا دن ہوگا۔"

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ہمیشہ اللہ والوں کے جنازے میں لوگوں کے دل متوجہ ہو جاتے ہیں جیسے امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ابن تیمیہؒ، حضرت

ابن جوزیؒ، زمانہ قریب میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، ۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت العصر محمد یوسف بنوری، سابق مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ شہید، وغیرہ وغیرہ، امام احمد کے قول کے مطابق اہل حق کے جنازے کی نشانی یہ ہوتی ہے۔

تو جہاں پر ان مذکورہ حضرات کے جنازے اور اس میں شرکت کرنے والوں کا جب دنیا ذکر کرے گی اس کے ساتھ ساتھ حضرت فقیہ العصر مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی صاحب ٹونکی صاحب کا بھی جنازے کا ذکر ہوگا حضرت مفتی صاحب کے جنازے کے تذکرے کے بغیر تاریخ اپنے آپ کو ادھورا ہی تصور کرے گی۔

تدفین:

تدفین کے بارے میں تمام لوگوں کا فیصلہ یہی ہوا کہ آپ کو دارالعلوم کورنگی کے مبارک قبرستان میں دفن کیا جائے کیونکہ آپ کے پرانے تعلقات مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیعؒ صاحب سے رہے اور مولانا رفیع عثمانی مدظلہ اور حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ کو آپ کے شاگرد ہونے کی نسبت بھی حاصل ہے اور آپ نے اپنی عملی زندگی کا سفر بھی اسی دارالعلوم سے کیا تھا اگرچہ وہ موجودہ دارالعلوم اس وقت نانک واڑہ میں تھا۔

بہر حال جنازہ پہلے پٹیل پاڑہ کے گھر سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری لایا گیا جہاں پر پہلے سے ہزار ہا علماء مخلصین معتقدین اور عامۃ الناس انتظار میں تھے وہ سب اس عظیم محدث اور ولی کامل کے جنازہ پڑھنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے تھے۔

بہر حال جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں نماز جنازہ مولانا عبدالرشید نعمانی(۱) نے پڑھائی۔ اس کے بعد جنازہ کو دارالعلوم کورنگی لے جایا گیا اور.

---

(۱) مولانا عبدالرشید نعمانی کے مختصر حالات

اب نہ دنیا میں آئیں گے یہ لوگ
کہیں ڈھونڈے نہ پائیں گے یہ لوگ

ولادت: ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۹ ستمبر ۱۹۱۵ء کو ہوئی۔ پرورش اور تربیت خالہ کے یہاں ہوئی کہ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی اس لئے انہوں نے بچپن سے ہی اپنی آغوش تربیت میں لے لیا۔

تعلیم: چار سال، چار ماہ، چار دن کے جب ہوئے تو عم بزرگوار حافظ عبدالکریم نے بڑی دھوم دھام سے کروائی اور انہوں نے ناظرہ قرآن اور مولوی اسماعیل میرٹھی کی اردو کی چوتھی کتاب تک پڑھی اور خوش خطی بھی ان کے پاس ہی سیکھی۔

ابتدائی فارسی کے چند اسباق والد صاحب سے پڑھے پھر اس کے بعد تعلیم کے لئے جے پور میں محلہ بساطیاں کی مسجد میں مدرسہ انوار محمدی میں داخلہ لیا اور وہاں پر گلزار دبستان، کریما مولانا حمی سے پڑھی۔ پھر ۸، ۹ سال کی عمر میں بیرون اجمیری دروازہ مدرسہ تعلیم الاسلام میں جو حضرت منشی ہدایت علی خان نقشبندی کا تھا منشی فاضل پنجاب کا امتحان دینے کی غرض سے داخل ہوئے مگر استعداد اتنی زیادہ تھی کہ اساتذہ نے مزید اہم کتابیں پڑھائیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ منشی فاضل کے ایک پرچے میں ناکام ہوئے اور پھر ۱۹۲۷ء میں میزان منشعب پڑھنا شروع کی اور ساتھ میں منشی کا امتحان بھی دیا جس میں کامیابی حاصل ہوئی۔

اور پھر مدرسہ تعلیم الاسلام جے پور میں ہی رہ کر کئی کتابیں پڑھیں اور وہاں پر مولانا قدیر بخش صاحب سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا۔

اسی دوران مولوی، مولوی عالم اور مولوی فاضل، منشی فاضل کے امتحانات بھی پنجاب سے دیتے رہے۔ اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حضرت شیخ الحدیث علامہ حیدر حسن خان ٹونکی سے بخاری، ترمذی اور مقدمہ مسلم پڑھیں۔

۱۹۳۵ء میں دارالعلوم ندوہ سے فراغت حاصل ہوئی اور پھر ۱۹۳۸ء میں علامہ محمود حسن ٹونکی جو مولانا حیدر حسن صاحب کے بڑے بھائی تھے ان کے پاس چار سال رہے جب کہ وہ معجم المصنفین کی تصنیف میں

حاشیہ:

مشغول تھے (جو ساٹھ جلدوں میں انہوں نے لکھی تھی)۔

تدریس: پاکستان بننے کے بعد پاکستان تشریف لے آئے اور اس وقت کے مشہور مدرسہ ٹنڈو الہ یار میں دو سال تدریس کی۔ اور پھر ۱۹۵۵ء میں علامہ بنوری ٹاؤن تشریف لے آئے اور یہاں پر بخاری کے علاوہ تمام کتب پڑھائیں۔ سن ۱۹۶۳ء سے اور پھر آپ نے جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں علمی خدمات انجام دیں اور پھر آپ علامہ بنوری ٹاؤن تشریف لے آئے اور شعبہ تخصص فی الحدیث کے نگران مقرر ہوئے۔ اور آخر میں چند سال مدرسہ عائشہ للبنات میں بخاری شریف بھی پڑھائی۔

تصنیفات: حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی نے کئی تحقیقی کتابیں بھی لکھیں جو اپنی مثال آپ ہیں جن کی فہرست طویل ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) لغات القرآن (اردو) چار جلدوں میں ہے۔

(۲) امام ابن ماجہ اور علم حدیث (اردو)

(۳) ما تمس الیہ الحاجہ لمن یطالع سنن ابن ماجہ (عربی)

(۴) التعلیقات علی ذب ذبابات الدراسات (عربی) دو جلدیں

(۵) التعلیق القویم علی مقدمہ کتاب التعلیم

فن رجال جو حدیث کے راویں کے حالات کا علم ہوتا ہے اس کے اندر آپ کی نظیر کوئی نہیں رکھتا تھا۔

فقہ حنفیت کے ساتھ آپ کا تعلق محبت کا نہیں بلکہ عشق کا تھا۔ امام ابوحنیفہ کے عاشق اور ان کے مسلک کے داعی تھے۔

وفات: دیکھنے والوں کا کہنا یہ ہے کہ انتقال کے بعد آپ کا چہرہ نہایت خوبصورت ہو گیا جس نے دیکھا وہ دیکھتا ہی رہ گیا۔

یہ محقق وقت جمعرات ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۲؍۱ اگست ۱۹۹۹ء صبح دس بج کر پندرہ منٹ پر اس دار فانی سے رخصت ہو کر دار باقی تشریف لے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

علم حدیث پاک کا دیوانہ چل بسا   جس کا ہر اک سخن تھا حکیمانہ چل بسا

کیونکہ حضرت مفتی ولی حسن صاحب کے بڑے صاحبزادے نے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی تھی اس لئے دوبارہ دارالعلوم میں جنازے کی نماز ادا ہوئی جو حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب [1] نے پڑھائی جس میں دارالعلوم کے اساتذہ وطلباء کے علاوہ دیگر

(۱) مفتی رفیع عثمانی دامت برکاتہم

نام: محمد رفیع۔ والد کا نام: حضرت مولانا مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع۔ یہ نام حضرت حکیم الامت محمد اشرف علی تھانوی نے رکھا۔

ولادت: شب جمعہ ۲۱ یا ۳ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ دیوبند ضلع سہارنپور (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔

تحصیل علوم: قاعدہ بغدادی پانچ سال کی عمر میں اپنے والد محترم سے شروع کیا پھر دارالعلوم دیوبند کے شعبہ حفظ میں داخل ہوئے مگر ابھی ۱۵ ہی پارے ہوئے تھے کہ پاکستان آنا پڑا۔ کراچی میں ختم قرآن ہوا۔ اس پر دعا مفتی اعظم فلسطین شہید امین الحسینی نے کروائی۔ اور پھر درس نظامی کی کتابیں پڑھنا شروع کیں۔ اور پھر ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۵۹ء میں دارالعلوم کورنگی سے فارغ ہوئے۔

پھر ۱۹۵۸ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان دیا۔

اساتذہ: آپ کے اساتذہ میں سے مفتی ولی حسن ٹونکی، حضرت مولانا سبحان محمودؒ، حضرت مولانا رشید احمد لدھیانویؒ مولانا سلیم اللہ خان، مولانا اکبر علی سہارنپوری، مولانا شمس الحق شامل ہیں۔

۱۳۹۳ھ میں آپ کو نائب مفتی کا عہدہ بھی دے دیا گیا۔

۱۳۹۵ھ میں آپ نائب صدر بھی نامزد کر دیے گئے۔ پھر والد محترم کے وصال کے بعد سے دارالعلوم کورنگی کے (صدر) مہتمم مقرر کیے گئے اور ابھی تک وہ اس عہدے پر برقرار ہیں۔ اس وقت آپ کا شمار پاکستان کے صف اول کے علماء میں ہوتا ہے۔ اللہ نے آپ کو بے شمار خصوصیات اور کمالات عطا فرمائے ہیں اور اس وقت بھی دینی وعلمی خدمات میں مشغول ہیں۔

تصانیف: مشغولیت کے ساتھ ساتھ آپ نے متعدد کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں مثلاً: علامات قیامت اور نزول مسیح، احکام زکوٰۃ، یہ تیرے پُر اسرار بندے، رفیق حج، جناب مفتی اعظم، فقہ میں اجماع کا مقام، کتابت خدمت عہد رسالت وعہد صحابہ میں، وغیرہ۔

مدارس کے علماء اور وہ لوگ جو پہلے بنوری ٹاؤن جنازے میں شرکت نہیں کر سکے تھے ان سب نے مفتی رفیع عثمانی مدظلہ کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی۔

اور پھر جنازہ پڑھنے کے بعد دار العلوم کورنگی کے احاطہ میں جدید قبرستان کے اندر ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں حضرت مفتی صاحب کو پردہ خاک کر دیا گیا اور ہمیشہ کے لئے حضرت مفتی صاحب عالم اسلام کو آسودہ کر گئے۔

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے

اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

آج شیخ الہند کی وہ بات صادق آرہی تھی جو انہوں نے اپنے استاد حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی تدفین کے وقت فرمائی تھی،۔

مٹی میں کیا سمجھ کے دفن کرتے ہو دوستو

یہ خزینہ علم ہے خزینہ زر نہیں ہے

کل شیء ھالک الا وجھہ لہ الحکم والیہ ترجعون اللھم اغفرلہ وارحمہ اللھم اجعل قبرہ روضۃ من ریاض الجنۃ۔

اہل عالم آج کیوں چھوٹے بڑے ہیں اشکبار

مرشد کامل ولی رہنما جاتا ہے آج

اور جس طرح جب تابع جلیل حضرت سعید بن جبیرؒ کو حجاج بن یوسف نے شہید کروایا تو اس زمانے کے ایک شیخ نے کہا، لقد مات سعید بن جبیر وما علی ظھر الارض احد الا وھو محتاج الی علمہ ۔ کہ آج سعید بن جبیرؒ کا انتقال ہوا آج

روئے زمین میں کوئی بھی ایسا آپ نہیں ہے جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو۔ یہی جملہ حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن کے انتقال کے وقت اہل علم کے زبان پر تھا۔

انتقال کے بعد

تمام عمر رلاتی رہے گی یاد اس کی

کچھ اس طرح وہ ہمیں بے قرار کر گیا

انتقال کے بعد بہت سے لوگوں نے بہت اچھے اچھے خوابات دیکھے۔ یہاں صرف آپ کے شاگرد خاص مفتی عبدالسلام چاٹگامی کے تین خوابات کو تحریر کیا جاتا ہے۔

پہلا خواب:

انتقال کے ٹھیک ایک ماہ گزرنے کے بعد ۲ رشوال کو راقم الحروف نے بنگلہ دیش سفر کے موقعہ پر خواب میں دیکھا کہ آپ دارالافتاء میں تشریف لائے ہیں اور دارالافتاء کے بیچ میں بیٹھے ہیں، کچھ لوگ مسائل پوچھنے آئے ہیں، آپ مسائل کے جوابات دے رہے ہیں راقم اپنی نشست پر بیٹھا بغور آپ کو دیکھ رہا ہے تعجب ہوا کہ آپ تو بیمار تھے اور وفات بھی پا چکے ہیں۔ یہ بات آپ سے کیسے پوچھوں؟ سمجھ میں نہیں آرہا، جو لوگ مسائل پوچھنے آئے ہیں انھوں نے تحریری جواب کی درخواست کی تو آپ نے انھیں راقم الحروف کے حوالہ کیا، اس دوران اس ناکارہ نے ہمت کر کے پوچھا کہ حضرت آپ تو بیمار تھے اور دنیا سے چلے گئے تھے پھر یہاں کیسے تشریف لائے ہیں آپ نے فرمایا ہاں بھائی وہ ایک امتحان تھا الحمدللہ ہو گیا بس آپ ہشاش بشاش نظر آرہے تھے۔ یہ خواب آپ کے اچھے حال پر ہونے کی دلیل بھی ہے اور اس طرف

بھی اشارہ ہے کہ آپ کے علمی وروحانی فیوض تاحال جاری وساری ہیں۔ بقول شاعر ؎

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

دوسرا خواب:

۲۲ر ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ کو دیکھا کہ آپ دارالافتاء میں تشریف لائے سفید لباس میں تھے جو دھلے ہوئے اور صاف ستھرے تھے، اپنی نشست میں تشریف فرما ہوئے اور مجھ سے (مفتی عبدالسلام سے) مخاطب ہو کر فرمایا ایک مضمون لکھنا ہے، اس کے لئے کتابیں چاہئیں، میں نے عرض کیا آپ لکھ کر کے دیں کونسی کونسی کتابوں کی ضرورت ہے؟ بندہ لا کر دے گا۔ آپ نے ایک پرچی میں چند کتابوں کا نام لکھ کر مجھے دئے، میں نے پرچی میں دیکھا کہ اس میں فتح القدیر، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف اور کچھ کتابوں کے نام بھی تھے، پڑھ نہ سکا، صرف تین کتابوں کے نام پڑھ سکا۔ اسی خواب میں دیکھا کہ ایک طالب نے دارالافتاء کے بیچ میں پانی گرایا پھر اس کو خشک کیا اور جب قالین کو خشک کرنے سے فارغ ہوا تو دیکھا تو مفتی صاحب جارہے ہیں، پھر میں بیدار ہوگیا۔

تیسرا خواب:

۲ر محرم الحرام ۱۴۱۶ھ کو دیکھا کہ آپ ترمذی شریف کا درس دے کر دارالافتاء تشریف لائے۔ پاؤں پھیلا کر بیٹھ گئے میں آپ کے سامنے بیٹھا، آپ نے اپنے پاؤں کو سمیٹ لیا اور مصافحہ کیا اور فرمایا اپنا کام کرو میں تھکا ہوا ہوں، میں نے پاؤں دبا دینے کا عرض کیا وہ اشارہ سے منع فرمایا پھر خواب سے بیدار ہوگیا۔ ان تمام خوابوں کے نتیجے میں بندہ نے یہ سمجھا کہ آپ کا فیض وعرفان اب بھی جاری ہے۔ اس وقت

سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں علماء وفضلاء اطراف عالم میں بکھرے ہیں جو ہر وقت گرانقدر خدمات انجام دے رہے ہیں جو حضرت مفتی صاحب کا صدقہ جاریہ فیضان ہے۔ بقول شاعر ؎

چاہا خدا نے تری محفل کا رہے چراغ
یونہی جلا کرے گا بجھایا نہ جائے گا

اولاد

حضرت مفتی صاحب کو اللہ نے چھ صاحبزادوں اور دو صاحبزادیوں سے نوازا تھا۔ چھ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

(۱) ڈاکٹر محمود حسن عباسی شہید، جامشورو۔
(۲) ڈاکٹر مسعود حسن، ساؤتھ افریقہ۔
(۳) ڈاکٹر حماد حسن، ڈاؤ میڈیکل کالج۔
(۴) حضرت مولانا سجاد حسن صاحب، بنوری ٹاؤن، جامعہ ابوحنیفہ ٹیپو سلطان، جامعہ امداد العلوم، جامعہ بنوریہ۔ آج کل امداد العلوم پاپوش میں شیخ الحدیث ہیں۔
(۵) جناب جواد حسن، MCS, Karachi University, DJ College, Binoria Town.
(۶) جناب فیاض حسن، Inter.

صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں:

(۱) سب سے چھوٹی Inter (Private).
(۲) حافظہ، M.A Islamiat (Private)، اقراء کالج ضیاء الدین کی پرنسپل۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹونکیؒ
ایک نظر میں

نام: ولی حسن بن مفتی انوار الحسن خان
لقب: مفتی اعظم پاکستان، فقیہ العصر۔
تاریخ ولادت: 1924
مقام پیدائش: ٹونک (انڈیا)
آپ ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے آپ کے والد، دادا، پردادا سب ہی عالم دین تھے۔
ابتدائی تعلیم: والد صاحب سے اور پھر ندوۃ العلماء میں چار سال پڑھا۔
۱۳۶۰ھ مظاہر العلوم سہارن پور میں داخلہ لیا۔
۱۳۶۲ھ دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دو سال پڑھنے کے بعد فراغت حاصل کی۔
نکاح: ۱۹۵۱ میں ہوا۔
۱۹۵۱ء میٹروپولیس ہائی اسکول میں پڑھایا۔
۱۹۵۲ء مدرسہ امداد العلوم میں تدریس کی۔
۱۹۵۱ء نانک واڑہ میں تدریس کی۔
۱۹۵۶ء جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں تدریس شروع کی۔
۱۹۷۷ء بخاری شریف کا درس دینا شروع کیا۔
۱۹۸۱ء میں شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ سے بیعت ہوئے۔
۱۹۸۳ء میں مساجد کے بارے میں تاریخی فتویٰ دیا۔
۱۹۸۴ء مفتی اعظم پاکستان کا لقب ملا۔
۱۹۸۹ء فالج کا حملہ ہوا۔
وفات: ۳ فروری ۱۹۹۵ مطابق ۲ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ۔
تدفین: قبرستان دار العلوم کورنگی۔

منظوم خراج عقیدت

حضرت مولانا مفتی رضاء الحق دامت برکاتہم
استاد الحدیث و مفتی دار العلوم زکریا جنوبی افریقہ کا اظہار تعزیت

قصيدة في رثاء الشفيع مولانا المفتي ولي حسن التونكي الكراتشوي رحمه الله تعالى

رزية نزلت فالقلب بكاء — بلية في بلايا العصر عمياء
"ایک بہت بڑا حادثہ پیش آیا جس نے دل کو رلایا، یہ زمانے کی مصیبتوں میں ایک اندھی مصیبت ہے۔"

ملمة زلزلت اقدام ساهرة — فجيعة وقعت فالعين عبراء
"اس حادثۂ فاجعہ نے زمین کے پاؤں کو متزلزل کر دیا، اس دردناک واقعہ کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔"

مات الولي فتبكي اليوم جامعة — تزلزلت من وفاة الشيخ غبراء
"حضرت مفتی ولی حسن وفات پا گئے آج جامعہ بنوری ٹاؤن بکا میں ڈوبا ہے حضرت کی وفات سے زمین والوں پر زلزلہ طاری ہوا۔"

خطب الم باهل العلم قاطبة — فالارض والبحر والاطواد حسراء
"یہ سانحہ عظیم تمام اہل علم پر قیامت بن کر گرا، اسی لئے زمین، سمندر، پہاڑ سب افسوس میں ڈوبے ہوئے ہیں۔"

ونكبة من رزايا الدهر قارعة   فالعين حقا من الاشجان عشواء

''مصائب دھر میں سے ایک مہلک مصیبت آپڑی، اس لئے آنکھیں وپریشانی کی وجہ سے تاریکی میں ڈوبی ہوئی ہیں۔''

ارثی ولا صبر مولانا ولی حسنا   وكان كالنور فی الفيضان داماء

''میں حضرت مفتی ولی حسن کا مرثیہ ایسے وقت میں لکھ رہا ہوں کہ صبر رخت سفر باندھ چکا، وہ ہمارے لئے مینارہ اور علوم دینیہ میں مثل سمندر تھے۔''

قدمات احمد رحمٰن فافجعنا   مصيبة هذه من بعد دهياء

''آپ سے پہلے مفتی احمد الرحمٰنؒ ہم کو غمزدہ کر کے اللہ کو پیارے ہوگئے، یہ اس مصیبت کے بعد ایک گہری اور بھیانک مصیبت ہے۔''

سر الزمان اناسا مرتويه به   والان يكون حزنا جاء ضراء

''زمانے نے لوگوں کو ان کی حیات سے مسرور کیا کیونکہ لوگ ان کی ذات سے سیراب ہوتے رہے اب ان کی وفات سے مصیبت زدہ اور مبتلائے غم ہیں۔''

صارت قلوب رجال العلماء كبد   كان روضة ورد العلم بيداء

''اہل علم کے دل ان کی وفات سے مصیبت و درد میں مبتلا ہیں علم کے گلاب کا باغ بے آب وگیاہ صحران بن گیا۔''

افاد علما و درسا لا نظير له   دروسه فی علوم الشرع علياء

''آپ بہت انوکھے انداز سے علوم کے موتیوں کو بکھیرتے رہے، علوم دینیہ میں ان کی تدریس بلندیوں کو چھو رہی تھی۔''

طريقه عند اهل الفهم مبتكر   طريقة فی وعاء الدهر غراء

''ان کا طرز تعلیم طلبہ کرام کے لئے البیلا تھا اس تاریک زمانے میں ان کا طریقہ چمکدار اور روشن تھا۔''

فضوء فتوه فی الارضين منتشر   تنورت من بدور الفهم صحراء

''ان کے فتاوٰی کی ضیا پاشیوں سے زمین کا گوشہ گوشہ منورہ ہے ان کے علم کے بدر کامل سے صحراء و بیابان جگمگا اٹھے۔''

مشائخ العلم احباب لحضرته   اعداء ملتنا للشيخ اعداء

''مشائخ کرام سے حضرت مرحوم کے دوستانہ تعلقات تھے مگر ملت اسلامیہ کے غداروں کو گوارہ نہیں کر سکتے تھے۔''

دو بند منهله والشيخ مرشده   لقلبه من نمير الشيخ انقاء

''دیوبند کے چشمہ علم سے سیراب اور حضرت شیخ زکریاؒ کی اصلاح باطنی سے مستفید تھے اور شیخ کے سلوک واحسان کے صاف پانی سے ان کا دل دھلا ہوا تھا۔''

وجوده كان مثل البدر فی فلك   كانه فی ظلام الليل اضواء

''وہ زمین میں ایسے تھے جیسے آسمان میں چودھویں کا چاند، وہ جہالت کی تاریکیوں میں روشنیوں کا مجموعہ تھے۔''

لم المزية فی علم و فی عمل   يروی الغليل فا عطاء وارواء

''علم وعمل کے صحرا نوردوں کے ہاں ان کی فضیلت مسلم تھی ان کی تو زندگی ہی بادہ معرفت کے پینے پلانے میں گزری۔''

دثاره طول عمر قال حدثنا　　بذل السعادية فی التدریس سیماء

''پوری زندگی علم حدیث کا مشغلہ ان کا اوڑھنا بچھونا تھا تدریس میں پوری کوشش اور مطالعہ کے ساتھ پڑھانا ان کا شعار تھا۔''

درس الحدیث طوال العمر خص به　　فعلمه البحر و الافتاء افتاء

''علم حدیث کی تدریس پوری زندگی ان کے ساتھ مخصوص رہی۔ ان کا علم سمندر اور فتاوی لاجواب ہوتے تھے۔''

شعاره حب اهل العلم قاطبة　　شهواهد عند نافی ذاک بیضاء

''سب اہل علم سے محبت اور تعلق ان کا شعار اور خاص مقصد تھا ہمارے پاس اس کے واضح دلائل و شواہد موجود ہیں۔''

ولقن العلم تحقیقا ودقفه　　امثاله فی قریب العهد ماجائوا

''علوم کی تدریس و تلقین بہت تحقیق و تدقیق کے ساتھ کیا کرتے، زمانہ قریب میں ان کی نظیر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گی۔''

سمت و علم و اخلاق و مرتبة　　علیة فکان الشیخ جوزاء

''آپ حسن سیرت، علم، بلند اخلاق اور اونچے مرتبے پر فائز تھے جیسے حضرت مرحوم برج جوازکی بلندیوں میں مقیم ہوں۔''

جبراً و بحراً تقیاً مازحاً طلقاً　　فعنده الضر والباساء سراء

''نیک، عالم، متقی، سمندر جیسے خوش مزاج اور ہنس مکھ تھے ان کے نزدیک تکلیف اور مصیبت خوشی کی طرح تھے۔''

شیخاً و حبراً هماماً قدوة علماً　　هو المسمی و هذا الکل اسماء

''آپ شیخ کامل، نیک سیرت، عالم، رہنما مقتدا عالی ہمت تھے آپ ان اسماء سے موسوم اور ان صفات سے متصف تھے۔''

لا تزعمن بان تحصی محاسنه　　ذکرت نبذا وقد فاتتک اشیاء

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ان کی صفات گننے میں آسکتی ہیں؟ یہ خیال درست نہیں تم نے تو بے شمار صفات سے چند ہی کا ذکر کیا۔''

تعلو شمائله تنمو فضائله　　تبقی مناهله مادام خضراء

''ان کے اخلاق طیبہ لاجواب اور فضائل روز افزون تھے ان کے علوم کے سرچشمے تا ابد انشاء اللہ باقی رہیں گے۔''

افنیت عمرک فی بث العلوم وقد　　علمت ان فناء المرء ابقاء

''آپ نے علوم کی نشر اشاعت میں عمر کے لمحات صرف فرمائے آپ پر یہ بات واضح تھی کہ بقا کا راز فنا میں مضمر ہے۔''

مافوته ثلمة فی السند قد وقعت　　فهذه لیلة للکل لیلاء

''ان کی وفات کی مصیبت صرف سندھ میں نہیں ٹوٹی بلکہ یہ اندھیری رات ہے جو سب کے لئے برابر ہے۔''

فالناس فی جدب والعلم فی سلب　　والفضل فی نهب والارض جدباء

''اب لوگ علمی قحط سالی میں پڑ گئے اور علمی دولت چھن گئی اور فضیلت کا خزانہ لٹ گیا اور زمین خشک سالی کا شکار ہوئی۔''

تبقى مفاخره تنوعى مآثره　　لم تختلف فى نبوغ الشيخ آراء

''ان کے عمدہ اور قابل فخر کارنامے رہتی دنیا تک قائم رہیں گے حضرت شیخ کی عظمت پر آراء متفق ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔''

ادخله ربى فى الجنات مكرمة　　يا غافرا يوم يسرى الجسم حوباء

''اے رب کریم عزت کے ساتھ ان کو جنت میں داخل فرما اور جس دن روح جس میں سرایت کرتی ہے ان کی مغفرت فرما۔''

واغفر لزلته من نفسه صدرت　　وارزقه مافيه اثمار وآلاء

''اے اللہ جو لغزشیں ان کی ذات سے صادر ہوئیں ان کی مغفرت اور بے حساب پھلوں اور عظیم نعمتوں والی جنتیں انھیں نصیب فرما۔''

جامعہ بنوری ٹاؤن کے دارالحدیث کا منظر جہاں آپ درس حدیث دیتے رہے۔

دارالحدیث کے برآمدہ کا بیرونی منظر۔

جامعہ علوم اسلامیہ کے دارالافتاء کا خوبصورت منظر جہاں سے ہر مسئلہ میں امت کی راہنمائی کی جاتی ہے۔

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کا منظر جہاں حضرت بنوری کے حکم سے آپ تشریف لائے

جامعہ علوم اسلامیہ کے دارالحدیث کا اندرونی منظر

مولانا محمد حسین صدیقی

کی درسی شروحات ایک نظر میں

مولانا محمد حسین صدیقی

کی چند مفید کتب ایک نظر میں

اسلام کا قانون وراثت

zamzam01@cyber.net.pk

sales@zamzampub.com